

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرجئۃ العصر

کے شبہات پر ایک نظر قرآن وسنت
اور سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں

فضیلۃ الشیخ ابو محمد عاصم المقدسی حفظہ اللہ

ترجمہ ونظر ثانی: فضیلۃ الشیخ مقبول هنگو حفظہ اللہ

مترجم اول: اخلاق احمد حفظہ اللہ (فاضل جامعۃ الاسلامیہ مدینہ یونیورسٹی۔ سعودی عرب)

دار القرآن والسنۃ

http://www.muwahideen.tk

فہرست

﴿مقدمہ﴾

یہ چند اوراق ہیں جن کا اصل اس موضوع سے متعلق جس کی طرف اس رسالے میں اشارہ کیا گیا ہے میں نے محرم''۱۴۰۸''ہجری میں لکھا تھا اور میں نے اسی پر بس کی تھا اور اس وقت میں نے اس رسالہ کا نام''ردالهداة، على من زعم أن ليس فى الأعمال والأقوال كفرمالم يرتبط باعتقاد إلا الصلاة''''یعنی ان لوگوں کا ردّ جو ہدایت یافتہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز کے علاوہ اعمال واقوال میں اس وقت تک کفر نہیں جب تک وہ عقیدے میں شامل نہ ہو''جس میں اس طرح عقیدہ کے قائل لوگوں کا ردّ کیا گیا تھا لیکن میں نے اس کے نشر وطباعت کا اس وقت کوئی اہتمام نہیں کیا اگر چہ ہمارے بعض بھائیوں نے اسے پاکستان میں ٹائپ رائٹر کے ذریعہ ٹائپ کر کے فوٹو کاپیاں کروائیں اور انہیں آپس میں تقسیم کیا اور بعض نے اس پر کچھ حواشی بھی لکھیں۔

پھر جب میں نے دیکھا کہ مرجئہ کا عقیدہ ان دنوں ان علاقوں میں اپنے اسباب کو پہنچ رہا ہے، ان کا فتنہ سر اُٹھا رہا ہے، لمبا ہوتا جا رہا ہے اور عوام میں پھیل رہا ہے، تو میں نے اس رسالہ کی اشاعت کا ارادہ کیا تا کہ طالبان حق جھمیہ اور مرجئہ کے شبہات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں اس سے فائدہ اُٹھائیں، اس لئے میں نے اس رسالہ کی اصل کی طرف مراجعت کی۔ اور اس کو نئی طرح سے مہذب کیا اور ایسے دوسرے شبہات پر ایسے رُدود کے اضافے کئے جن کا تعلق موضوع سے تھا اور جو اپنے اصل سے دُور نہیں تھے۔ اور اگر انھوں نے مستقبل میں دوسرے نئی شبہات پیدا کر دیئے تو ہمارے ہاں بھی کوئی ممانعت نہیں ہے کہ ہم بھی ان پر کسی دوسرے آنے والے رسالہ

میں ردّ کریں گے۔

اگر زندگی باقی رہی تو اللہ کی مدداوراس کی توفیق سے ہم ان شبہات کو باطل بھی کریں گے۔

إن عادت العقرب عدنالها وكانت النعل لهاجاهزة

''اگر بچھو دوبارہ واپس آیا تو ہم بھی اس کے ساتھ دوبارہ ویسا ہی کریں گے اور چپل اس کے لئے تیار ہوگی۔''

آپ دیکھیں گے کہ ہم کسی فروعی مسئلہ پر بات نہیں کررہے بلکہ دین کا یہ ایک مضبوط قاعدہ اور اصل ہے جس کا دفاع ہم ایسی قوم کے مقابلے میں کررہے ہیں۔ جو خود بھی سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کررہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اخلاص نصیب فرمائے۔ اپنے نیک بندوں میں سے بنادے اور اپنی موحد فوج میں شام فرمادئے۔

وصلى الله على محمدا النبى الامى وعلىٰ آله وصحبه وسلم.

ابومحمد عاصم المقدسی حفظه الله ۱٤۱۲ھ

فصل اول:

﴿مرجئہ کون ہیں؟﴾

مرجئہ کی تین اقسام:

① ایمان میں ارجاء کے قائل ہیں اور قدری اور معتزلہ کے مذہب پر ہیں۔

② ایمان میں ارجاء کے قائل ہیں اور جبریہ پر اعمال میں جھمیہ مذہب پر ہیں۔

③ جبریہ اور قدریہ دونوں سے باہر ہیں یہ کئی فرقے ہیں: الیونسیۃ، الغسانیہ، الثوبانیہ، التومنیہ اور المریسیہ، انہیں مرجئہ اس لئے کہا گیا ہے کہ انھوں نے عمل کو ایمان سے پیچھے کر دیا ہے۔اس لئے کہ ارجاء کا معنی ہے تاخیر کرنا اور پیچھے کرنا، کہا جاتا ہے کہ: ''أَرْجَیْتُه، وَأَرْجَأْتُه'' جب میں کسی چیز کو پیچھے کرتا ہوں۔

اور مرجئہ ایمان کے باب میں دو قسم کے ہیں:

① غلو کرنے والے مرجئہ یعنی متکلمین مرجئہ۔

② مرجئہ فقہاء۔

جو متکلمین مرجئہ ہیں: تو (ان میں سے) جہم بن صفوان اور اس کے پیروکار کہتے ہیں : ایمان یہ ہے کہ اس کا علم رکھا جائے اور اس کی تصدیق کی جائے، دل کے (دوسرے) اعمال کو وہ ایمان میں شمار نہیں کرتے، ان کا خیال ہے کہ انسان دل سے بھی کامل مؤمن بن سکتا ہے، اب چاہے وہ اللہ اور اس کے رسول کو گالی دے اور اللہ کے دوستوں سے دشمنی اور اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھے اور مسجدیں منہدم کرے قرآن اور مؤمنین کی حد درجہ اہانت کرے اور کفار کی بہت عزت کرے، (ان سب کے باوجود مرجئہ کے دعویٰ کے مطابق اس ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا) وہ

کہتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں گناہ ہیں، ایمان کے منافی نہیں ہیں جو دل میں ہے بلکہ یہ سب کرتے ہوئے بھی وہ باطنی طور پر اللہ کے نزدیک مؤمن ہے وہ کہتے ہیں کہ ایسے انسان پر دنیا میں کفار کے احکام اس لئے لگے کہ یہ تمام اقوال کفر کی علامات ہیں۔ (نہ یہ کہ یہ بذات خود کفر ہوں) جب ان پر قرآن وحدیث اور اجماع سے دلائل پیش کئے جائیں کہ (مذکورہ گناہوں کے ارتکاب کرنے والوں) میں سے کسی ایک کو ایک ہی گناہ کی وجہ سے کافر قرار دیا گیا ہے اور آخرت میں عذاب کا مستحق بھی قرار دیا گیا ہے۔ (جبکہ تم کہتے ہو کہ وہ صرف اس دنیا میں کافر ہے آخرت میں یعنی عنداللہ کافر نہیں ہے) تو وہ کہتے ہیں کہ: یہ تو دل سے علم اور تصدیق کی نفی کی دلیل ہے۔ان کے نزدیک کفر ایک ہی چیز ہے اور وہ جہل ہے اور ایمان ایک ہی چیز کا نام ہے اور وہ علم ہے۔ یا یہ کہ دل کا جھٹلانا اور اس کا تصدیق کرنا، ان کا آپس میں اختلاف ہے کہ کیا دل کا تصدیق کرنا علم کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے یا وہی ہے۔ یہ قول سب سے زیادہ فاسد ترین قول ہے منجملہ ان اقوال کے جو ایمان کے بارے میں کہے گئے ہیں، اس کے باوجود اس کی طرف بہت سے متکلمین مرجئہ مائل ہوئے ہیں۔ جبکہ سلف نے اس قول کے قائل کی تکفیر کی ہے مثلاً: وکیع بن الجراح، احمد بن حنبل، ابوعبید رحمۃ اللہ علیہم اور انھوں نے کہا کہ ابلیس نص قرآنی کی رو سے کافر تھا اس کو اس کے تکبر کی وجہ سے اور آدم (علیہ السلام) کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے کافر قرار دیا نہ کہ اس وجہ سے کہ اس نے (دل سے) خبر کو جھٹلایا تھا۔ یہی وجہ سے فرعون اور اس کی قوم کی (تکفیر کی) تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا. (النمل: ١٤)

''انہوں نے صرف ظلم اور تکبر کی بناء پر انکار کردیا حالانکہ ان کے دل یقین کرچکے تھے۔''

اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَاءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرضِ بَصَآئِرَ.

''یقیناً تو جان چکا ہے کہ آسمان وزمین کے رب نے ہی یہ (معجزے) دکھانے کو نازل فرمائے ہیں۔'' (بنی اسرائیل:۱۰۲)

یہ موسیٰ علیہ السلام جو صادق ومصدوق ہیں اُسے یہ کہہ رہے ہیں، تو معلوم ہوا کہ فرعون یہ جانتا تھا کہ یہ نشانیاں اللہ کی نازل کردہ ہیں اور وہ (فرعون) اللہ کی مخلوق میں اپنے قصد وارادہ کی فساد کی وجہ سے نہ کہ اپنی اور لاعلمی کی وجہ سے سب سے بڑا دشمنی اور سرکشی کرنے والا تھا۔

فرمان الٰہی ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَ هُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَاءَ هُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ. (القصص:٤)

''بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا اور ان میں سے ایک فرقہ کو کمزور بنا رکھا تھا ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا۔''

اسی طرح یہود تھے کہ جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ. (البقرة:١٤٦)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ جنھیں ہم نے کتاب دی وہ اُسے ایسے جانتے پہنچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔''

اسی طرح مشرکین کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ. (الأنعام:٣٣)

''(اے محمد ﷺ) بے شک وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم لوگ تو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔''

❁ **اور جو مرجئہ فقہاء میں سے ہیں تو یہ وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ:** ایمان دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کو کہتے ہیں۔ اور اعمال کو اس میں سے نہیں (شمار کرتے) ان مرجئہ فقہاء) میں سے ایک گروہ کوفہ کے فقہاءِ اور عابد لوگوں میں سے بھی تھا۔ مگر ان کا قول جہم بن صفوان کے قول کی طرح نہ تھا، وہ جانتے تھے کہ اگر قدرت رکھنے کے باوجود انسان زبان سے ایمان کا اقرار نہیں کرتا۔ تو وہ مومن نہیں ہوسکتا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ابلیس اور فرعون دل سے تصدیق کرنے باوجود کافر تھے۔ لیکن اگر وہ دل کے اعمال کو ایمان میں داخل نہ کرتے تو ان کو جہم بن صفوان کا قول لازم آتا، وہ عمل کی وجہ سے ایمان کے بڑھنے اور گھٹنے کے قائل بھی نہیں ہیں۔ لیکن اتنا وہ کہتے ہیں کہ: ایمان کا بڑھنا شریعت کے مکمل ہونے سے پہلے تھا اس کا مطلب (ان کے ہاں) یہ ہے کہ اللہ نے جب بھی کوئی آیت نازل کی اس کی تصدیق واجب ہوئی۔ تو یہ تصدیق اس تصدیق میں ضم ہوگئی، جو پہلے سے تھی لیکن جب وہ چیز مکمل ہوگئی جو اللہ نازل کر رہا تھا تو ان کے نزدیک ایمان میں تفاضل باقی نہ رہا، بلکہ تمام لوگوں کا ایمان برابر ہوا (چاہے) سابقین اولین جیسے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا ایمان یا فاجر (اور ظالم) جیسے حجاج اور ابو مسلم الخراسانی وغیرہ کا ایمان ان کے نزدیک برابر ہے۔ (کتاب الایمان ،شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

اور ارجاء کا عقیدہ زمانے میں بہت عام ہے چاہے وہ عوام میں ہو یا دیندار کہلانے والوں میں ہو۔ عوام کے ارجاء میں سے ان کا یہ مشہور قول ہے کہ: ایمان دل میں ہے۔ اعمال کا ان کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں بلکہ دل کے بناؤ اور نیت کے صاف ہونے کی دلیل کی وجہ سے اعمال کو غیر ضروری سمجھنا ان کی توہین کرنا اور ان کو چھوڑ نا۔ (اگر ارجاء نہیں تو اور کیا ہے۔)

اور جو دین اور دعوت کی طرف منسوب لوگوں کا ارجاء ہے جن کے ساتھ ہم اس کتاب میں بحث کریں گے۔ غالبًا ایمان کی تعریف اور اس کے نام میں نہیں، کیونکہ وہ ایمان کی تعریف بالکل صحیح کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''ایمان، زبان کا قول دل کا اعتقاد اور اعضاء کا عمل ہے'' یا وہ کہتے ہیں کہ وہ ''قول اور عمل کا نام ہے'' یہ ایمان کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا قول ہے۔ لیکن اسے واقعاتی طور پر اور عملی انداز میں دیکھیں جائے، خاص کر نواقض ایمان میں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جس رکن عمل کو انہوں نے تعریف میں ثابت کیا ہے وہ ان کے نزدیک فضول ہے۔ بلکہ ساقط ہونے چھوڑنے کے قریب ہے۔ ان کے اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے اور نافرمانی سے گھٹتا ہے۔ جیسا کہ اہل سنت نے کہا لیکن تمام گناہ ان کے نزدیک کمالِ ایمان کو صرف ناقص کرتے ہیں۔ (ان کے نزدیک) ایسی کوئی چیز نہیں جو کہ اصل ایمان کو توڑنے والی ہو، مگر صرف ایک حالت میں (جن گناہوں سے ایمان ختم ہو جاتا ہے) کہ ان کو حلال سمجھنا اور ان کا اعتقاد رکھنا بھی شامل ہے اسی طرح کھلم کھلا (وہ کہتے ہیں) چاہے وہ گناہ یا عمل کسی بھی شکل میں ہو۔ حالانکہ نبی ﷺ نے تو بیان فرمانے کے باوجود کہ:

''الایمان بضع وسبعون شعبة [وفي رواية ترمذي] فأفضلها 'وعندالترمذي (ارفعها) قول: لااله الاالله وأدناها اماطة الأذى عن الطريق والحياء شعبة من الايمان'' (رواه مسلم واصحاب السنن من حديث ابى هريرة رضی اللہ عنہ)

''ایمان کی ستر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں [ترمذی کی ایک روایت میں ہے] اس میں سب سے افضل ان میں سب سے بلند ارفع ''لا الہ الا اللہ'' یعنی اس بات کی گواہی کہ: اللہ کے علاوہ کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔ اور سب سے ادنی رستہ

میں سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے۔اور حیاء ایک اہم شاخ ہے۔ایمان کے درجات میں سے ہے''۔اسے مسلم اور اصحاب سنن نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

تو (معلوم ہوا) ایمان کی تمام شاخیں برابر نہیں ،یعنی ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شاخ (حیاء) یا (رستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا) کے برابر نہیں۔ بلکہ بعض ان میں وہ ہیں جن کے زائل ہونے سے ایمان میں نقص آتا ہے۔جیسا کہ حیاء ،اور بعض ان میں وہ ہیں جن کے زائل ہونے سے ایمان ختم ہوجاتا ہے۔جیسا کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شاح۔

اور خوارج اور جنھوں نے تکفیریوں میں سے ان کی موافقت اور متابعت کی ہے۔ایمان کی (کوئی بھی) شاخ کے زائل ہونے کو (پورے) ایمان کا ناقص اور زائل ہونا قرار دیا۔

گویا کہ ان (تکفیریوں) کے مذہب کے ردعمل میں اس زمانے کے مرجئہ ''مرجئہ العصر'' آئے تو انھوں نے ایمان کی تمام شاخوں کے زوال کو صرف ناقص ایمان قرار دیا،اور (ان کے نزدیک) کوئی چیز بھی ان میں سے ایمان کے اصل کو ناقص یا زائل کرنے والی نہیں ،مگر صرف وہ جس کے ساتھ انکار اور عقیدہ شامل ہوجائے یہ دونوں گمراہ ہیں۔

اور جو اہل حق ،فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ والے ہیں۔تو یہ سب ایمان اور کفر کے بارے میں اعتدال پر ہیں۔ایمان کی شاخیں ان کے نزدیک بعض تو صرف کمال ایمان پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اُسے زائل نہیں کرتے۔ان کی دو قسم ہیں:

① وہ جو کمال ایمان میں مستحب ہو۔(یعنی وہ ظاہر اقوال واعمال جن کے ساتھ ایمان کو مکمل کرنا مستحب ہو)

② وہ جو کمال ایمان میں واجب ہو۔(یعنی جن کے ساتھ ایمان کو مکمل کرنے واجب ہو)

اور ایمان کی شاخ میں بعض وہ ہیں جو اصل ایمان کو زائل اور ناقص کرتے ہیں۔یعنی

توڑ دیتا ہے۔

اس بنا پر ان (اہل حق) کے نزدیک ایمان کی تین اقسام ہیں:

① جو کہ کمال ایمان میں مستحب ہو اور وہ یہ کہ جس میں شریعت کے بنانے والے نے رغبت دلائی مگر اس میں کمی پر کوئی پکڑ نہیں۔

② جو کہ کمال ایمان میں واجب ہو اور وہ یہ کہ جس میں زیادتی یا کمی پر شارع نے ایسے وعید سنائی ہو جو کفر تک نہ پہنچتی ہو۔

③ وہ جو کہ اصل ایمان میں سے ہیں تو وہ مرکب ہے ہر اس شاخ سے جس کے ناقص اور زائل ہونے سے ایمان زائل ہو جاتا ہے۔

اور اہل حق دلیل شرعی کے سوا کسی بھی چیز کو ان میں سے فیصلہ کن نہیں مانتے۔ ﴿سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا﴾ ''اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے'' (البقرۃ: ۳۲)۔ اور (اہل سنت) ان میں سے کسی بھی چیز کو فیصلہ کرنے والا نہیں مانتے مگر تب جب اس کے ساتھ دلیل شرعی موجود ہو یا جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے نص موجود ہو۔

ابواب ایمان اور کفر میں ہمارے زمانے کے مرجئہ میں ارجاء کے لحاظ سے نزدیک ترین فرقہ بغداد کے مرجئہ مریسیہ ہے یہ لوگ بشر بن غیاث المریسی کے پیروکار ہیں جو کہ ایمان کے بارے میں یہ کہتا تھا کہ: وہ دل و زبان دونوں کی تصدیق کا نام ہے اور یہ کہ: کفر انکار کا نام ہے، ان کا خیال تھا کہ بتوں کو سجدہ کرنا کفر نہیں بلکہ کفر پر دلالت کرتا ہے۔ (یعنی ان کے خیال میں بت کو سجدہ کرنا بذات خود کفر نہیں بلکہ یہ سجدہ کرنا دیکھنے والے کو بتاتا ہے کہ اس سجدہ کرنے والے کے دل میں کفر اور شرک ہے اس بناء پر وہ مشرک یا کافر ٹھہرتا ہے۔) مثال کے طور پر دیکھئے عبدالقاہر

بغدادی کی کتاب ''الفرق بین الفرق ''عبدالقاھر بغدادی (ص ۱۸۰)

اس لئے ہمارے زمانے کے مرجئہ کے خیال میں کوئی ایسا عملی کفرنہیں ہے جو دین اسلام سے نکالنے والا ہو۔مگر یہ کہ اس کا تعلق عقیدہ،انکار اور استحلال سے ہو۔ان کے نزدیک یہی کفر ہے۔(کہ آدمی کوئی حرام کام کرے اور اسے دل سے حلال بھی سمجھے جب تک اسے حرام نہ سمجھے تو کوئی بھی حرام کام یا بات ان کے نزدیک دین اسلام سے خارج کرنے والی نہیں ہے) چاہے وہ اللہ کو گالی دینے کے باب میں ہو یا بت کو سجدہ کرنے یا اللہ کی شریعت کے علاوہ کفریہ قوانین بنانے میں ہو یا اللہ کے دین کے ساتھ مذاق ہو،تو یہ سب (ان کے نزدیک) بذات خود کفرنہیں ہے بلکہ وہ (ان کے نزدیک) اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا کرنے والا کفر کا عقیدہ رکھتا ہے،تو کفر (ان کے نزدیک) کسی (حرام چیز) کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھنا اس کا انکار کرنا (یا کسی حلال چیز کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھنا اور اس کے حلال ہونے کا انکار کرنا ہے) اس چیز سے انہوں نے اہل اسلام پر بہت بڑے شر کا دروازہ کھول دیا جس سے ہر ملحد اور زندیق اور اللہ کے دین میں طعن کرنے والا امن اور اطمینان سے داخل ہوا،اور انھوں نے مرتد طواغیت کے لئے ایسی پیوندکاری کی اور ایسے شبھات کے ساتھ ان کی طرف جھگڑا اور مناظرہ کیا کہ ان طواغیت کے وہم وگمان میں بھی نہ گزرا ہوگا،اور نہ کبھی انھوں نے سنا ہوگا،اور نہ ہی کبھی مرجئہ العصر جیسی کوئی مخلص فوج ملنے کا (سوچا ہوگا) کہ جو ان کی طرف سے لڑے اور ان کے باطل کا دفاع کرے۔اس لئے بعض سلف نے ارجاء کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''وہ ایسا دین ہے جو بادشاہوں کو خوش کرتا ہے'' اور بعض نے مرجئہ کے فتنہ کے بارے میں کہا کہ وہ یہ ''خوارج کے فتنہ سے زیادہ امت کے لئے خطرناک ہے'' اور کہا کہ ''ہمارے نزدیک خوارج مرجئہ سے زیادہ معذور ہیں'' یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو بے فکری میں کہی گئی ہو بلکہ یہ حق اور سچ ہیں، کیونکہ شروع میں خوارج جن اسباب کی

بناء پر غلو اور انحراف پر مجبور ہوئے وہ اللہ کے محرمات اور اس کی حدود کے لئے ان کا غصہ ہونا (اور ان کی غیرت) تھی۔ یہی ان کا دعویٰ تھا۔ جبکہ مرجئہ کو ان کا مذہب شرعی حدود کی خلاف ورزیوں اور دینی قواعد وضوابط سے خاص کی طرف لے گیا۔ ❶

اور اس نے ارتداد کے ابواب کفار کی آسانی اور زنادقہ کی سہولت کے لئے کھول دیئے۔ ہمارے اس دور نے عصرِ حاضر کے خوارج اور تکفیر میں غلو کرنے والوں کے ردّ میں بہت کچھ لکھا ہوا دیکھا اور پایا یہاں تک کہ بازار کتابوں اور رسائل سے بھر گئے، اکثر میں تو ظلم زیادہ اور انصاف کم تھا۔ جبکہ اس کے مقابل میں ہم کو ایسی کتابیں بہت کم ملیں جو کہ ارجاء پر تفصیلی بحث کریں خصوصاً دورِ حاضر کا ارجاء اور مرجئہ کے بارے میں (جو کہ) ان کے شبہات سے اس طرح ڈرائیں جیسا کہ خوارج کے شبہات سے ڈراتے ہیں ❷۔ تو شاید اس باب میں ہماری یہ کتاب اس کمی کو کسی حد تک پورا کر دے یا ایک اچھے طریقے کو جاری کرے تا کہ اہل علم کو اس بارے میں لکھنے پر ابھارے تا کہ حق کو بیان ہو، باطل اور بدعتیوں کے ان شبہات کا جنھوں نے حق مبین کو مسخ کر دیا ہے۔ کھوٹا ہونا ظاہر ہو اور میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کے ذریعے بہرے کانوں، اندھی آنکھوں اور پردے پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے، اور اس کو خالص اپنی کریم ذات کے لئے کر دے اور تمام کمال کی صفات اسی کے لئے ہیں اول بھی آخر بھی۔

❶ میں کہتا ہوں (ان کے مذہب نے اکسایا) کہ شروع میں مرجئہ میں فقہاء اور عابد لوگ تھے۔ اور ان کی مخالفت اہل سنت سے صرف ایمان کی تعریف میں تھی۔ اس کے ساتھ وہ اعمال کو ایمان میں داخل نہیں سمجھتے تھے کیونکہ شیطان نے انہیں شبہ میں ڈال دیا تھا۔ مگر انھوں نے اعمال کرنے چھوڑے نہ ہی کفر کو آسان لیا اور نہ مشرکین کی حمایت کی، لیکن مرورِ زمن کے ساتھ ارجاء اپنی نئی شکل میں آیا ہے اور اس کے ماننے والے منقسم ہوئے اور گروہ بنے اور نتیجہ یہ کہ وہ اب اس سطح پر ہیں جس پر ہم بحث کر رہے ہیں۔ جب کہ مرجئہ نے شرعی حدود سے تجاوز کیا ہے دینی قیود وضوابط سے۔

❷ ۱۲ سال ایسی حالت تھی مگر اب بفضل تعالیٰ توحید کے علمبرداروں نے ایسی کتب لکھ دی ہیں جن سے دلی تسکین ہو جاتی ہے اور مکمل رہنمائی میسر آ جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ علی خاتم الانبیاء ، والمرسلین ، وبعد

اللہ آپ پر اور ہم پر اپنی رحمت کرے، یہ جان لیں کہ جو لوگ علم اور دعوت الیٰ اللہ کا دعوٰی کرتے ہیں ان کے بہت سے اقوال ہم تک پہنچے ہیں، جن کا لب لباب یہ ہے کہ کوئی قول یا عمل ایسا نہیں جو کہ اس کے کرنے والے کو کافر بنائے مگر یہ کہ اس قول یا عمل کے ساتھ اعتقاد بھی ہو، اگر کفری قول وعمل کے ساتھ ان کے جائز ہونے کا عقیدہ نہ ہو تو وہ (ان کے نزدیک) کفر نہیں ہے۔اور نماز کو اس سے مستثنٰی کرتے ہیں۔شاید ان کے اکثر لوگ عبداللہ بن شفیق العقیلی کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

((کان اصحاب محمد ﷺ لا یرون شیئًا من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلاۃ)).

''آپ ﷺ کے صحابہ نماز کے علاوہ اور کسی بھی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔'' (ترمذی نے اس کو روایت کیا، حاکم نے بھی اس کو روایت کیا اور صحیح کہا ہے)

اور وہ اس مشہور قول سے بھی استدل لیتے ہیں کہ ''وَلَا نُکَفِّرُ مُسلِمًا بِذَنبٍ مَا لَمْ یَسْتَحِلَّہٗ ''،ہم مسلمان کی تکفیر اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک اس کو حلال نہ سمجھے،شاید بعض نے اسے مرفوع کے درجہ پر پہنچا کر حدیث ہی بنا دیا ہے۔معنی اس کا یہ ہے کہ ''ہم کسی مسلمان کو اس وقت تک کافر نہیں کہتے جب تک کہ وہ اپنے گناہ کو حلال نہ سمجھے''۔ہم کچھ لوگوں سے بالمشافہ اس بارے میں بات کر چکے ہیں اور ہم نے انہیں بہت سی مثالیں بھی دیں۔ جو کہ ان کے اعتقاد کے مخالف ہیں، جیسا کہ گالی دینا اور مذاق کرنا اور بت کو سجدہ کرنا وغیرہ۔تو انھوں نے

کہا کہ یہ اقوال اور اعمال جیسی چیزیں اعتقاد کے بغیر نہیں ہوتیں گالی دینے والا یا مذاق کرنے والا یا بت کا سجدہ کرنے والا لازماً اپنے اندر عقیدے کا فساد رکھتا ہے اور دین کو کم تر سمجھتا ہے جو کہ اُسے گالی دینے اور مذاق اڑانے جیسی چیزوں پر اکساتا ہے اور یہی کفر ہے، نہ کہ اعمال، کسی بھی عمل پر عقیدے کے بغیر کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

یاد رہے کہ اصل اختلاف تو اس بارے میں ہے کہ طاغوت کے پاس فیصلہ لیجانا کفر ہے یا نہیں؟ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسے تب کافر کہا جائے گا جب وہ اللہ کے حکم سے انکار کرے اور طاغوت کے فیصلے کو حلال سمجھے (یعنی عمل کفر کا سبب نہیں ہے بلکہ اندرونی اعتقاد کا اعتبار کیا جائے گا) طواغیت سے مراد یہاں اس دور کے وہ قانون ساز ہیں جو اللہ کے دین وشریعت کے ہوتے ہوئے اپنا قانون بنا رہے ہیں۔اب یہ لوگ ان طواغیت کے اس عمل یا ان کے پاس فیصلے لے کر جانے والوں کے اس عمل کو صرف اس صورت میں کفر قرار دیتے ہیں جب اللہ کے حکم کا انکار کرتے ہوں اور طاغوتی فیصلے کو حلال وجائز سمجھتے ہوں ورنہ اس شرط کے بغیر طاغوت سے فیصلہ کرانا یا شریعت بنانا اللہ کا مذاق اڑانا، اللہ کی شریعت کی مذمت کرنا غیر اللہ کو سجدہ کرنا کفر نہیں ہے۔میرا گمان تھا کہ یہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو دین کے معاملے میں لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ عالم اور داعی کہلانے والے عوام وخواص میں مقبول بعض حضرات بھی اس قسم کی کمزور اور دلائل سے یکسر عاری رائے کا اظہار کرتے ہیں دراصل یہ علماء اور دین کے مبلغ کہلانے والے مرتد اور گمراہ حکمرانوں کا دفاع کرنا چاہتے ہیں تو میں نے یہ چند اوراق اسی مقصد کیلئے تحریر کئے ہیں کہ اس طرح کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرسکوں اور صحیح صورت حال مسلمانوں کے سامنے پیش کرسکوں اللہ سے توفیق اور خلوص نیت کی دعا ہے۔اللہ اسے نفع بخش بنائے۔

فصل دوم:

﴿بعض اقوال وافعال خالصتاً کفر ہیں﴾

سب سے پہلے یہ جان لیں کہ یہ شبہ کوئی نیا شبہ نہیں بلکہ بہت پرانا ہے اور اسے ان مقلد اور جاہل لوگوں نے اپنے شیوخ اور گمراہ اور بھٹکے لوگوں سے وراثت میں لیا ہے۔جیسے کہ جہم بن صفوان اور بشر بن غیاث المریسی اوران جیسے دوسرے کہ یا تو مرجئۃ العصر نے ان کی کتابیں پڑھیں ہیں یا یہی مرجئہ قدیمہ والی بات انھوں نے شیطان سے لی ہے۔بشر بن غیاث سے منسوب اقوال میں سے اس کا یہ قول کہ ''سورج اور چاند کو سجدہ کرنا کفر نہیں بلکہ کفر کی علامت ہے'' معلوم ہوا کہ (مرجئۃ العصروالاعقیدہ) جہم اوراس پیروکاروں کا عقیدہ ہے،اسی لئے امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المحلی'' کے صفحہ نمبر ۴۹۸ جلد ۳ پر اللہ کو گالی دینے کے بیان میں فرمایا ''اللہ کو گالی دینے کے معاملہ میں زمین پر کوئی بھی ایسا مسلم نہیں جو اس کے کفر مجرد ہونے میں اختلاف کرے،مگر جھمیہ اور اشعریہ دونوں فرقوں نے اس بات کو نہیں مانا وہ اسی بات پر اصرار کرتے ہیں کہ اللہ کو گالی دینا اور کفر کا اعلان کرنا کفر نہیں، کچھ نے کہا کہ: یہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کفری عقیدہ رکھتا ہے لیکن وہ یقینی طور پر گالی دے کر کافر نہیں ہوتا۔میں کہتا ہوں: کہ آپ ذرا اس بات پر اوران سرکش داعیوں کی بات پر غور فرمایئے کہ جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا۔

اَتَوَاصَوْابِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ. (الذاریات:۵۳)

''کیا یہ لوگ اس بات کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے ہیں؟ بلکہ یہ گمراہ وسرکش قوم ہے۔''

ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا''ان کی بات کی بنیاد ہی غلط ہے جو اہل اسلام کے اجماع سے خارج ہے۔اور وہ یہ کہ وہ کہتے ہیں''ایمان صرف دل کی تصدیق کا نام اگر چہ کفر کا اعلان ہو۔ [1]

اور صفحہ ۴۹۹ پر فرمایا''کہ ان سے کہا جائے کہ جب اللہ کو گالی دینا تمہارے نزدیک کفر نہیں تو پھر تم یہ کیسے کہتے ہو کہ یہ کفر کی دلیل ہے؟ اگر وہ اس کے جواب میں کہیں کہ: یہ کہنے والے پر اس قول کی وجہ سے کفر کا حکم لگا دیا گیا ہے تو ان سے یہ کہا جائے کہ: کفر کا حکم صرف یہی بات کہنے پر دیا گیا ہے نہ اس غائب بات پر جس کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں بلکہ اس پر تو صرف اس کہنے سے ہی کفر کا حکم لگا دیا گیا تو اس کا یہ کہنا ہی کفر ہے اللہ ایسے لوگوں کے بارے میں بتاتا ہے کہ جو اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جو ان کے دل میں نہیں تھی ان کے قول کی وجہ سے وہ کافر ہوئے جیسے کہ یہود، جنھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت کو جان لیا تھا جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے، اور وہ اس کے باوجود وہ قطعی اور یقینی طور پر کافر تھے اس لیے انھوں نے کلمہ کفر کا اعلان کر دیا تھا اور کلمہ کفر قول ہی ہوتا ہے۔ اس جگہ ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا''اور ان مرجئہ میں اس بات میں اختلاف نہیں کہ کتاب اللہ میں کافر اور کفر کا حکم اسی پر لگایا گیا جس نے ایسے کلمات کہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ. (المائدة:۱۷)

''البتہ تحقیق ایسے لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ بے شک مسیح ابن مریم اللہ ہیں''

اور اللہ نے فرمایا:

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ. (التوبة:۷۴)

---

[1] مطلب یہ کہ جب ان کے نزدیک ایمان صرف دل کے اعتقاد کا نام ہے اور اعمال کا اس میں کوئی دخل نہیں تو ان کے نزدیک ایمان اعتقاد کے بغیر نہیں ٹوٹتا، ہمارے دور کے مرجئہ اگر چہ پہلے مرجئہ کی مخالفت ایمان کی تعریف میں ضرور کرتے ہیں مگر وہ ان کے منہج کی موافقت کرتے ہیں اور مزید شبہات پیدا کر کے انہیں رواج دیتے ہیں۔

''بے شک انہوں نے کلمہ کفر کہا اور اسلام لانے کے بعد کافر ہوئے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ صرف کوئی کفریہ بات کرنا بھی کفر ہوتا ہے۔اور ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب:(الفصل فی الملل و الاهواء و النحل:طبعة دار الجيل مجلد ٥ صفحة ٧٥) میں کہا کہ اشعریہ کہتے ہیں کہ: بے شک ایسے آدمی کو جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے اسلام کا اظہار کرے اُسے گالی دینا اور اللہ اور رسول کو زبان سے جھٹلانا بغیر تقیہ اور حکایتاً کسی اور کا قول نقل کرنا جبکہ وہ دین اللہ اپنانے کا اقرار کرتا ہو ان میں سے کوئی بھی بات کفر نہیں ہے (پھر انہیں ڈر ہوا کہ کہیں تمام اہل اسلام ان کی مخالفت کریں گے تو فوراً کہا کہ): لیکن یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں کفر ہے، بلکہ اسی جگہ اشعریہ کا ایک اور قول ذکر کیا ہے کہ ''ابلیس آدم کو سجدہ نہ کرکے اللہ کا حکم نہ مان کر کافر نہیں ہوا نہ ہی یہ کہہ کے کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ بلکہ وہ تو اس انکار کی وجہ سے جو اس کے دل میں اللہ کے لئے تھا) کافر ہوا۔ پھر آپ نے آگے فرمایا: یہ قرآن کے خلاف ہے اور کہانت ہے، اسے وہی جان سکتا ہے جسے شیطان نے خود بتایا ہو۔ کہ اس اشعری کا شیخ جو کہ ابلیس ہے اور جنھوں نے اس اشعری کو یہ خبر دی ہے کہ جب وہ سجدہ سے انکار کرتے تھے تو وہ انکار کی وجہ سے کافر نہیں ہوئے بلکہ اس کفر کی وجہ سے کافر ہوئے جو اس ابلیس کے دل میں تھا اس سے انکار نہیں کہ یہ خبر اس اشعری کو ابلیس نے دی ہے مگر ابلیس غیر ثقہ راوی ہونے کی وجہ سے اس کی روایت ضعیف ہے۔ اور صفحہ ٧٦ پر کہتے ہیں ''ہم نے اس ملعون مقالہ لکھنے والوں پر ردّ کیا ہے اور اس کتاب کا نام (اليقين فی النقض على الملحدين المحتجبين عن ابليس اللعين و سائر الكافرين) رکھا۔ یہ کتاب تو ہمیں دستیاب نہ ہو سکی البتہ شیخ نے جو ردّ اسی میں سے، یعنی جو ردّ انھوں نے مرجئہ پر کیا ہے اس میں سے ان کا یہ قول بھی ہے: کہ مرجئہ کی یہ بات کہ: ''اللہ اور رسول کو گالی دینا کفر نہیں مگر یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں کفر

ہے'' ان کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ یہ دعوٰی ہے، مرجئہ نے جو بات کہی ہے اس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ ایک دعوٰی بلا دلیل ہے بلکہ دلیل ان کے مخالف ہے جو کہ انھوں نے ذیل میں دی ہے:

يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡر.(التوبة:٧٤)

''اپنے قول پر اللہ کی قسم کھاتے ہیں اور البتہ تحقیق انھوں نے کفریہ بات کہی ہے۔''

اللہ نے کہہ دیا کہ کچھ کلمات کفریہ بھی ہو سکتے ہیں:

وَقَدۡ نَزَّلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الۡكِتٰبِ اَنۡ اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكۡفَرُ بِهَا وَيُسۡتَهۡزَاُ بِهَا فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ.(النساء:١٤٠)

''جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے یا مذاق اڑایا جاتا ہے تو پھر ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ اپنا موضوع سخن بدل نہ لیں ورنہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ کچھ باتیں جو سنی جاتی ہیں جو اللہ کی آیات کے بارے میں کہی جاتی ہیں وہ بذات خود کفر ہو سکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَةً.(توبة:٦٥-٦٦)

''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے، کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ تم مذاق کرتے ہو، معذرت نہ کرو تحقیق تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو، ہم اگر ایک گروہ کو معاف کریں گے تو دوسرے کو عذاب بھی دیں گے۔''

اللہ نے اس پر نص قرآنی نازل فرما دی کہ اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑانا ایمان سے خارج کرنے والا کفر ہے، اللہ نے یہ نہیں کہا کہ میں جان گیا ہوں کہ ان کے دل میں کفر ہے بلکہ ان کو صرف استہزاء کی وجہ سے کافر قرار دیا۔ لہٰذا وہ اللہ کے بارے میں وہ کچھ کہہ رہے ہیں جو انھوں نے نہیں کہا ہے اور اللہ پر جھوٹ بول رہا ہے۔ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب(الفصل: ۳/۲۵۳) میں ان مرجئہ کے ردّ میں فرماتے ہیں: کہ اگر کوئی شخص محمد ﷺ اور ان کے پیرو کاروں کو (نعوذ باللہ) کافر کہے اور خاموش رہے اگرچہ دل میں اس سے مراد وہ طاغوت کے منکر لیتا ہو۔

جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا. (البقرة:۲۵۶)

”پس جو طاغوت کا کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے حقیقت میں اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا جو ٹوٹنے والی نہیں۔“

تو کوئی بھی مسلمان اس کو کافر قرار دینے میں اختلاف نہیں کرے گا۔اسی طرح اگر اس کے (دل) کا ارادہ یہ ہو کہ (فرعون، شیطان اور ابو جہل) مؤمن ہیں (مگر) کفار کے دین پر، یعنی انھوں نے کفار کے دین پر ایمان لایا ہے پھر بھی اس کے ظاہری قول کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ثابت یہ ہوا کہ ہم نے اُسے صرف اس کے قول اور بات کے سبب کافر کہا اور اس میں اس کے دلی اعتقاد کا کوئی دخل نہیں۔اسی طرح جو بھی کفریہ قول یا عمل کا اظہار کرے گا ہم اُسے محض اس کے قول اور عمل کی وجہ سے کافر کہیں گے جبکہ دلی اعتقاد تو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((انی لم أبعث لأشق عن قلوب الناس)) (بخاری:٤٠،٦٠)

''میں اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ لوگوں کے دل چیر کو دیکھتا رہوں۔''

اس کے خلاف دعوٰی کرنے والا اصل علم غیب کا مدعی ہے اور اور علم غیب کا مدعی بلاشک جھوٹا ہے۔ اللہ نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ اہل کتاب حق کو پہچانتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ حق ہے اور محمد رسول اللہ حق ہے۔ مگر اپنی زبانوں سے اس کے برعکس اظہار کرتے ہیں اللہ نے بھی انہیں صرف اسی بات پر کافر کہا جس کا انہوں نے اپنی زبانوں اور افعال سے اظہار کر دیا۔

(کتاب الفصل:٣/٢٥٩)

اللہ نے فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ اٰيٰتُنَا مُبۡصِرَةً قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۝ وَجَحَدُوۡا بِهَا وَاسۡتَيۡقَنَتۡهَآ اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّعُلُوًّا. (النمل:١٤)

''جب ان تک ہماری آیات روشن کر دینے والی وضاحت کرنے والی آ گئیں تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔ اور انھوں نے ان کا انکار کیا ظلم اور تکبر میں جبکہ ان کے نفس ان پر مطمئن تھے۔''

ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں ''یہ بھی بالکل واضح نص ہے جس میں تأویل کا کوئی احتمال نہیں کہ کفار نے اپنی زبانوں سے انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی آیات کا انکار کیا، دل میں انہیں یقین تھا کہ وہ آیات حق ہیں۔'' (کتاب الفصل:٣/٢٤٣)

اور ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا:

مرجئہ میں سے بعض نے اخطل النصرانی کے اس قول سے دلیل لی ہے۔

ان الکلام لفی الفؤاد وانما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا[1]

''بے شک بات تو دل میں ہوتی ہے زبان صرف اس پر دلالت کرتی ہے''

ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ شعر کہنے والا بھی ملعون ہے اور وہ بھی ملعون ہے جو اس عیسائی کے ایک شعر کو اللہ کے دین میں دلیل مانتا ہو۔ عقل اور حس بھی اس شعر کی تکذیب کرتے ہیں جبکہ یہ شرعی اور معاملہ مسئلہ ہے اور (اخطل کے شعر سے دلیل لینا) لغت کے اس باب میں سے بھی نہیں جس میں کسی عربی شخص (کے کلام سے) دلیل لیا جا سکتا ہے اگر چہ وہ کافر ہو کیونکہ (اس طرح کی دلیل) عقلی معاملے میں (کسی کافر عربی شخص کے کلام سے جو بنی عباس کے دور کے پہلے کا ہو لیا جا سکتا ہے) اور ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عیسائی ملعون سے بہت زیادہ سچا ہے، وہ کہتا ہے۔

يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ.(آل عمران:١٦٧)

''اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی۔''

اللہ نے بتا دیا کہ کچھ لوگ اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی جبکہ اخطل ملعون کہتا ہے کہ جو کچھ دل میں ہوتا ہے زبان اس پر دلالت کرتی ہے۔ ہم اللہ کو سچا اور اخطل کو جھوٹا سمجھتے ہیں اور اللہ اس پر بھی لعنت کرے جو اخطل کو دین اسلام میں حجت بنائے۔ (حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل)

اور ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

اللہ نے فرمایا:

اِنَّ الَّـذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ

---

[1] یہ شعر اخطل کا نہیں بلکہ ابن ضمضام کا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔''ان البیان لفی......''

لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِىْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ۞ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۞ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ. (محمد: ۲۵،۲۸)

’’بے شک جولوگ ہدایت واضح ہونے کے بعد مرتد ہو گئے، شیطان نے ان کے لئے گھڑا اور بیان کیا، یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے ایسے لوگوں سے کہا کہ ہم تمہاری پیروی بعض چیزوں میں کریں گے جنھوں نے اللہ کے نازل کردہ کو کراہت سے دیکھا، اور اللہ ان کے اسرار جانتا ہے، تو پھر ان کا کیا حال ہوگا جب ملائکہ ان کی روح قبض کرتے ہوئے اور ان کے چہرے اور پشت پر ماریں گے، یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اس چیز کی پیروی کی جو اللہ نے ناپسند کیا اور اللہ کی مرضی کو مکروہ سمجھا پس ان کے اعمال ضائع کردیئے۔‘‘

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ نے انہیں کافر قرار دیا بعد اس کے کہ انہیں حق کا علم ہو چکا تھا اور ہدایت واضح ہو چکی تھی، صرف ان کے اس قول کی بنا پر جو انھوں نے کفار کو کہا تھا انہیں کافر کہا گیا ہے۔ اور اللہ نے ہمیں بتادیا کہ وہ ان کے دلوں کے راز جانتا ہے، اور اللہ نے یہ نہیں کہا کہ یہ انکار یا تصدیق ہے بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ ان کے باطن میں تصدیق ہے، کیونکہ ہدایت ان پر واضح ہو چکی تھی اور جس پر ہدایت واضح ہوجائے تو اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ دل سے اس کا انکار کر سکے۔

ابن حزم رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ.

’’اپنے قول پر اللہ کی قسم کھاتے ہیں اور البتہ تحقیق انھوں نے کفر یہ بات کہی ہے اور کافر ہوئے ہیں مسلمان ہونے کے بعد۔‘‘ (التوبۃ:٧٤)

یہ بات نص قرآنی سے ثابت ہوگئی کہ جو کوئی تقیہ کے بغیر کلمہ کفر کہے گا تو اس نے اسلام کے بعد کفر کیا، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جو اعتقادِ ایمانی رکھے اور کلمۂ کفر کہے تو وہ اللہ کے ہاں بھی قرآن کی دلیل سے کافر ہوا۔(کتاب الدرہ فیما یجب اعتقادہ:٣٣٩)

اللہ کا فرمان ہے۔

یَـاَیُّهَـا الَّـذِیْـنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بَالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ.

’’اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو اور نہ ہی اپنے قول کو اونچا کرو جیسا کہ آپس میں کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال نہ ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔‘‘ (الحجرات:٢)

یہ مؤمنین کو واضح خطاب ہے کہ ان کا ایمان مکمل باطل اور اعمال ضائع ہو جائیں گے اگر انھوں نے اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے اونچی کی، اور ان کی طرف سے انکار نہیں ہوا، اگر انکار ہوتا تو انہیں اس کا احساس ہو جاتا، جبکہ اللہ بتا رہا ہے کہ مؤمنوں کو اعمال باطل ہونے کا احساس بھی نہ ہوگا۔ثابت ہوا کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جو کہ کفر ہیں اور ان کے کرنے والے کا ایمان مکمل طور پر باطل کر دیتا ہے اور کچھ ایسے ہیں کہ جو کفر تو نہیں ہیں مگر اللہ نے ان کے بارے میں جو حکم لگا دیا ہے اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

میں کہتا ہوں: یہ وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔اسی طرح خوارج کا یہ قول غلط ہے کہ ہر قسم کا گناہ کفر ہے ایمان کو مکمل طور پر ختم کر دیتا ہے۔موجودہ دور کے مرجئہ کی بات بھی غلط

ہے کہ تمام اعمال اور گناہ اس وقت تک کافر نہیں کرتے جب تک اس میں اعتقاد نہ شامل ہو۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کچھ اعمال ایمان کو باطل اور منہدم کرنے والے ہیں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا اور آیات سے ثابت کیا گیا۔ اور کچھ اعمال ایسے ہیں جو کمالِ ایمان کے منافی ہیں اور اُسے ناقص کرتے ہیں مکمل طور پر ختم نہیں کرتے جب تک ان میں انکار یا استحلال شامل نہ ہو جائے۔ یہ تفاصیل خوارج نے اپنے افراط کی وجہ سے ضائع کردیں اور مرجئہ نے ان سے اعراض کیا اپنی تفریط کی وجہ سے، اور دونوں گمراہ جماعتیں ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ارجاء کا فتنہ (پہلے پہل) حکمرانوں کے خلاف خروج اور اس پر مرتب ہونے والی سزاؤں کا ردّعمل کا نتیجہ تھا مگر یہ ایسا ردّعمل تھا جو اصولوں کے ساتھ منضبط نہیں تھا (بلکہ حکمرانوں کی خوشامد کی وجہ سے اس ارجاء کو اختیار کیا گیا تھا) اس زمانے کے مرجئہ کا بھی اپنی ان جہالتوں پر مبنی بحثوں میں یہ حالت ہے کہ جن کا غالب حصہ تکفیرین کا بلکہ ان اہل حق کا ردّعمل ہے جو ان لوگوں کو کافر کہتے ہیں جن کو اللہ و رسول ﷺ نے کافر کہا ہے دلیل کے ساتھ تو جو مداہنت اور میلان ان مرجئہ میں تھا بالکل وہی مداہنت اور میلان طاغوت حکمرانوں کی طرف ان میں ہے تو یہ غالباً ردّعمل ہے (اس زمانے میں) اہل توحید کو اِن طاغوت حکمرانوں کے سزاؤں کا، ان کو قید کرنے کا اور ان کو عذاب دینے کا (مگر یاد رکھو) کہ حق کے طالب میں اس طرح کے عکسی ردّعمل حکومت نہیں کرتی، بلکہ وہ تو نبی ﷺ کی اس حدیث کو ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے جس میں ایک غالب اور مدد کی ہوئی جماعت کا ذکر ہے ''لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ وَلَا مَنْ خَذَلَهُمْ'' نہ کسی کی مخالفت ان کو نقصان پہنچا سکتی ہے نہ کسی کا چھوڑ نا نہ تو وہ نقصان پاتا ہے نہ منحرف ہوتا ہے نہ افراط کرنے والوں سے متاثر ہوتا ہے اور نہ تفریط کرنے والوں سے، بلکہ وہ ہمیشہ اس صاف اور سیدھے راستے پر قائم وثابت رہتا ہے جس پر نبی ﷺ نے چھوڑ دیا ہے اس

وقت کہ یہ اللہ سے ملے۔

۞ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ: ازارقہ کے فتنہ سے زیادہ مرجئہ کا فتنہ اس امت کیلئے خطرناک ہے۔(کتاب السنة عبداللّٰه بن احمد ۱/۳۱۳)

۞ اورانہی کا قول ہے کہ ''خوارج مرجئہ سے زیادہ میرے نزدیک معذور ہیں''۔

(کتاب السنة عبداللّٰه بن احمد ۱/۳۳۷)

۞ امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یحییٰ اور قتادہ (تابعین رحمہما اللہ) کہتے تھے: اس امت کے لئے ارجاء سے زیادہ بدعات میں سے کوئی اور چیز خطرناک نہیں۔(کتاب السنة عبداللّٰه بن احمد ۱/۳۱۸)

جب ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت ہوئی تو اس کے ردعمل میں ارجاء وجود میں آیا۔ کہ اس بغاوت میں قتل، قید اور دیگر آزمائشیں آئیں۔ پہلی مرتبہ ارجاء کا ظھو اور اس کا پھیلاؤ عبدالرحمٰن بن اشعث [1] کی وجہ سے ہوا لیکن یہ ردّعمل شریعت کے ضابطوں کے مطابق نہیں تھا جیسا کہ دور حاضر کے مرجئہ کا ارجاء ہے جسکا اظہار یہ اپنے اقوال میں کرتے رہتے ہیں یہ ردّعمل ہے موجودہ دور کے غلو کرنے والے تکفیریوں کا بلکہ ان اہل حق کا ردعمل ہے جو ان لوگوں کو کافر کہتے ہیں جنہیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کہا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ مرجئہ طاغوت حکمرانوں کے لئے انتہائی نرم گوشہ رکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ سرکش حکمران اہل توحید کو سزائیں دیتے ہیں ۔قید و بند کی تکالیف دیتے ہیں۔ حق کا طالب کبھی بھی ردعمل کا مظاہرہ نہیں کرتا بلکہ وہ ہمیشہ اپنے

---

[1] امام ذہبی رحمہ اللہ نے قتادہ رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کیا کہ یہ حادثہ ارجاء ابن اشعث کی ہزیمت کے بعد ہوا۔(سیر اعلام النبلاء: ۵/۲۷۵)، ابن اشعث نے اپنے زمانے کے حکمرانوں کے خلاف خروج کیا اور اس کے ساتھ ایک جماعت اہل علم کی بھی تھی ۔ان کے اور حجاج کے درمیان بہت سے معرکے ہوئے اکثر میں حجاج ہارا یہاں تک کہ معرکۂ جماجم سن ۸۲،۸۳ ہجری میں عراق میں ہوا جس میں حجاج جیت گیا اور اسی کے نتیجے میں ارجاء کا ظھور ہوا۔

سامنے رسول ﷺ کی وہ حدیث رکھتا ہے جس میں طائفہ منصورہ کی تعریف کی گئی ہے۔ کہ اس گروہ منصورہ کو کسی کی مخالفت نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ طالب حق کبھی افراط وتفریط کرنے والوں سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ واضح راستے پر قائم رہتا ہے۔ نبی ﷺ کا راستہ ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کی تفصیلی گفتگو نقل کرنے کے بعد اب ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے پیش کرتے ہیں: اس سے ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ مرجئہ عصر کی گمراہیوں کا قلع قمع کیا جائے۔ مرجئۃ العصر شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے بعض کلام سے زبان درازی کر کے استدلال کرتے ہیں ۔، ہمارے لئے نہ تو شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا کلام حجت ہے اور نہ ابن حزم رحمہ اللہ بلکہ اصل حجت تو اللہ کے کلام اور رسول ﷺ کے فرمان میں ہے، اور جس آدمی کو اللہ کا کلام اور رسول ﷺ کا فرمان کافی نہ ہو تو ایسے کے ساتھ ہم اپنی جان کیوں تھکائیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ. (الجاثية : ٦)

’’اللہ اور اس کی آیات کو چھوڑ کر یہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔‘‘

ابن قیم رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

جس کو یہ دونوں (کتاب وسنت) شفا نہ دیں — تو اُسے اللہ قلبی وبدنی شفا نہ دے
جس کو یہ دونوں کافی نہ ہوں — تو اللہ اُسے زمانے کی برائیوں کے لئے کافی نہ ہو
جس کو یہ دونوں کفایت نہ کریں — اللہ رب العرش اُسے محروم وتنگ دست بنادے
یہ باتیں سمجھدارو ں کے لئے ہیں — ان بے وقوف جانوروں کے لئے نہیں ہیں

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب (الصارم المسلول) میں رقم طراز ہیں: اللہ اور رسول کو گالی دینا ظاہری اور باطنی کفر ہے۔ چاہے گالی دینے والا یہ اعتقاد رکھے کہ یہ حرام ہے یا حلال

ہے یا بغیر اعتقاد کے، یہ مذہب ان فقہاء اور تمام اہل سنت کا ہے جو کہتے ہیں کہ ''ایمان قول وعمل کا نام ہے''اسی طرح ہمارے ساتھیوں اور دوسروں نے کہا ''جس نے اللہ کو گالی دی کافر ہوا چاہے مذاق میں ہو یا سنجیدگی میں'' آپ رحمہ اللہ نے فرمایا ''یہی صحیح اور کھری بات ہے۔

قاضی ابویعلی رحمہ اللہ اپنی کتاب (المعتمد) میں فرماتے ہیں۔ ''جس نے اللہ یا اس کے رسول کو گالی دی وہ کافر ہوجائے گا چاہے وہ گالی کو حلال جانے یا نہ سمجھے، اگر وہ کہے کہ میں اسے حلال نہیں سمجھتا تو اس کی یہ بات نہ مانی جائے گی۔ اور فرمایا (ص:۵۱۵ پر) ''یہ بات ضرور معلوم ہونی چاہیے کہ یہ کہنا کہ گالی دینے والے کا کافر ہونا درحقیقت اس کا اس گالی کو حلال سمجھنے کی وجہ سے ہے، بڑی منکر اور بہت بڑی جسارت ہے۔ اس گمراہی کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ انھوں نے آخر دور کے متکلمین جھمیہ سے لیا وہ جھمیہ اولی کے اس مذہب سے متأثر ہوکر کہ ایمان صرف دل کے اندر موجود تصدیق کا نام ہے۔ اور آپ نے فرمایا (ص:۵۱۷ پر): کہ فقہاء سے مذکورہ حکایت کہ اگر وہ گالی کو حلال سمجھتا تھا تو کافر ورنہ نہیں' درست نہیں اور اس کی کوئی اصلیت نہیں بلکہ اسے صرف قاضی نے بعض متکلمین کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ ❶

فرمایا: یہ اعتقاد رکھنا کہ گالی حلال ہے کفر ہے، چاہے گالی دی جائے یا نہ دی جائے۔ ❷

---

❶ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فتاوی (۴۰۳/۹) میں ذکر کیا ہے کہ بعض فقہاء سلف اور جھمیہ کے اس مسئلہ میں اقوال میں الجھ گئے ہیں سبب یہ کہ انھوں نے ان مسائل کی بحث ان اہل کلام سے لی ہے جو جہم کے مسائل ایمان کے قول کے حمایتی تھے، پس آپ دیکھیں گے کہ وہ کبھی ائمہ کے قول کی حمایت کرتے ہیں اور کبھی ایسی بات کرتے ہیں کہ جو جہم کے قول کے مناسب ہوتی ہے، آگے ذکر کیا کہ: قاضی عیاض رحمہ اللہ اپنے ساتھیوں یعنی، مالکیوں کی اس بات کو جانا تو اس کی مخالفت کی اور امام مالک رحمہ اللہ اور اہل سنت کے قول کی حمایت کی ،انھوں نے بہت اچھا کیا۔

❷ یہ بات اس کے شاگرد کے ردّ کے مطابق ہے یعنی یہ اوپر والی بات ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بات اس کے شاگرد ابن قیم رحمہ اللہ کے ردّ کے مطابق ہے کہ جو لوگ سورہ مائدہ آیۃ ۴۴ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بغیر ما انزل اللہ فیصلہ کیا جائے اور ما انزل اللہ سے انکار بھی کیا جائے تو پھر آدمی اس سے کافر ہوجائے گا۔ ابن قیم رحمہ اللہ مدارج میں اس تاویل کا ردّ کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ تاویل ⇦

اور فرمایا: اگر اس (گالی) کے حلال ہونے پر اعتقاد پر کافر ہو تو پھر گالی میں تو ایسی کوئی بات واضح نہیں ہوتی کہ گالی دینے والا اس کو حلال جانتا ہے، تو لازمی ہے اس کو کافر نہ کہا جائے خاص طور پر اس صورت میں کہ گالی دینے والا جب یہ کہتا ہو کہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ یہ حرام ہے۔ ❶

پس غصہ یا بے وقوفی یا ایسے ہی نکل گئی، جیسا کہ منافقین نے کہا:

اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ. (التوبة:٦٥)

''ہم تو صرف اٹکھیلیاں کرتے اور کھیلتے تھے۔''

تو اگر یہ کہا گیا کہ وہ کافر نہیں ہوں گے۔ تو یہ نص قرآن کے خلاف ہے۔ اور اگر یہ کہا گیا کہ 'وہ کافر ہو جائیں گے' تو یہ تکفیر کسی سبب کے بغیر ہوگی، اگر آپ نے گالی ہی کو تکفیر کا سبب نہ بنایا، اور قائل کی یہ بات کہ 'میں اس کی بات کو سچ نہیں جانتا' صحیح نہیں، کیونکہ تکفیر کسی احتمال والی بات میں نہیں ہوتی، اگر اس نے یہ کہا ہوا ہو کہ 'میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ (یہ غلط، گناہ ہے اور میں نے کیا ہے) تو اُسے کس طرح کافر کہا جائے گا اگر وہ کفر ہو ہی نہ، اسی لئے اللہ نے فرمایا:

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُم. (توبة:٦٦)

''اب معذرت نہ کرو تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو۔''

یہ نہیں کہا کہ 'تم نے اپنی بات میں جھوٹ بولا ہے کہ 'ہم تو آپس میں کھیل کود کرتے تھے' ان کے اس عذر میں جھوٹا نہیں کہا جیسا کہ ان کے باقی تمام اعذار میں جو انھوں نے پیش کئے کہا، جو کہ اگر سچ ہوتے تو لازماً کفر سے بری کر دیتے بلکہ یہ بیان کیا کہ انھوں نے ایمان کے بعد کفر کیا، اس کھیل کود

⇦ مرجوح ہے کیونکہ یہ انکار بذات خود کفر ہے (بغیر ما انزل اللہ) فیصلہ کیا جائے ۔

❶ اسی طرح کا قول محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ نے اپنے (فتاویٰ :٦/١٨٣) میں ذکر کیا۔ اگر قانون کا حاکم یہ کہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ باطل ہے، تو اس کی بات کی کوئی اہمیت نہیں، بلکہ شریعت کو چھوڑنے والی بات ہے، جیسے کوئی یہ کہے: میں بتوں کی پوجا کرتا ہوں اور یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ یہ باطل ہیں۔

کی وجہ سے،اور جب یہ واضح ہو گیا کہ اسلافِ امت اوران کے پیروکارں کا یہ مذہب ہے کہ یہ قول بذاتِ خود کفر ہے' چاہے صاحب قول اس کو حلال کہے یا حرام،ان سب کی دلیل ہم نے ذکر کر دی ہے۔(الصارم المسلول:٥١٧)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّ ۢ بِالۡاِيۡمَانِ وَلٰـكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا............(النحل:١٠٦)

''جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا مگر وہ جسے مجبور کیا گیا اوراس کا دل ایمان پر مطمئن تھا لیکن جس نے اپنا سینہ کفر کیلئے کھول دیا۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اگر کفر یہ بات کہنا کفر نہ ہوتا سوائے اس کہ کہ کہنے والا پورے شرح صدر کے ساتھ کہے تو اس سے مجبور آدمی کو مستثنیٰ نہ کرتے اور جب مجبور کو مستثنیٰ کیا تو معلوم ہوا کہ مجبور آدمی کے علاوہ جو بھی کفر یہ بات کہے گا گویا اس نے شرح صدر سے کہا کہ یہ شرح صدر والی بات جو آیت میں کہی گئی ہے یہ حکم ہے حکم کے لئے قید نہیں (کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی) آخری بات کو غور سے پڑھو وہ بہت اہم ہے۔لہٰذا بغیر عذر شرعی کے کلمۂ کفر کا اعلان کرنے والا کافر ہے اس لیے کہ اس نے اپنا سینہ کفر کے لئے کھول دیا،اب اس میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہم غور کریں گے کہ اس کے دل میں کیا ہے۔کیا وہ اس کا معتقد ہے یا اسے حلال سمجھتا ہے یا نہیں؟' اسی طرح اللہ اوراس کے رسول کو گالی دینے والا اور دین کو گالی دینے والا اپنے دل کو کفر کیلئے کھول کر یہ کہتا ہے، چاہے وہ ہمیں اس بارے میں نہ بتائے۔اسی طرح بت کے لیے اپنی مرضی سے سجدہ کرنے والے نے بھی اپنا سینہ کفر کے لیے کھول دیا ہے اب اس میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہم دیکھیں گے کہ اس نے یہ حلال سمجھ کر کیا یا حرام، کیونکہ یہ تمام اعمال

بذاتِ خود کفریہ ہیں، اسی طرح اللہ کی شریعت میں ملاوٹ کرنے والا یا اللہ کے علاوہ کسی اور کی پیروی کر کے حاکم تلاش کرنے والا یا مشرع اور معبود ڈھونڈنے والا سب لوگ حقیقت میں اپنے دلوں کو کفر کے لئے کھول چکے ہیں جب انھوں نے طاغوت کو معبود بنالیا یا طاغوت کی پیروی کی اور شریعت میں اسے حاکم بنایا، ہم یہ نہیں کہیں گے کہ اس نے اسے پورے اعتقاد کے ساتھ حلال سمجھا یا حرام، اسی طرح اللہ کے دین سے مذاق کرنے والا اس مذاق کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے، اس نے اپنا سینہ کفر کیلئے کھول دیا ہمیں بتائے یا نہ بتائے، ہم اُسے صرف اس مذاق پر کافر کہیں گے اور اس میں توقف نہیں کریں گے کہ اسے پوچھیں کہ تم نے اعتقاد رکھا تھا یا حلال سمجھا تھا؟ یا نہیں بلکہ اگر وہ یہ کہہ بھی دے کہ میں نے اعتقاد اور حلال سمجھے بغیر کہا تھا تو پھر بھی ہم اسے کافر کہیں گے اور اُسے ویسے ہی جواب دیں گے۔ جیسا اللہ نے کہا:

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُم. (توبة:٦٦)

''بہانے مت بناؤ تم نے ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔''

یہ حکم ہے کفر کا جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، کفر کے لیے قید نہیں جیسا کہ مرجئۃ العصر نے اسے بنایا ہے، اور اگر اس طرح کے غیبی اور پوشیدا مور کو کفر کے لیے قید اعتبار کیے جائیں ان اعمال میں جو کافر بنانے والے ہیں تو پھر اللہ کا دین ہر زندیق کے ہاتھ میں کھلونا بن جائے گا، ہر کافر اور مشرک یہ سمجھتا ہے کہ وہ احسان، توفیق، ایمان اور ہدایت کو (اپنے دل میں) پوشیدہ رکھتا ہے۔ [1]

[1] شیخ الاسلام رحمہ اللہ (فتاوی:۷/ ۵٦١) میں فرماتے ہیں کہ کچھ یہودی لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ رسول ہیں، یہ کہنے سے وہ مسلمان نہیں ہوگئے، کیونکہ انھوں نے تو بس بتانے کے نظریے سے کہا تھا، کہ ہمارے دل میں کیا ہے، یعنی جانتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میری اتباع کیوں نہیں کرتے؟ کہنے لگے: ہم یہود سے ڈرتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ صرف علم رکھنا اور خبر کر دینے سے ایمان حاصل نہیں ہوتا جب تک وہ ایمان کا ایسا اقرار نہ کرے جس کے ⇐

شارع حکیم نے احکام شریعت کو جن میں تکفیر بھی ہے۔دنیا میں ظاہری اور سیدھے اسباب وعلل کے ساتھ باندھا ہےاور انھیں پوشیدہ اور غیبی یا باطنی اسباب کے ساتھ نہیں باندھا ہے،انہیں پوشیدہ اور غیبی یا باطنی اسباب کی وجہ سے نافذ نہیں کیا، یہ تمام چیزیں آخرت کے احکام کے تابع ہیں، پھر کفرِ تکذیب وانکار کفر کی اقسام میں سے صرف ایک قسم ہے'' ایسا نہیں ہے کہ یہی ایک قسم (تکذیب وانکار کفر) ہو(دوسری کوئی قسم کفر کی نہ ہو) جیسا کہ یہ بات سب کو معلوم ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (فتاوی:۷/ ۵٦٠) میں مزید فرماتے ہیں:''جھم اور صالحی کے قول پر چلنے والے صراحت کرتے ہیں کہ اللہ ورسول کو گالی،تثلیث کی بات کرنا تو جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تین ہیں اور تثلیث کی بات کرتا ہےاور کہتا ہے کہ ایک اللہ اللہ خود ہے دوسرا مریم علیہا السلام تیسرا عیسیٰ علیہ السلام وہ دل میں یہ عقیدہ رکھے یا نہ رکھے مگر اس کی زبان سے کہی ہوئی یہ بات اس کو کافر بنانے کے لیے کافی ہے۔اور ہر کفریہ کلمہ کہنا باطن میں کفر نہیں ہے۔لیکن وہ ظاہراً کفر کی دلیل ہے۔اس کے ساتھ ہی یہ بھی جائز ہے کہ یہ گالی گلوچ کرنے والا باطن میں اللہ کو جاننے والا مؤحد اور مؤمن ہو،پس جب ان پر نص یا اجماع کے ذریعہ حجت بن جائے کہ یہ شخص باطنی اور ظاہری طور کافر ہے۔

وہ کہتے ہیں:''یہ اس چیز کا متقاضی ہے کہ یہ حجت تکذیبِ باطن پر لازم آتی ہے۔تو ان سے

⇐ ساتھ مستقبل میں عمل کرنے اور ماننے کی (نیت) شامل ہو، یہ بات بالکل ان کی بات کی طرح ہے۔بس صرف یہ کہنا کہ ہمارا ایمان پر اعتقاد ہے اور احسان اور ھدایت کا ارادہ ہے اور یہ کہ وہ اپنے دل میں اعتقاد رکھتے ہیں کہ شریعت ان کے قوانین (وضعیہ) سے افضل ہے،اور اس کی تحکیم کے واجب ہونے کا بھی اعتقاد ہے، یہ تمام باتیں وہ ہیں جو ایک پیوندکاری کے طور پر مرجئۃ العصران (حکام وقت) کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ان کو کافی نہیں،وہ اپنے قوانین چلاتے وہ اپنے قوانین کو ایمان پر مقدم رکھتے ہیں۔اور اللہ کی شریعت کے ساتھ وہ شریعت بناتے ہیں جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور اللہ کے ان ولیوں سے جھگڑا کرتے ہیں جو مؤحد ہیں اور ان کی تشریعات سے بری ہیں اور ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں اور مدد اور اکرام کرتے ہیں جو اللہ کے دشمن ہیں اور ان کی تشریع کے ملتزم،متبع اور مددگار ہیں۔

کہا جائے گا کہ ہم جانتے ہیں کہ جس نے اللہ اور رسول کو جان بوجھ کر بغیر اکراہ کے گالی دی، بلکہ جس نے کلماتِ کفر جان بوجھ کر بغیر اکراہ کے کہے اور جس نے اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کیا ،وہ ظاہراً اور باطناً کافر ہوا، اور یہ کہ جو یہ کہے کہ اس (قول کے کہنے والے) کی طرح کا باطن میں اللہ پر ایمان رکھنے والا ہوسکتا ہے اور درحقیقت وہ ظاہراً کافر ہے ،پس بے شک اس نے ایسی بات کہی ہے جس کا فاسد ہونا ضروری طور پر ہمارے دین سے (سب کو) معلوم ہے۔اللہ نے کفار کے کلمات قرآن پاک میں ذکر کیئے اور ان کے کافر ہونے کا حکم سنایا اور وعیدِ عذاب کا موجب ٹھہرایا:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ. (المائدہ:١٦)

''تحقیق وہ لوگ کافر ہوئے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے''

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ. (المائدۃ:١٧)

''تحقیق وہ لوگ کافر ہوئے جنھوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی سورہ نحل کی آیت کے بارے میں یہ بھی فرمایا: ''یہ جان رکھیں کہ یہاں صرف اعتقادِ قلب کو کفر نہیں کہا گیا، کیونکہ اس پر آدمی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، اور اللہ نے آیت (نحل:١٠٦) میں مجبور کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، اور نہ ہی ایسے آدمی کا بیان ہے جس نے کہا اور اعتقاد بھی رکھا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجبور کو مستثنیٰ کیا ہے، اور وہ آدمی قصد ارادے اور عقیدے اور قول پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ صرف قول پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔تو معلوم ہوا کہ آیت میں وہ آدمی مراد ہے جس نے کلمۂ کفر کہا۔اُس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس کیلئے دردناک عذاب ہے، اور وہ اس قول کے ساتھ کافر ہوگا، مگر جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے۔لیکن مجبور کیئے ہوئے لوگوں میں سے جس نے اپنا سینہ کفر کے لئے کھول دیا وہ بھی کافر ہے

،پس جس نے کلمۂ کفر کہا کافر ہوا سوائے اس کے جس کو مجبور کیا گیا ہو،اس نے زبان سے کلمۂ کفر کہا مگر اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا،اللہ تعالیٰ مذاق کرنے والوں کے بارے میں کہتا ہے۔

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ کَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُم. (توبة:٦٦)

''اب معذرت نہ کرو تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو۔''

اس آیت میں اللہ نے وضاحت کردی کہ وہ لوگ فقط قول کی وجہ سے کافر ہوئے باوجود اس کے کہ وہ اس قول کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔کہ یہ (تکفیر) کا باب بڑا وسیع ہے۔

(الصارم المسلول:ص ٥٢٤)

اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ ''الصارم المسلول''میں رقم طراز ہیں ''اگر کسی مسلم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کی موت کی دعا کرنا جیسی حرکات سرزد ہو جائیں تو ان کے ذریعے وہ مرتد ہو جاتا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل کفر کی بڑی انواع میں سے ہے،اگرچہ قاتل یہی کہے کہ اس نے حلال سمجھ کر قتل نہیں کیا،آپ نے اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کیا کہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۷۸ پر کہتے ہیں 'غرض کہ جس نے کچھ ایسا کہا یا کیا جو کفر ہے تو اس سے وہ کافر ہوا،اگرچہ وہ کافر ہونے کا قصد نہ بھی کرے کیونکہ کوئی بھی کفر کا ارادہ نہیں کرتا اِلَّا یہ کہ اللہ چاہے۔ان باتوں سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کا حکم ہم نے ابن حزم رحمہ اللہ کے کلام میں ذکر کیا۔جس نے کفر کا اعلان کیا یا تقیہ کرتے ہوئے کہا یا کسی کا کفریہ قول بیان کیا یا ان کے علاوہ جن کو بھی شارع نے مستثنیٰ کیا،اب اگر مرجئہ عصر چیخیں اور کہیں کہ: ذرا ٹھہرو! یہ کیسا استثناء اور کس نے اس جگہ پر کفر کہنے والے کو (اس حکم سے) خارج کیا ہے ،جبکہ تم نے پہلے کہا تھا کہ کفریہ بات کہنے والا یا کفریہ عمل کرنے والا کافر ہے چاہے اعتقاد نہ بھی رکھے۔

ہم جواب دیں گے: ان جگہوں پر وہ اللہ کے کلام کی نص کی رو سے مستثنیٰ ہے۔اور اللہ ہی جسے چاہے جو کچھ قرار دے۔پس جس نے ایسے شخص کو جو کفریہ اقوال کہے یا اعمال کرے کافر کا نام دیا ،اسی ذات نے ان جگہوں کو مستثنیٰ کیا ،اور تم (مرجئہ)اور تمہارے شیوخ اور اسلاف پر اس شبہ کے حوالے سے امام ابن حزم رحمہ اللہ نے ردّ کیا ہے۔آپ رحمہ اللہ نے(الفصل:۳/ ۲۵۰) پر فرمایا:

کسی کو کافر یا مسلم قرار دینے کا اختیار ہمیں نہیں بلکہ یہ اختیار تو اللہ کے پاس ہے جب اللہ نے ہمیں تلاوتِ قرآن کا حکم دیا،اور اس میں اہل کفر کی باتیں بیان کیں،اور ہمیں اللہ نے بتادیا کہ وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پر راضی نہیں ہوتا،تو قرآن پڑھنے والا اس تلاوت کے ذریعے کفر سے نکل کر اللہ کی رضا اور ایمان میں داخل ہوگیا،اور جب اللہ نے حق کی گواہی دینے کا حکم دیا اور فرمایا:

اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ. (الزخرف:۸۶)

''سوائے اس کے جس نے حق کی گواہی دی اور وہ جانتے ہیں۔''

یہ گواہی دینے والے اور کافر کے کفر کے بارے میں بتانے والا اس سے خارج ہوا کہ وہ کافر ہے اور اللہ کی رضا اور ایمان میں داخل ہوا۔

اور جب اللہ نے فرمایا:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا............ (النحل:۱۰۶)

''مگر جس کو مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے لیکن جس نے کفر کیلئے اپنا سینہ کھول دیا (وہ کافر ہوا)''

جس کا مجبور ہونا ثابت ہوگیا وہ اظہار کفر کی وجہ سے کافر ہونے سے نکل کر اللہ کی رخصت اور

ثباتِ ایمان میں داخل ہوگیا اب وہ شخص قرآن کی نص ، رسول اللہ ﷺ کے حکم اور اجماع امت کے ساتھ اپنے کفر پر باقی رہا اور کافر ہوا جس نے کفر کا کلمہ کہا اور ایسی حالت میں کفر کا اظہار کیا کہ وہ نہ کفر کے کلمہ کا پڑھنے والا ہو، نہ (کسی کافر کی کفری کلمہ کے) گواہی کے (طور پر بیان) کرنے والا ہو، نہ قصہ بیان کرنے والا ہوا ور نہ مجبور کیا ہوا ہو۔ اور اللہ عزوجل کی اس آیت: ﴿ وَلَكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا...... (النحل:١٠٦) ﴾ کے بارے میں جس طرح یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ صرف اعتقادِ کفر کے بارے میں ہے ایسا بالکل نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص جو ایسی بات کہے جس کے کہنے پر اہل اسلام کے نزدیک اس پر حکمِ کفر لگ سکے (نہ کہ گواہ ، نہ مجبور، نہ حکایت کرنے والا اور نہ پڑھنے والا) تو اس نے اپنا سینہ کفر کیلئے کھول دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا سینہ اس کفر کے قبول کرنے کے لیے کھول دیا جس کا کہنا (اور اقرار کرنا) اہل اسلام اور اہل کفر دونوں پر حرام ہے۔ چاہے اعتقاد رکھیں یا نہ رکھیں ۔اس مسئلے سے متعلق دیگر ائمہ کے اقوال بھی پیش کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

۞ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی ''کتاب الصلاۃ''میں فرماتے ہیں،ایمان کے حصے دوقسموں پر ہیں! قولی اور فعلی ،اسی طرح کفر کے حصے دوقسموں پر ہیں: قولی اور فعلی۔ ایمان کے قولی حصے میں سے ایک حصہ کے زائل ہونے سے ایمان زائل ہوجاتا ہے اسی طرح فعلی حصے میں سے ایک حصہ زائل ہونے سے ایمان زائل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کفر کے قولی اور فعلی حصے ہیں ،پس جس طرح کفر یہ کلمہ کہنے سے کافر ہوتا ہے جو کہ کفر کے حصوں میں سے ہے،اسی طرح وہ اس کے ہر ہر حصہ کے ذریعے کافر ہوگا جیسے کہ بت کو سجدہ اور قرآن کی بے ادبی وغیرہ۔

اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ (عملی کفر) اہل علم کے نزدیک سب کا سب چھوٹا نہیں ہے، بلکہ اس میں سے ایسا بھی ہے جو کہ ملت سے خارج کرنے والا کفر ہے،اس (فکر) کے خلاف جس کو

ہمارے زمانے کے مرجئہ رواج دے رہے ہیں۔

ابن الوزیر رحمہ اللہ **اپنی کتاب** (ایثار الحق علی الخلق فی رد الخلافات الی المذھب الحق: ص ۳۹۵) **میں کہتے ہیں:** ''شیخ ابو ہاشم اور ان کے ساتھیوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ:﴿وَلَكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا...... (النحل:۱۰۶)﴾ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو اعتقاد کفر نہ رکھے اور کفر کو صراحت کے ساتھ کہا اور رسولوں کو گالی دی اور ان سے براءت کا اظہار کیا اور ان کو جھٹلایا اور وہ اس پر مجبور نہیں تھے اور جانتے تھے کہ یہ کفر ہے، اس سے وہ کافر نہیں ہونگے اور یہی (رائے) زمخشری نے اپنی (تفسیر) کشاف میں ظاہراً اختیار کی ہے کہ شرح صدر کا مطلب دل کی خوشی اور رضامندی سے کفر کرنا یہ تمام باتیں درست نہیں اور اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: ان کی یہ بات اللہ کے قول کے خلاف ہے:﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ (المائدہ:۷۳) پس اللہ نے بغیر شرط کے فیصلہ کر دیا اس کے بارے میں کہ جس نے یہ کہا (کہ اللہ تین میں سے ایک ہے اللہ نے اس کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ یہ آدمی اس شرط کے ساتھ کافر ہوگا کہ جب وہ اس بات کا عقیدہ بھی رکھے گا بلکہ بغیر کسی شرط کے یہ فیصلہ دیا کہ وہ اسی قول کے ساتھ کافر ہوا۔ مجبور آدمی نص اور اجماع کے ذریعے سے اس قید سے خارج ہوا اور اس کے علاوہ تمام اس حد میں آئے، پس اگر مکلّف اور مختار آدمی بغیر مجبوری کے عیسائیوں کا یہ قول کہے جس کو قرآن نے کفر کہا ہے، اور جو اس نے کہا اس کی صحت کا اُسے یقین بھی نہ ہو، اور یعنی قول ثالث ثلاثہ وہ اسے کافر بھی نہ بنا دے مع اس قول کی قباحت کا اندازہ ہے تو ضروری ہے کہ یہ بعض وجوہات سے بڑا گناہ ہو، کہ یہ بعض وجوہات سے بڑا گناہ ہوسکتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا:﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور وہ جانتے ہیں'' (الزخرف:۸۶)۔ انہوں نے اسے الٹا کر دیا اور کہنے

لگے کہ اپنے گناہ سے لاعلم آدمی کافر ہے اور علم رکھنے والا اور اپنی زبان سے علم کے باوجود انکار کرنے والا مسلمان ہے۔

دوسری وجہ: ان کی دلیل دو ایسے ظنی دلالتوں کے درمیان دائر ہے کہ جن میں فروع ظنی کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے۔

پہلی دلالت: عمداً کہنے والے کو مجبور پر قیاس کرنا، اور یہ کہنا کہ اکراہ کی شرط بے فائدہ چیز ہے، مثلاً تثلیث کا عقیدہ رکھنے والے کا عیسائی ہونا، اور یہ دلیل بہت کمزور ہے۔ ایسی دلیلیں ظنی فروع میں قابل قبول نہیں۔

دوسری دلالت: ﴿وَلَـٰكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا﴾ (النحل:١٠٦) **کا عمومی مفہوم** ومطلب ہے اس آیت کے لفظی معنی میں تو دلیل بن ہی نہیں سکتی اور اگر مفہوم مخالف سے دلیل لیتے ہیں تو مفہوم مخالف کے دلیل ظنی ہونے میں اختلاف ہے البتہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مفہوم مخالف قطعی دلیل نہیں بن سکتا، پھر اثبات عموم میں بھی خلاف ہے۔ ان کی یہاں دلالت عام معنی سے ہے جو کہ پہلی دلیل سے بھی کمزور ہے۔

❀ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ اپنی کتاب (المغنی :٨/١٥١) میں کہتے ہیں: جادو سیکھنا اور سکھانا حرام ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس میں اہل علم کا اختلاف ہو۔ ہمارے ساتھی کہتے ہیں جادو گر جادو سیکھنے اور کرنے سے کافر ہو جاتا ہے چاہے اس کو حرام سمجھے یا حلال۔

❀ اور کتاب (الحاوی للفتاوی) میں ہے جس نے زبان سے اپنی مرضی سے کلمۂ کفر کہا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا وہ کافر ہوا، اللہ کے ہاں مؤمن نہیں۔ یہ بات شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے اس قول کے موافقت رکھتی ہے جو انھوں نے سورہ نحل کی تفسیر میں کہی ہے۔

❀ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کتاب (کشف شبہات ص:٢٢) میں ان لوگوں پر

ردّ کرنے کے بعد جو کہتے ہیں کہ کفر صرف تکذیب اور انکار ہے فرماتے ہیں پھر اس باب کا کیا مطلب کہ کفر صرف تکذیب اور انکار سے ہی واقع ہوتا ہے، کہتے ہیں 'پھر اس باب کا کیا مطلب ہوا جو ہر مذہب کے علماء نے باندھا ہے؟ (باب حکم المرتد) اور وہ مرتد ایسا مسلمان ہوتا ہے جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو جاتا ہے۔ پھر بہت ساری اقسام ذکر کیں، ان میں سے ہر قسم کافر کرتی ہے، اور آدمی کا مال اور خون (کافر ہونے کی وجہ سے) حلال کرتی ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے چھوٹی چیزیں بھی ذکر کیں جو کہ کی جاتی ہیں۔ جیسا کہ وہ بات جو دل کے علاوہ صرف زبان سے کہی جائے۔ یا وہ بات جو صرف مذاق یا کھیل کھیل میں کہی جائے۔ اور ایسے لوگوں کے بارے میں کہا جائے گا جن کے بارے میں اللہ نے کہا:

يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ وَكَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلَامِهِمۡ. (التوبة:٧٤)

''اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا حالانکہ انھوں نے کلمۂ کفر کہا اور اسلام لانے کے بعد کافر ہوئے۔''

کیا آپ نے نہیں سنا کہ اللہ نے ان کی بات کی وجہ سے انہیں کافر کہا باوجود اس کے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے اور آپ کے ساتھ جہاد میں شریک تھے ان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے زکاۃ دیتے تھے حج کرتے تھے اور توحید پر تھے؟ اسی طرح وہ لوگ جن کے بارے میں اللہ نے کہا کہ:

قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ. (التوبة : ٦٥-٦٦)

''(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق

کرتے تھے؟ اب معذرت نہ کرو تحقیق تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔''

تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے صراحت سے کہا ہے کہ انھوں نے ایمان کے بعد کفر کیا باجود اس کے کہ وہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، انھوں نے ایسی بات کہی تھی جس کے بارے میں انھوں نے اقرار کیا تھا کہ اسے انھوں نے مزاح کے طور پر کہا ہے۔ اور آپ نے کتاب (الشبہـــات: ۲۹) پر فرمایا ''ہر مسلمان پر لازم ہے کہ قرآن کی ان دو آیتوں کو سمجھے، پہلی آیت جو اوپر گزری ہے۔ ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ﴾ (التوبۃ :٦٦) پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ بعض لوگ جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ روم میں شرکت کی، وہ اس کلمۂ کفر کی وجہ سے کافر ہو گئے جو انھوں نے مذاق اور کھیل میں کہا، آپ پر واضح ہو گیا کہ جو کفریہ بات کہے گا یا کفر پر نقص مال یا عزت کی وجہ سے عمل کرے گا، یا کسی کی دلجوئی کی وجہ سے کرے گا یہ بات اس سے بہت بڑی ہے کہ کوئی مذاق میں (کفریہ کلمہ) کہے۔

دوسری آیت اللہ کا فرمان ہے:

مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَان. (النحل:١٠٦)

میں اللہ نے کسی کو بھی معذور نہیں کہا سوائے اس کے جس کا دل ایمان پر مطمئن تھا اور اسے مجبوراً کہنا پڑا، اس کے علاوہ کوئی بھی ہو وہ ایمان کے بعد کافر ہوا۔ چاہے اس نے خوف یا دلجوئی کی وجہ سے کیا ہو، یا اپنے وطن کی وجہ سے، یا اپنے اہل وعیال یا مال کی وجہ سے یا مذاق کے طور کیا ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور بات ہو، سوائے مجبور آدمی کے، آیت اس بات پر دو طرح سے دلالت کرتی ہے۔

① یہ فرمان کہ: ﴿اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ﴾ تو اس فرمان نے سوائے مجبور کے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا، اور

یہ بات معلوم ہے کہ انسان صرف عمل یا بات پر مجبور کیا جا سکتا ہے، اور دلی عقیدے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

② آیت:﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ﴾(النحل:۱۰۷)

"یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے آخرت پر دنیاوی زندگی کو پسند کیا۔"

نے اس بات کی صراحت فرمادی کہ یہ کفر اور عذاب اس اعتقاد یا جہل کی وجہ سے نہیں تھا، یا دین کے لئے بغض اور کفر کے ساتھ محبت کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ یہ تو اس وجہ سے تھا کہ دنیاوی زندگی میں اُسے بہت آسائش نظر آئی اس لئے آخرت پر اُسے ترجیح دیا۔

❁ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے پوتے سلیمان بن عبداللہ رحمہ اللہ اپنی کتاب (التوضیح عن توحید الخلاق فی جواب اهل العراق ص:٤٢) پر مرتد کی شرعی لحاظ سے تعریف کرتے ہیں کہ: جو اسلام کے بعد زبانی یا اعتقادی یا عملی طور پر کافر ہو جائے اس کو مرتد کہتے ہیں اور (ص:١٠١) پر فرماتے ہیں: جس طرح کفر اعتقاد کے ذریعے ہوتا ہے اسی طرح قول کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے اللہ یا رسول یا دین کو گالی دینا یا ان کا مذاق اڑانا۔

اللہ نے فرمایا:

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ۝لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ. (التوبة : ٦٥-٦٦)

"(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے ہو اب معذرت نہ کرو تحقیق تم ایمان لانے کے بعد کفر کر چکے ہو۔"

حقیقت میں ہے بھی ایسا ہی۔ جیسے قرآنی اوراق کو گندگی میں ڈالنا اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا وغیرہما یہ ان دونوں میں اگرچہ عقیدہ موجود ہے مگر قول اور فعل ان کی ظاہری صورت میں غالب

ہیں۔

شیخ رحمہ اللہ اپنی کتاب (الدلائل) میں فرماتے ہیں۔ تحقیق علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے کفریہ بات مذاق میں بھی کہی وہ کافر ہو گیا۔

۞ شیخ حمد بن علی بن عتیق رحمہ اللہ ان کے ردّ میں فرماتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جو کفریہ بات کہے وہ کافر نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ اس کا اعتقاد بھی رکھے اور اس کے لئے رضامند بھی ہو اور اس پر اس کا نفس مطمئن ہوا اللہ تجھے برباد کرے اے حیوان اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس شرح صدر کے بغیر کافر نہیں ہوگا تو پھر کوئی اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ کسی کو عقیدہ بدلنے پر مجبور کر سکے اور اس کا سینہ کفر کیلئے کھول دے (سورۃ النحل کی آیت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں) اور عنقریب ہم بیان کریں گے کہ یہ آیت اس کے کفر پر دلیل ہے جس نے کفر کہا یا کیا چاہے باطن میں اُسے ناپسند ہی کیوں نہ کرتا ہوا گر وہ مجبور نہیں، اور اگر اس نے اپنا سینہ کفر کیلئے کھول دیا اور اس کا نفس اس پر خوش رہا تو یہ تو مطلق کافر ہے چاہے وہ مجبور ہو یا نہ ہو۔ (رسالۃ الدفاع اهل السنة والاتباع ص:٤٨ حمد بن عتیق رحمہ اللہ کے مجموعات رسائل میں سے۔ نشر دارالھدایۃ۔ الریاض سعودی عرب)

اور اسی قول کو باطل کرتے ہوئے کہتے ہیں 'اور یہ عقل صریح، نقل صحیح اور مؤمنوں کے راستے پر چلنے کی مخالفت ہے۔ اللہ کی کتاب نبی کی سنت اور امت کا اجماع اس بات پر متفق ہیں کہ جس نے کفر کہا یا کیا وہ کافر ہوا۔ اور اس میں اشراحِ صدر کی شرط نہیں، اور اس میں سے صرف مجبور آدمی مستثنیٰ ہے، اور جس نے اپنا سینہ اس کے لئے وسیع کر دیا یعنی کھول دیا اور اس کا نفس اس پر خوش اور راضی ہوا تو ایسا آدمی کافر ہے اللہ اور رسول ﷺ کا دشمن ہے۔ چاہے وہ زبان سے نہ کہے اور عملی طور پر نہ کرے۔ (ص:٥٩)

۞ شیخ عبدالرحمان بن حسن بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کتاب(الدرر السنية جزء مختصرات الردود ص:٢١٤) میں فرماتے ہیں: ''اسی طرح فقہاء نے مرتد کے حکم میں ذکر کیا ہے کہ آدمی قول یا عمل سے کافر ہوجاتا ہے اگرچہ وہ کلمہ توحید پڑھتا ہواور نماز روزہ رکھتا ہواور صدقہ کرتا ہووہ مرتد ہوگا۔اس کے اعمال اس قول اورعمل کی وجہ سے ضائع ہوجائیں گے ۔خصوصًا اگروہ اسی حالت پر مرگیا۔تو اجماعاًاس کے اعمال ضائع ہوں گے''۔

۞ القنائی(حقيقة الايمان ص:٩٠) پر لکھتے ہیں:'پھران لوگوں نے بغیر کسی معتبر دلیل کے کہا ہے کہ مسلمان جتنے بھی اعمال کرلے ان سے وہ کافر نہیں ہوتا جب تک اس کا اعتقاد صحیح ہے 'یہ قاعدہ یااصول انھوں نے تمام اعمال میں یکساں جاری رکھا ہے۔انھوں نے کفریہ اورگناہ والے اعمال میں کوئی فرق نہیں رکھا۔اورعقیدہ کے خراب ہونے کوانھوں نے کفر کی شرط کہا ہے ۔چاہے وہ اعمال کسی بھی طرح کے ہوں، سچ تو یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیلی کلام کی ضرورت ہے ۔مسلمان کو چاہیے کہ ہروہ ایسے اعمال جن کے کرنے سے آدمی کافر ہواور ایسے اعمال جوصرف گناہ ہیں ان میں فرق ملحوظ رکھے بغیر کسی عذر کے ایسے اعمال کا ارتکاب جوصریحاً ملت سے خارج کرنے والے ہوں۔ یہ اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ان اعمال کے مرتکب کا اعتقاد خراب ہے چاہے وہ اس کا اقرار نہ بھی کرے۔یا چاہے وہ اس کا ارادہ بھی نہ کرے۔شریعت کے اعتبار سے ان اعمال ہی سے ظاہر وباطن کے باہمی ربط کا پتہ چلتا ہے(اگرعمل غلط ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عقیدہ بھی غلط ہے اب غلط عقیدے کا اظہار زبان سے کرنا ضروری نہیں غلط عمل نے اس کی نشان دہی کردی ہے)

آپ غور کیجئے !اس میں اورقول مرجئہ میں کیا فرق ہے؟ یہاں حکم لگایا جارہا ہےاورمرجئہ اس (فسادِ اعتقاد) کومقید کرتے ہیں اور کفر کی شرط کہتے ہیں۔اور یہاں فسادِعقیدہ کا ذکر کیا گیا

ہے۔اور علماء اس میں تصدیق میں اضافہ کیلئے عملِ قلب کو داخل کرتے ہیں۔جبکہ مرجئہ اسے صرف فسادِ تصدیق کہتے ہیں۔جو ان کے نزدیک انکار اور تکذیب کا نام ہے۔یہ ایک تفصیل طلب مسئلہ ہے۔اگر ہم اسی کے بارے میں لکھیں تو بات بہت طویل ہو جائے گی اور یہ اوراق اس کے لئے نا کافی ہوں گے۔یہ معاملہ اہل علم کی کتابوں میں بہت مشہور ومعروف ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ نئے لوگوں سے کچھ پوشیدہ ہے۔لیکن یہ تعصب ہے اور خواہشات اسے اندھا اور بہرا نہ کردیں۔

✿ مثال کے طور پر احناف (اس بات سے قطع نظر کہ وہ جمہور علماء کے برعکس عمل کو ایمان کی تعریف میں داخل نہیں سمجھتے) بہت ساری ایسی چیزیں جو آدمی اپنی زبان سے کہتا اور اعضاء سے کرتا ہے کی وجہ سے اس کو کافر کہتے ہیں: جیسے کوئی عیسائیوں کی مذہبی نشانی جینؤ (زنار) باندھے یا مجوس کے تہوار جشن نوروز والے دن اُسے انڈہ ہدیہ کرے۔یا اللہ کا کلام اپنی بات کے بدلے استعمال کرے جیسے کوئی لوگوں کے اجتماع کیلئے کہے:

فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا. (الکھف:۹۹)

''ہم نے ان سب کو اکھٹا کر دیا۔''

یا مالی جھگڑے میں اس کو یوں کہا جائے کہ 'لاحول ولاقوۃ الا باللہ' تو وہ جواباً کہے 'میں لاحول کا کیا کروں گا؟ اس سے روٹی تو نہیں کھا سکتا یا یوں کہے کہ: چوری کی پلیٹ علم حاصل کرنے سے بہتر ہے۔یا یہ کہے کہ: میں حاضر ہوں۔اس آدمی کو جو اُسے کافر یا یہودی کہہ کر بلائے۔یا وہ اپنے بچے سے کہے: اے یہودی کے بچے یا مجوسی کی اولاد یا کہے: عیسائی مسلمانوں سے بہتر ہیں۔یا یہ کہے کہ: ہمارے زمانے کے حکمران عادل ہیں (جبکہ ہمارے حکمران ظالم وجابر ہوں تو ایسے میں وہ ظلم وزیادتی کو عدل کہہ رہا ہے) یا وہ کہے کہ: اگر فلاں جنت میں گیا تو میں داخل نہیں ہوں

گا۔ایسی اور بہت سی مثالیں ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہ لوگ اس باب میں سب سے زیادہ سوچ بچار کرنے والے ہیں۔ان میں سے اکثر اقوال کو محمد بن اسماعیل الرشید الحنفی نے اپنی کتاب(البدرالرشید فی الالفاظ المکفرات) میں جمع کیا ہے جہاں اس مسئلے کی تفصیل ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

❀ شافعیہ کے یہاں بھی ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔تقی الدین ابوبکر بن محمد الحسینی الشافعی اپنی کتاب(کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار) میں ارتداد کے بارے میں لکھتے ہیں:وہ اسلام سے کفر کی طرف لوٹنے اور اسلام سے قطع تعلق کا نام ہے۔کبھی یہ قول کے ذریعے ہوتا ہے کبھی فعل اور کبھی عقیدہ کے ذریعہ،اوران تینوں اقسام کے مسائل ان گنت ہیں۔جن میں سے چنداقوال اورافعال جوہم نے آپ کیلئے احناف کےقول میں ذکر کیئے وہ اس کتاب میں بھی ہیں ۔ان اقوال میں سے یہ بھی ہے کہ:اگرمسلمانوں نے کسی عمل کو بالاتفاق کافروں کاعمل قراردیا ہوتو اس عمل کا مرتکب کافرقرار پائے گا اگرچہ وہ خودکو مسلمان کہلاتا ہوکسی عمل کے متعلق مسلمانوں نے اجماع کیا ہوکہ کافر کےعلاوہ یہ عمل کسی اور سے صادرنہیں ہوتا تواس عمل کا مرتکب کافرقرار پائے گا اگرچہ جیسے صلیب کوسجدہ یاعیسائیوں کے گرجا گھر میں جانااوران گرجا گھر والوں کے ساتھ ان کےلباس میں جیسازناروغیرہ یہ سب کافرکردیتے ہیں۔

❀ ابن حجر ہیثمی الشافعی رحمہ اللہ نے مکفرات کے موضوع پرایک کتاب لکھی جس کا نام(اعلام بقواطع الاسلام) ہے۔اس میں انھوں نے اس بارے میں مذہب شافعیہ سے بہت کچھ ذکرکیا ہے۔اور مالکیہ حنابلہ اورحنفیہ کےبھی بہت سے اقوال نقل کیے ہیں۔

❀ مالکیہ میں سے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کتاب(الشفا بتعریف حقوق المصطفی) کےآخرمیں بہت سے الفاظِ مکفرہ ذکرکیے ہیں اوران پراجماع نقل کیا ہے۔اسی

طرح حنابلہ نے بھی مرتد کے حکم میں بہت سے ابواب لکھے ہیں۔ جو اس مرتد کے اقوال اور افعال کے نتیجے میں اُسے کافر کا حکم دیتے ہیں اس بارے میں کتاب (الاقناع) اور اس کی شرح کا مطالعہ کیجئے جس میں نواقضِ اسلام اور حکمِ مرتد کے بارے میں بحث ہے۔ اس میں ایسے ۴۰۰ سے زیادہ اقوال وافعال کا تذکرہ ہے جن سے اسلام ٹوٹ جاتا ہے اور ان کا مرتکب مرتد قرار پاتا ہے۔

❀❀❀❀❀

﴿شبہات﴾

○ یہ مرجئہ شریعت سازی کرنے والے طاغوتوں کے دفاع میں کفر دون کفر کے جملہ سے استدلال کرتے ہیں (یعنی کم تر درجے کا کفر)۔

جب آپ اوپر گزری باتیں سمجھ چکے اور جان گئے کہ کفر قولی اور عملی بھی ہوتا ہے اور اس کا کرنے والا ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے تو یہ بھی جان لے کہ ان لوگوں نے یعنی مرجئہ عصر نے اس مسئلے کو پیچیدہ بنا دیا اسے الجھا دیا ہے تاکہ وہ (مرجئہ) اس زمانے کے ان طاغوتی حکمرانوں کے لیے پیوند کاری کر سکیں (ان کے لیے ان طاغوتی حکمرانوں کے پیوند کاری کر سکیں (ان کے لیے جواز پیدا کر سکیں) جو اللہ کے مقابلے میں ایسے قوانین بنا رہے ہیں جن کا اللہ نے اذن واجازت نہیں دیا، اور تاکہ وہ (مرجئہ) ان (حکمرانوں) کے منکر جرم کو معمولی دکھائیں وہ (اس ذریعہ سے) طاغوتی حکمرانوں کے لیے اس بات کا جواز پیدا کر سکیں کہ وہ اپنی خودساختہ شریعت اور قوانین بنائیں جس کی اللہ کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔ اور تاکہ اپنے اس مکروہ جرم کو معمولی دکھائیں اور اُسے کفر کے بجائے گناہ کے باب میں کر دیں اور ایسے اعمال میں سے قرار دیں جو ایمان کیلئے نقیض اور اُسے منہدم کرنے والے نہیں۔

وہ ایسے لوگوں کو اسلام پر سمجھتے ہیں۔ (یعنی جب تم مرجئہ ان طاغوت حکام کو مسلمان سمجھو گے) پھر اس کے نتیجے میں ان کے لیے موالات جو دوستی اور محبت ثابت ہوں گے ان پہ بات کرتے جاؤ (اس کی کوئی حد نہیں ہوگی)، (اور ان طاغوتوں کو مسلمان سمجھنے سے یہ نتیجہ بھی نکلے

گا) کہ ان کے مال، جان اور عزت حرام ہوجائیں گے ان کی مدد ان کی تائید اور ان کو غالب کرنے کی کوشش واجب ہوجائے گی اس سے بڑھ کر یہ کہ جو لوگ ان طاغوتوں کو کافر کہتے ہیں ان کے ساتھ ٹکران کی (اطاعت) کے پھینکنے کی ان سے ان کے فوجیوں سے ان کے مددگاروں سے اوران کی جماعت سے براءت کی دعوت دیتے ہیں تو یہ مرجئۃ العصران کوخوارج کہتے ہیں۔

اس ساری بات پر ان کی دلیل وہ قول ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے خوارج کے ردّ میں منسوب کیا گیا ہے ''وہ ایسا کفر نہیں جو تم سمجھتے ہو۔ وہ کفر ملتِ اسلامیہ سے نکالنے والا نہیں۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلَـٰئِكَ هُمُ الْكَـٰفِرُونَ. (المائدة:٤٤)

''اور جو اللہ کے نازل کردہ احکامات پر فیصلہ نہ دے وہی لوگ کافر ہیں۔''

یہ کفر اس کفر سے کمتر ہے۔(کفر دون کفر) مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے شبہ کا ابطال اور اس قول سے استدلال کی تفصیل پیش کردوں سب سے پہلے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے بارے میں محدثین کی آراء پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد بیانِ حق کے لیے اس اثر پر فقہی بحث بھی کروں گا۔

○ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس لفظ کے بارے میں سند حدیث کے لحاظ سے بیان۔

یہ روایت:((سفیان بن عیینة عن هشام بن حجير عن طاؤوس عن ابن عباس))کی سند سے روایت کی جاتی ہے کہ انہوں نے کہا ''کہ وہ کفر نہیں جو تم سمجھتے ہو۔ یہ کفر ملت سے خارج نہیں کرتا﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلَـٰئِكَ هُمُ الْكَـٰفِرُونَ﴾ (المائدة:٤٤) کفر دون کفر ہے۔

❁ روایت کیا اس کو حاکم وغیرہ نے ہشام بن حجیر مکی کے طریق سے، ہشام بن حجیر کو ثقہ ائمہ

نے ضعیف قرار دیا ہے۔اور اس کی اس روایت کی کسی نے پیروی نہیں کی۔

امام احمد رحمہ اللہ ہشام کے بارے میں کہتے ہیں:'وہ قوی نہیں'اور کہا 'مکی ضعیف الحدیث ہے'اور یہ روایت کے لحاظ سے طعن ہے۔

یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے بھی اُسے ضعیف کہا ہے اور اس کی حدیث کو قبول نہیں کیا، اسے علی بن مدینی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا اور عقیلی رحمہ اللہ نے اُسے ضعفاء میں ذکر کیا ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی ضعفاء میں ذکر کیا۔

۞ ہشام رحمہ اللہ دینی لحاظ سے صالح تھے۔اسی لئے ابن شبرمہ رحمہ اللہ نے کہا'' مکہ میں ان جیسا کوئی نہیں''

اور ابن معین رحمہ اللہ نے کہا''صالح''[1] تھے یہ عبادت گزاری ودینداری کے لحاظ سے ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ابن معین رحمہ اللہ نے دوسری جگہ خود ان کے بارے میں کہا کہ ''بہت ضعیف ہے''

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا''سچا آدمی ہے مگر وہمی ہے''۔

میں کہتا ہوں شاید یہ ان کے اوہام میں سے ہو۔کیونکہ ایسا ہی قول ابن طاوس رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے تو شاید اُسے وہم ہوا ہو اور یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا ہو علی بن مدینی رحمہ اللہ نے کہا''سفیان کے خیال میں ہشام بن حجیر رحمہ اللہ نے اپنی کتابیں اس طرح نہیں لکھیں جس طرح دوسرے لکھتے ہیں۔(یعنی اُسے مکمل عبور نہیں تھا)اسی لئے وہ ہشام کیلئے معتبر نہیں رہیں''۔

---

[1] شاید ابن معین رحمہ اللہ کا مقصد دین کی اصلاح ہو،اور یہ لفظ تضعیف کے الفاظ میں بھی ذکر ہوتا ہے ابن معین رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ اسے استعمال کرتے تھے۔ابن حبان رحمہ اللہ عبدالرحمان بن سلیمان بن عبداللہ بن حنظلہ انصاری کے ترجمہ میں کہتے ہیں:'وہ بہت غلطی اور وہم کرتا تھا'احمد رحمہ اللہ اور یحییٰ رحمہ اللہ نے اس میں یوں کہا'صالح تھا'حوالہ کے لئے دیکھئے۔(مقدمة الفتح لابن حجر رحمہ اللہ)اور(المجروحین لابن حبان رحمہ اللہ)

(معرفۃالرجال:۳۰۲/۲)

ہشام رحمہ اللہ اہل مکہ میں سے تھے اور سفیان رحمہ اللہ اہل مکہ کے بارے میں خوب جانتے تھے۔عقیلی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ ابن عیینہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا ہم ان (ہشام) سے صرف وہی بات لیتے تھے جو کسی اور کے پاس نہ ملتی'۔ثابت یہ ہوا کہ یہ روایت ہشام رحمہ اللہ نے ذکر کی کیونکہ اسے ابن عیینہ رحمہ اللہ نے ہشام رحمہ اللہ کے ذریعے روایت کیا۔ابوحاتم رحمہ اللہ نے کہا 'ان کی حدیث لکھی جائے گی' یہ بھی تمریض اور تضعیف کے صیغے ہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حدیث مستقل نہیں لی جائے گی بلکہ کسی اور روایت کی تائید میں لیجاسکتی ہے۔

اسی لئے بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے ان سے صرف متابعت یا دوسری حدیث ملانے کے لئے روایت کرلی ہے اور اس (ہشاام بن حجیر) کی احادیث صحیحین کی ان احادیث میں سے ہیں جن پر تنقید کی گئی ہے۔بخاری رحمہ اللہ نے ان سے صرف ایک حدیث روایت کی وہ حدیث (سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی ((لأطوفن اللیلة علی تسعین امرأة.......الحدیث)) اسے کفارۂ ایمان میں ہشام سے نقل کیا اور اس کی پیروی میں کتاب النکاح میں ابن طاوس رحمہما اللہ سے بھی روایت کیا۔اور یہ بات معلوم ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ فتح الباری کے مقدمہ میں ہر اس راوی کا دفاع کرتے ہیں جس پر ناحق کلام کیا گیا ہو۔اور اپنی معلومات کی حدتک اس کا دفاع کرتے ہیں مگر جس راوی کا ضعف واضح ہو چکا ہو (یعنی اس پر ناحق اعتراض نہ ہو بلکہ حقیقتاً وہ ضعیف ہو) اور بخاری رحمہ اللہ نے اس کی وہ روایت نہ لی ہو جس میں وہ راوی اکیلا روایت کرتا ہو بلکہ اس کی روایت کو صرف دیگر روایات کی تائید میں لاتا ہو تو ایسے راویوں کا دفاع ابن حجر رحمہ اللہ کبھی نہیں کرتے نہ اس طرح کا تکلف انھوں نے کیا ہے بلکہ اس کی روایات کو صرف صحیح احادیث

کی متابعات وتائیدات میں ہی ذکر کرتے ہیں یہی معاملہ ہشام بن حجیر رحمہ اللہ کے ساتھ ہے۔

(مقدمة فتح البا ری)

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی ان سے دو حدیثیں ذکر کی ہیں جو صرف متابعات میں سے ہیں۔اس سلسلے میں شیخ الہروی نے اپنی کتاب (خلاصة القول المفهم على تراجم رجال الامام مسلم) میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ گذشتہ باتوں سے ہمیں معلوم ہوگیا کہ جن لوگوں نے ہشام کو قوی (اور ثقہ) قرار دینے کی کوشش کی ہے صرف اس بناپر کہ بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے اس (ہشام) سے روایت کیا ہے ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔کیونکہ ان دونوں اماموں نے مستقل طور پر ہشام سے کوئی روایت نہیں کی بلکہ متابعات میں ذکر کیا،اور یہ ہشام کی روایت کے ضعف کی دلیل ہے جب وہ روایت کرنے میں منفرد ہو۔

❁ اسی وجہ سے ہشام کو صرف متساہل علماء نے ثقہ کہا ہے جیسے کہ ابن حبان رحمہ اللہ ،وہ ثقہ قرار دینے میں بے پرواہ قسم کے ہیں اوران کی طرح عجلی بھی متساہل ہیں۔معلم الیمانی کہتے ہیں: عجلی کی توثیق غور کرنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ ابن حبان کی توثیق جیسی ہے بلکہ شاید اس سے بھی کچھ زیادہ۔ (انوارالکاشف:٦٨)

البانی کہتے ہیں: ’عجلی توثیق میں تساہل برتنے میں مشہور ہیں جیسے ابن حبان لہٰذا ان کی توثیق اگر علماءِ نقد اور جرح کے مخالف ہوئی تو ردّ ہے‘ دیکھئے (سلسلة الصحيحة ص :٦٣٣/٧) ۔اسی طرح ابن سعد کی توثیق بھی (غیر مقبول ہے) کیونکہ ان کا اکثر مواد واقدی متروک سے لیا گیا ہے جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقدمہ فتح الباری میں عبدالرحمان بن شریح کے حالات زندگی میں ذکر کیا ۔جب یہ حال ان کا (جیسے ابن حبان ،عجلی اور ابن سعد) جنھوں نے اس (ہشام) کو ثقہ قرار دیا

ہے تو یقیناً اس کے روایات میں ان کے ثقہ قرار دینے کے بعد بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ پھر جب ان (ابن حبان اور عجلی) کی مخالفت کی ہے، اور پہاڑوں جیسے ائمہ اس (ہشام) کی تضعیف کے قائل ہیں جیسے امام احمد، ابن معین اور تضعیف بڑے بڑے ائمہ نے کی ہو جیسے امام احمد، ابن معین، یحیی بن سعید القطان، ابن مدینی اور دوسرے۔

خلاصہ کلام یہ کہ: ہشام ضعیف ہے، مستقل طور پر وہ حجت نہیں ہے جبکہ وہ اکیلا ہو اس کی روایات حجت نہیں ہوسکتیں، جی ہاں! وہ متابعات میں (حجت کے) لائق ہیں جیسا کہ تم جان چکے ہو مطلب یہ ہے کہ ہشام ایک ضعیف راوی ہے نہ یہ خود کوئی حجت ہے نہ اس کی روایت کوئی دلیل ہاں کوئی محدث جیسے بخاری و مسلم کوئی حدیث دوسرے راویوں سے روایت کرے پھر اس حدیث کی سندوں کو زیادہ کرنے کے لیے اس ہشام سے بھی روایت کرے تو دوسری بات ہے ۔ان کو دلیل بنانے والے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے ساتھ کوئی دوسری (حدیث) ذکر نہ کر سکے۔اس لئے اس (ہشام) کی روایت کا ضعف ثابت ہو جاتا ہے۔اور اس کی نسبت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف غیر صحیح ہو جاتی ہے۔

بلکہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں دوسری روایت ذکر کی ہے۔

«ثنا الحسن بن يحي قال اخبرنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن ابن طاؤس عن ابيه قال سئل ابن عباس عن قوله تعالىٰ: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدة:٤٤) **قال هي به كفر. قال ابن طاؤس: وليس كمن كفر بالله وملائكته ورسله»**

”ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس آیت کے بارے

میں: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدۃ:٤٤) آپ نے کہا: اس کا مطلب کفر ہے، ابن طاؤس نے کہا: ویسا کفر نہیں جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں سے کوئی کرتا ہے۔'' [1]

اس قول اور اس طرح کے دیگر اقوال کی کیا حیثیت ہے؟

اس (چیز کا) بیان جس کے ساتھ اس قول اور اس طرح کے دیگر اقوال کا تعلق ہو یہ تنقیدات روایت کے لحاظ سے تھیں اب درایت کی رو سے اس قول کی حیثیت کیا ہے؟ اس بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول اگر صحیح ہوا کیونکہ (ابن عباس رضی اللہ عنہ) کے علاوہ دوسروں سے اس معنی کے قریب (لفظ) صحیح ثابت ہو چکا ہے تو یہ خوارج پر ردّ ہے جنھوں نے حکمین اور علی ومعاویہ رضی اللہ عنہم اور جو ان کے ساتھ دوسرے مسلم تھے ان کی تکفیر کا ارادہ کیا۔ صرف جھگڑنے اور حکومت کیلئے جو کہ ان کے درمیان خلافت اور صلح کے معاملہ میں جاری رہا۔ اور جو حکمین عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے درمیان جاری رہا یہ حادثہ ان کے خروج کا پہلا سبب تھا ۔جیسا کہ مشہور ہے۔ تو انھوں نے کہا: 'تم نے لوگوں کو حاکم بنایا' ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدۃ:٤٤) [1] اس میں شک نہیں کہ وہ غلطی پر تھے اور گمراہ

---

[1] میں کہتا ہوں: ایسی ہی روایت مسلم بن نصر نے (تعظیم قدر الصلاۃ: ص ٥٧٠) ذکر کی اس طریق پر جو کہ صحیح اور صریح ہے کہ ان کا بیان ہے کہ 'اور (ان کا کفر) ایسا نہیں جیسا کوئی اللہ سے کفر کرے.......ابن طاؤس کے قول سے لیا گیا ہے۔ اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے جیسا کہ ظاہر روایت سے سمجھ میں آتا ہے۔ طبری کے نزدیک وہ روایت مجمل ہے۔ اور بعد والی روایت اس کا بیان ہے۔ یہ اس وقت ہے جب ہم فرض کر لیں کہ صحیح ہے۔ جبکہ بعض محدثین اسے سفیان کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف کہتے کیونکہ ان محدثین کے نزدیک سفیان مدلس راوی ہے۔ اور وہ شیخ ابی ایوب بن نور البرقوی کے ردّ سے لیا گیا ہے جو کہ انھوں نے ان لوگوں پر کیا جنھوں نے اس روایت کو صحیح کہا میں نے اسے یہاں بیان کرنا اچھا جانا جیسے کہ طالبِ حق کو زیادہ فائدہ (علمی) دینا، میں نے اس روایت کی تضعیف پر زیادہ توجہ نہیں دی کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اس کا معنی بعض سلف سے معلوم ہے بلکہ میری توجہ اس کے بعد آنے والے موضوع پر ہے۔

تھے۔

جبکہ یہ چیزیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں واقع ہوئیں اگر ان چیزوں میں وہ ایک دوسرے پر ظلم بھی کر دیتے تب بھی وہ کفر نہ ہوتا (جو کہ ملت اسلامیہ سے خارج کرتا ہے)۔اور علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خوارج کی طرف اس بات میں مناظرہ کرنے کیلئے بھیجا۔تو وہ ان کی طرف گئے انھوں (خوارج) نے ان (ابن عباس رضی اللہ عنہ) کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا۔ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لوگ حکمین سے ناراض ہوئے جبکہ اللہ کا تو فرمان ہے:

فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا. (النساء:۳۵)

’’پس بھیجو ایک حاکم اس (مرد) کے گھر والوں میں سے اور ایک حاکم اس (عورت) کے گھر والوں سے۔‘‘

تو پھر امت محمدیہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔انھوں نے کہا: اللہ نے جو فیصلہ لوگوں کیلئے اور اس میں غور کرنے کا حکم دیا تو وہ فیصلہ انہی کیلئے تھا اور جو فیصلہ کر کے اس نے نافذ کر دیا اس میں لوگوں کیلئے غور کرنے کی گنجائش نہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔اللہ فرماتا ہے:

یَحۡكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ. (المائدة:۹۵)

’’اس کا فیصلہ تمہارا صاحبِ عدل کرے۔‘‘

انھوں نے کہا: شکار اور کھیتی ،عورت اور اس کے خاوند کے درمیان فیصلے کو تم مسلمانوں کے خون کے برابر کرتے ہو؟ [1] کیا عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) تمہارے نزدیک عادل ہیں اور کل تک وہ ہمارے ساتھ لڑتے تھے؟ اگر وہ عادل ہیں تو ہم عادل نہیں۔اور تم نے اللہ کے کام میں بندوں

[1] جب تحکیم کی تحریری دستاویز لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنائی گئی اور اسے بلال کے بھائی عروہ بن حدیر نے سنا تو کہا ' کیا تم اللہ کے دین میں لوگوں کو حکم بناتے ہو (لا حکم الا اللہ) اور اپنی تلوار نکالی ،اور جس نے تحریر پڑھی تھی اس کی سواری کو مار دیا۔یہ پہلی چیز تھی جس پر وہ خوارج بنے۔حوالہ کیلئے دیکھئے۔(الفرق بین الفرق) محکمۃ اولیٰ کے ذکر میں اور (البدایہ و النھایة:۷/۲۷۸) وغیرہ ہے۔

سے فیصلہ لیا۔اس سارے مناظرے کا مطلب یہ کہ اس کے بعد ان میں سے کچھ بندے حق کی طرف لوٹ آئے اور کچھ دوسرے گمراہی پر مصر رہے اور علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے حکمین کے اس حادثے کے بعد الگ ہوگئے ۔اور وہی اصل خوارج ہیں مرجئہ عصر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس قول اور اس جیسے بعض تابعین کے اقوال جیسے طاوس اور ان کے بیٹے اور ابی مجلز وغیرہ ۔ان کے اقوال خوارج سے متعلق تھے'' پر اعتماد کیا اور انہی کے ساتھ چلتے رہے۔تا کہ اُسے جھوٹ اور بہتان بنا کر اس سے استدلال کر سکیں جہاں اس سے استدلال ہوتا ہی نہیں۔ان کا کہنا یہ ہے کہ جس لفظ سے وہ لوگ حجت لیتے ہیں۔اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول جس میں انھوں نے خاص لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ایک خاص واقعے کے بارے میں'' کہ یہ وہ کفر نہیں جس کی طرف جا رہے ہو'' تو یہ لفظ'' جس کی طرف تم جا رہے ہو'' خوارج اور ان کے زمانے کے اُن لوگوں جنھوں نے ان کی تابعداری کی۔جو کہ مشہور ومعروف واقعہ کے ضمن میں ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیت کی تفسیر میں نہیں بلکہ اس غلطی کے بارے میں ہے جو کہ خوارج نے کی تھی۔دلیل یہ کہ یہ آیت اصل میں اللہ کی شریعت کو بدلنے والے کفار کیلئے ہے۔وہ یہود ہوں یا اور لوگ اس کی تفصیل آگے آئے گی تو کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے؟ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ یا دوسرے اہل اسلام یہود یا دوسرے (کفار) کے اللہ کے حکم یا اللہ کے حدود کے بدلنے کے بارے میں کہیں کہ یہ: کفر دون کفر، یعنی کم تر درجہ کا کفر ہے؟؟۔تو اس (رضی اللہ عنہ) کا یہ قول اب معلوم ہوا۔اگر وہ صحیح ہو۔خوارج کی اس باطل مراد کے بارے میں ہے جو وہ (سورہ مائدۃ کی آیت ۴۴) سے لینا چاہتے تھے اس کے آیت کے بیان یا اس تفسیر کے بارے میں نہیں ہے جو اس آیت کی اپنی تفسیر ہے۔جاگ جاؤ اور گمراہ لوگوں کے دھوکے میں نہ آؤ۔

علامہ احمد محمد شاکر السّلفی رحمہ اللہ عمدۃ التفسیر پر اپنی حواشی میں ان (کفر دون کفر جیسے) آثار کے

بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''یہ آثار جو ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت ہیں۔ان اقوال میں سے ہیں جن کے ساتھ ہمارے زمانے کے گمراہ کرنے والے،علم کے ساتھ نسبت رکھنے والے اور اس کے علاوہ دین کی جرأت کے ساتھ (مخالفت کرنے والے) کھیل رہے ہیں (اور) یہ لوگ ان اقوال کو بہانہ یا ان شرکی اور من گھڑت قوانین کے مباح ہونے کا ذریعہ بنا رہے ہیں جو اسلامی ممالک پر لازم کر دیئے گئے ہیں۔(عمدة التفسير: ٤/١٥٦)

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے اسی جگہ ان جیسے آثار پر اپنے بھائی محمود شاکر رحمہ اللہ کا حاشیہ نقل کیا ہے جن آثار میں ابومجلز، جو کہ تابعی ہے۔اپنے زمانے کے بعض خوارج کے مباحثہ کرتے ہیں اور جنھیں طبری اپنے تفسیر کے (۱۰/ ۳۴۸) پر لائے ہیں (ان آثار میں دو پر حاشیہ لگاتے ہوئے شیخ محمود شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللهم انی أبرأ اليك من الضلالة ، و بعد، اے اللہ میں تیری طرف بھاگتے ہوئے گمراہی سے بری ہوں اور اس کے بعد (کہتا ہوں) کہ اہل شک اور فتنہ پرور لوگ جو ہمارے اس زمانے میں (بین الأقوامی امور پر) باتیں کرنے کے لیے (سب سے) آگے ہوتے ہیں اللہ کے نازل کردہ قوانین چھوڑنے میں (لوگوں کے) جان، مال اور عزت میں اللہ کے اس شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے میں جو اس نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اسلامی ممالک میں کفار کے قانون کو شریعت بنانے میں (یعنی کفار کے قانون کو اپنا قانون بنانے میں یہ فتنہ پرور) لوگ عذر ڈھونڈ رہے تھے حکمرانوں کے لیے (مگر) جب ان کو ان دو اقوال کا پتہ چلا تو ان اقوال کو ایک پختہ رائے بنالیا اور ان کے ذریعے انھوں نے (لوگوں) کے مال، جان

اورعزت میں اللہ کے نازل کردہ قانون کے بغیر فیصلوں کوصحیح سمجھا،اور(انھوں نے یہ بھی سمجھا) کہ عام فیصلوں میں اللہ کی شریعت کی مخالفت پرراضی ہونے سے اوران پر عامل ہونے سے کوئی کافرنہیں ہوتا۔اوران آثار کی مناسبت شیخ نے یہ بتائی کہ وہ خوارج کے ساتھ مناظرے تھے۔جنھوں نے اپنے زمانے کے حکمرانوں کوگناہوں کے سبب کافر کہنے کا ارادہ کررکھا تھا۔جوکہ کفرتک نہیں پہنچتے۔پھرکہا: تو معلوم ہوا کہ اُن کا سوال اس چیز کے متعلق نہ تھا جس کو ہمارے زمانے کے مبتدعہ دلیل بنارہے ہیں۔(یعنی ان سلف کا سوال)ان فیصلوں کے متعلق نہیں تھا جواموال،اعراض اور خون بہا کے بارے میں ایسے قانون کے ساتھ کئے جاتے ہیں جو اہل اسلام کی شریعت کے مخالف ہے۔اورنہ(ان کا سوال) کسی ایسے قانون کے صادرکرنے کے متعلق تھا جواہل اسلام پرلازم کرتا ہوکہ وہ (ضرور) کسی ایسے قانون کے پاس اپنے فیصلے لے جائیں جواس قانون کے مخالف ہوجوقانون اللہ کی کتاب میں (لکھا ہوا) ہے اوراس کے نبی ﷺ کی زبان سے (بیان ہوا ہے)۔یہ فعل اللہ کے حکم سے منہ موڑنا ہے۔اوراس کے دین سے بے رغبت ہونا ہے۔اوراہلِ کفر کے احکام کواللہ کے حکم پراہمیت دینا۔یہ کفرہےاوراس میں اہلِ قبلہ میں سے کسی کوشک نہیں اگرچہ ان کا (یعنی اہل قبلہ کا جن میں مرجئہ بھی ہیں)اس کے قائل اوراس کی طرف دعوت دینے والے کی تکفیرمیں اختلاف ہے۔توجب ان سب کووہ منصف شخص جان جائے جس کو حق کی طلب کی توفیق دی گئی ہےاوروہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سلف کی طرف منسوب اقوال کاتعلق کافہم حاصل کرے اس واقعے کومعلوم کرے جس کے بارے میں یہ اقوال کہے گئے تھے،اس قوم کی حالت کوبھی معلوم کرے جس کے بارے میں یہ اقوال

کہے گئے تھے اور اس قوم کے ان اقوال کو بھی معلوم کرے جن کے ردّ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ یا دوسرے سلف نے یہ اقوال کہے تھے پھر وہ بصیرت کی نگاہ سے دیکھے ان حالات کو جن میں کہ آج ہم ہیں جیسے اللہ کے ساتھ ایسا قانون بنانا جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اللہ کے پاک احکام ،تشریعات اور حدود کو انسانوں کے ادنیٰ معمولی اور اپنے بنائے ہوئے قوانین اور خواہشات سے بدل دینا۔ یہ صرف گمراہ اور فتنہ پرور لوگوں نے ایک قول کو ایسے عمل کیلئے دلیل بنالیا ہے جس کا اس دلیل سے تعلق نہیں ہے۔ ❶

تو وہ اس بڑے دھوکے اور واضح گمراہی کے نقصان کو جان جائے گا جو کہ مرجئۃ العصر کا مشن ہے کہ وہ سلف کے ان اقوال کو (آج) ایسے واقع پر منطبق کرتے ہیں کہ یہ واقعہ بالکل مختلف ہے اس واقعے سے جس میں (سلف کے یہ اقوال) کہے گئے تھے اور یہ صرف اس لیے (یہ مرجئہ) کررہے ہیں کہ اس سے وہ اس زمانے کے بڑے جرم (ایمان بالطاغوت) اور مجرموں (یعنی طواغیت) کا دفاع کریں۔ کیا خوارج نے علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما ودیگر صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ اعتراض کیا تھا کہ علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما ودیگر صحابہ رضی اللہ عنہم خود کو شریعت ساز کہتے ہیں؟ یا انہوں نے کفریہ دستور بنا رکھا تھا؟ جس کی رو سے وہ قانون بنانے کا حق شہزادے اور پارلیمنٹ کو ہو جیسا کہ دستور میں لکھا

---

❶ جبکہ اکثر سلف امام احمد رحمہ اللہ جیسے اللہ کے اس قول کے بارے: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدة: ٤٤) صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے اس آیت کے سے متعلق اقوال کو نقل کرتے ہیں، اور ان اقوال کے ذریعے تفسیر کرتے ہیں کیونکہ وہ اس کی حدود جانتے ہیں جس کے اندر یہ کی گئی ہے۔ تو وہ لوگ ان اقوال کا اقرار کرتے ہیں اور اس سے اس کی حدود کے اندر رہ کر استشہاد کرتے ہیں۔ تو یہ جائز نہیں کہ ان اقوال کو ان کی حدود کے علاوہ اور کہیں نقل یا استشہاد کیا جائے۔ کیونکہ یہ ان پر جھوٹ باندھنا اور وہ بات کہنا ہے جو انھوں نے کہی ہی نہیں۔ سوائے اس دلیل کہ جو ان کے کلام میں سے ہے۔ اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی معصوم نہیں پس اگر کسی سے ایسی بات ہوجائے تو ہم یہی کہیں گے کہ ''ہر ایک کی بات لی اور ردّ کی جاتی ہے سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے۔

ہوا ہے یہی بات کویت کے دستور نمبر ۵۱ پر ہے اور اس کے قریب قریب بات مصر کے دستور نمبر ۸۶ پر لکھی ہوئی ہے اس طرح دیکھو اردن کا دستور آرٹیکل ۲۵۔ ہرگز نہیں وہ ہستیاں اس قسم کے الزامات سے پاک تھیں یہ خرابیاں تو موجودہ مسلم حکمرانوں میں در آئی ہیں۔اس زمانے کے تو مرجئہ بھی اس قسم کی خرابیوں سے پاک تھے اسی کے ساتھ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی رعایا کے فیصلے اور ان کی رغبات اور خواہشات کے موافق شریعت میں تبدیلی کی؟ کیا اللہ کی شریعت کو قوانین وضعیہ کے ذریعے بدل ڈالا؟۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو کیا اس زمانے کے کم عقل لوگ بھی اس طرح کا کفر نہیں کرتے تھے نہ ہی اس وقت کے عوام ایسا کرتے تھے۔ایسا ان کے بارے میں کیسے تصور کیا جاسکتا ہے۔وہ تو وہ لوگ تھے جنھوں نے اپنے زمین تک خون سے رنگ لئے تاکہ اللہ کا دین اور عزت بلند ہو۔

ہم کہتے ہیں: اگر اس (صحابہ رضی اللہ عنہم کے) زمانے میں کوئی اس طرح (صریح طور پر وضعی قوانین بناتا اور صریح کفر) کرتا تو تشریع کے باب میں ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ جیسے غیر صریح نصوص سے خوارج ان کے خلاف استدلال نہ کرتے بلکہ ان دوسری آیات سے کرتے جن کی اپنی طرف سے شریعت بنانے والوں کے کفر پر دلالت قطعی ہے اور اس بات پر بھی ان کی دلالت یقینی ہے کہ ایسے لوگ طواغیت اور انھوں نے اپنے آپ کو ایسے ارباب من دون اللہ بنایا ہے جن کی عبادت کی جاتی ہے اور ان قطعی الدلالۃ آیات میں سے ایک یہ ہے۔اور وہ ان نصوص کو نہ چھوڑتے جو دلالت میں یعنی جو وضعی قوانین بنانے والوں کے تکفیر میں قطعی ہیں یقینی ہیں۔

جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾(المائدة:٤٤)

اور دوسرے نصوصِ صریحہ اور مشرعین کے کافر ہونے اور طواغیت ہونے اور اللہ کے علاوہ رب جن کی عبادت کی جاتی ہے پر قطعی دلائل کو چھوڑ دیا۔ [1]

جیسا کہ فرمان ہے:

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. (الانعام:۱۲۱)

''اگر تم ان کی بات مانو گے تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے''

اور یہ فرمان کہ:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ. (الشوریٰ:۲۱)

''یا یہ کہ ان کے شرکاء نے ان کیلئے اللہ کے حکم کے بغیر کوئی دینی شریعت بنالی ہے۔''

اور یہ فرمان کہ:

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا. (الکهف:۲۶)

''اس کے حکم اور قانون میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔''

اور دوسری آیات۔ کہ یہ ان آیات میں سے ہیں جو ایسے لوگوں پر مخفی نہیں رہ سکتی تھیں (یعنی خوارج پر) جن کے قراءت (اور قرآن کے حفظ) کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اپنی قراءت (اور حفظ) کو حقیر سمجھتے تھے۔ یا اللہ کا یہ فرمان کہ:

وَّلَايَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (ال عمرآن:۳۱)

''اور ہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہیں بنائیں گے۔''

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (التوبة:۳۱)

---

[1] قطعی دلالت کی نص: اس سے مراد ہے کہ جس کا معنی فہم متعین پر دلالت کرے اور اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ اور دوسرے معنی کی گنجائش نہیں۔ اور ظنی دلالت: مراد یہ کہ اس میں دلالت معنی تو ہوں مگر اس میں تاویل اور معنی کے تبدیل ہونے کی گنجائش رہتی ہے۔

''انھوں نے اپنے پادریوں اور مولویوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا تھا۔''

اور دوسری آیات لیکن ان لوگوں نے ان میں سے کوئی آیت ذکر نہیں کی۔ کیونکہ ان آیات میں سے کوئی بھی ان کے اس واقعے پر پوری نہیں اترتی تھی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کیلئے یہ بات مناسب نہیں کہ یہ آیات ان سے پوشیدہ رہیں۔ اگر ان کا واقعہ (اپنی طرف سے بنائے ہوئے قانون) کے بارے میں ہوتا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے اور وہ قرآن کے بہت بڑے عالم تھے اور اس آیت کے شان نزول کے راوی بھی۔

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. (الانعام:۱۲۱)

''اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو تم مشرک ہو جاؤ گے''

حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا 'بے شک مشرکین میں سے کچھ لوگ مسلمانوں سے ذبح اور تحریم مردار کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے اور کہتے تھے۔ ''جسے تم نے مارا اُسے کھاتے ہو اور جسے اللہ نے مارا اُسے نہیں کھاتے''

اللہ نے فرمایا:

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. (الانعام:۱۲۱)

''اگر تم ان کی باتوں میں آؤ گے تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے''

(اس آیت سے) یہ ثابت ہوا کہ اپنی طرف سے شریعت بنانے والا اور اللہ کی شریعت کے علاوہ دوسری شریعت کی پیروی کرنے والا چاہے کسی ایک مسئلہ ہی میں کیوں نہ ہوں وہ مشرک اور کافر ہے۔ برخلاف اس حاکم یا قاضی جائر کے جو نئی شریعت یا اللہ کے دین کے علاوہ کوئی دین نہیں گھڑتا۔ [1]

---

[1] ایسا ہی معنی کی طرف ابومجلز رحمہ اللہ نے اپنے قول میں اشارہ کیا 'وہ ان کا دین ہے جس پر وہ چلتے ہیں' اس کے خوارج کے ⇐

اور نہ ہی اپنے یا کسی اور کو قانون بنانے کا حق دیتا ہے۔ پس وہ اللہ کے نازل کردہ کے بغیر فیصلہ کرتا ہے مطلب یہ کہ ظلم اور زیادتی اور خواہشات میں نہ کہ تشریع استبدال (یعنی شریعت کے ''بدلے'' کفری قانون اپنانا) کی نیت سے۔ ایسا آدمی اس سے زیادہ نہیں کہ وہ حاکم ظالم زیادتی کرنے والا ہے اور وہ کافر نہیں چاہے وہ اس جیسے سو بار فیصلے دیدے۔ جب تک اسے حلال نہ سمجھے۔

پس اگر ان کا حال یہ تھا تو پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ اور نہ ہی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں ذرہ برابر تردد کرتے، ان کو ان کے اس کام کی وجہ سے کافر کہنے میں۔ جب کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے اپنی طرف سے قانون بنانا اگرچہ ایک قضیہ یا ایک مسئلہ میں ہو مگر ہو ایسی چیز کے بارے میں (جس بارے میں) اللہ کے سوا کسی اور کے لیے (قانون بنانا) جائز نہ ہو اللہ کے ساتھ شرک اکبر ہے، کفر اکبر ہے ظلم اکبر ہے اور فسق اکبر ہے۔ بلکہ صرف کسی کیلئے حقِ تشریع کا دعویٰ کرنا (کسی امیر یا رئیس یا بادشاہ یا گروہ یا مجلس) کے لئے شرک اور کفر اکبر ہے چاہے وہ خود تشریع کرے یا نہ کرے۔ اور چاہے کوئی ان کی تشریع کی پیروی کرے یا نہ کرے۔ پس ظاہر ہوا کہ ان کا حال ہمارے حال سے مختلف تھا۔ اور ان کا فتنہ ہمارے فتنہ سے الگ تھا۔ پس آپ دونوں واقعات اور قضیات میں فرق کو سمجھیں اور اس خلط ملط اور تلبیس سے اجتناب کریں جو شیطان اور طواغیت کی خوشنودی کی طرف لے جانے والی ہیں۔

❀❀❀❀❀

⇦ مناظرہ میں۔ جس میں اُس نے اپنے زمانے کے امراء کی طرف اشارہ کیا جنھوں نے اللہ کے دین کے علاوہ شریعت نہ بنائی نہ ہی اسے تبدیل کیا اور نہ ہی قوانین بنائے بلکہ ان سے بعض غلطیاں سرزد ہوئیں جن پر خوارج نے انہیں کافر کہنا چاہا۔ اور اس بارے میں آپ ان کو دیکھئے جو اس فرمان کی تفسیر میں ہیں۔ ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدة: ٤٤) (تفسیر الطبری، اور محمود شاکر رحمہ اللہ کی اس پر تعلیقات سے۔

○ صحابی کے قول کی حجیت۔

پھر چلو میرے توحید کے بھائی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جو غیر معصوم بشر تھے خطا بھی کرتے تھے اور مصیب بھی ہوتے تھے۔ان کی مرادان کی طرف منسوب قول سے ہمارا یہی (وضع قوانین والا) واقعہ ہے۔اگرچہ یہ محال ہے کیوں کہ اس واقعے کی مثال اس وقت کے اسلامی مملکت میں نہیں ملتی (لیکن پھر بھی اگر ہم مان بھی لیں) تو وہ ایک غیر معصوم بشر تھے خطا بھی کرتے مصیب بھی ہوتے تھے۔تو کیا ہم اللہ کے قول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے تصادم کریں گے۔اور وہ بھی توحید کے مسائل میں سے ایک مسئلہ پر جس کیلئے تمام رسول مبعوث کئے گئے۔اور وہ ہے کفر بالطاغوت، کلمۂ توحید کا نصف؟؟ اس سوال کا جواب علماء تو کیا طالب علم بھی دے سکتے ہیں اس میں شک نہیں کہ اس کا جواب۔علم اور دعاۃ کی طرف منسوب (علماء) کو چھوڑیئے چھوٹے طلبا بھی جانتے ہیں۔کہ ہمارے دین میں اللہ اور رسول کے قول کے علاوہ کوئی قول حجت نہیں ہے۔کیا ابن عباس رضی اللہ عنہ خود یہ نہیں کہہ رہے ان لوگوں کے ردّ میں جوابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے متعۃ الحج میں دلیل لیتے تھے۔کہ ''عنقریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں ۔میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اور تم کہتے ہو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے کہا''۔

اور ہم پھر کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بعید ہے کہ وہ ملاوٹ کریں یا بوکھلا جائیں یا پھر اصولِ دین میں سے کسی اُصل کی مخالفت کریں جیسا کہ یہاں ہے۔اور وہ ترجمان قرآن ہیں ۔لیکن مقصد یہ یاددہانی کرانا ہے کہ صحابی کا قول دین نہیں اور نہ ہی اختلاف کے وقت وہ اللہ کے دین [1] میں حجت ہے۔پھر اس وقت کیا ہوگا جب یہ فرض کرلیا جائے کہ ان کا قول اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مخالف ہے۔

---

[1] سبب النزول میں صحابی کا قول اس قید سے مستثنیٰ ہے۔کیونکہ وہاں اس کا قول مرفوع کے درجہ پر ہوگا۔اور اسی طرح ہر وہ بات ⇐

ہم جو بار بار طواغیت کی طرف سے جھگڑا کرنے والے اس زمانے کے مرجئہ سے سنتے ہیں کہ وہ (طاغوتی قوانین کو) اللہ کے (قانون) پر مقدم کرتے ہیں اور اس بارے میں اللہ کے واضح کلام کی مخالفت کرتے کہ اپنی طرف سے شریعت بنانا یا کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا شرک ہے اور مخلوق کو رب بنانا ہے اور اس کی دلیل (یہ مرجئہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب قول سے دیتے ہیں۔تو اسی نے ہم کو مذکورہ بالا بدھیات کے ساتھ نصیحت کرنے پر مجبور کیا۔

○ اس بیان میں کہ اگر حکم قانون سازی کے معنی میں ہو تو یہ ایسا کفر ہے کہ اس کے ساتھ کوئی استحلال اعتقاد وغیرہ کا قید نہیں ہے بلکہ یہ کفران قیود سے آزاد اور ''مجرد'' ہے برخلاف اس کے کہ اگر حکم سے مراد فیصلہ میں ناانصافی سے ہو تو اس میں تفصیل ہے اور آج کے طواغیت اور ان کے بندوں کا کفر پہلی قسم میں سے ہے۔

مرجئہ عصر اور جہم اور بشر المریسی کے شبہات کا قلع قمع کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو خبردار کر دیں اور اُنہیں اللہ کے نازل کردہ کے علاوہ حکم کرنے کا معنی بتا دیں ۔جس کے بارے میں اللہ نے فیصلہ دیا کہ وہ مشرک کافر ملت سے خارج ہیں۔اس کے ساتھ استحلال اعتقاد وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔اور یہ کہ وہ خود تشریعِ عام اور لازم ہے جسے طواغیتِ عصر نے اپنایا اور اپنے پیروکاروں کا حق بنالیا ہے ان کی کفریہ پارلیمنٹ کی نیابت کے ساتھ۔اور وہ کفریہ اعمال میں سے ہے جو کہ اپنے اسلام لانے والے کو کافر کرتا ہے۔یہ کہے بغیر کہ اس نے حلال سمجھا یا حلال نہیں کیا۔اور اعتقاد رکھا یا نہیں رکھا۔ برخلاف عدالتی فیصلوں کے مع التزام اسلام اور شریعت اور اس میں بغیر تبدیلی کئے ہوئے۔اس میں مشہور ومعروف تفاصیل ہیں جو کہ معتقد

⇦ جو عقل سے نہ کہی جائے۔لیکن شرط یہ ہے کہ صحابی اسرائیلی روایات کو بہت زیادہ روایت کرنے والا نہ ہو۔

، مستحل یا اپنی خواہشات کی خواہش کی پیروی کرنے والا گنہگار اور دوسرے کے درمیان میں۔اور اسی آخری تفاصیل میں مرجئہ عصر ملاوٹ کر کے لوگوں کو ورغلاتے ہیں۔اور (وہ) یہ ملاوٹ جو کررہے ہیں تو ''اول قسم کے کفر پر جو کہ اس زمانے کے طواغیت سے صادر ہورہا ہے اس آخری تفصیل کو منطبق کرنے کے ذریعے''۔تو یہ (مرجئہ)ان (طواغیت) کے جرم منکر کی ان (طواغیت) کے لیے ایسی تصویر بنارہے ہیں کہ (گویا) ان کا یہ جرم ایسا گناہ ہے جس کا مرتکب کافر نہیں ہوتا اِلَّا یہ کہ اسے وہ حلال سمجھے یا اس کے حرام ہونے کا انکار کرے۔

پس لازمی ہے کہ آپ تشریع کا معنی جانیں۔جو کہ شرک اور توحید سے متعلق ہے۔اور ان میں اور ان کے حکم کے درمیان فرق کو سمجھیں جو کہ اس کے فروع سے متعلق ہیں۔تا کہ آپ سے مرجئہ عصر کی تلبیس زائل ہوجائے اور تا کہ وہ اشکال بھی (زائل ہوجائے) جو آپ کو بعض سلف کے کلام میں پیش آتا ہے۔جب وہ (سلف) کے حکم کے بغیر ما انزل اللہ اور بعض ان کافر نہ کرنے والے گناہوں کو جمع کرتے ہیں جن گناہوں کو رسول اللہ ﷺ نے کفر کا نام دیا ہے (سماھاالرسول کفرًا) اور ان سب کو اس کفر اصغر میں درج کرتے ہیں جس کا مرتکب بغیر استحلال کے کافر نہیں ہوتا تو ان سلف کی مراد حکم (بغیر ما انزل اللہ) سے یہاں اس کا وہ معنی ہے جو اسلام سے خارج نہیں کرتا نہ کہ وہ تشریعی اور تبدیلی معنی جو اس زمانے کے طواغیت سے صادر ہورہا ہے۔اور اسی میں سے ابن قیم رحمہ اللہ کا یہ قول (کتاب الصلاۃ: ص ٦) پر ہے کہ:

> ''جب وہ اللہ کے نازل کردہ کے خلاف فیصلہ کریں یا وہ کام کریں جسے رسول اللہ ﷺ نے کفر کا نام دیا ہے۔اور وہ اسلام پر کاربند بھی ہے تو اس (شخص) پر کفر واسلام دونوں قائم ہیں''۔

اس بات پر غور فرمایئے ''وہ اسلام پر کاربند ہے'' آپ جانیں گے کہ ان کا ایسے اقوال میں

مقصد اللہ آپ جانیں گے کہ ان (سلف) کا ان مقالات میں حکم بغیر ما انزل اللہ سے مراد ہمارے زمانے کی تشریعی اور کفری شکل وصورت نہیں ہے۔ ❶

اسی طرح کی تفصیل اور تقسیم کی طرف شیخ سلیمان بن عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی کتاب (التوضیح عن توحید الخلّاف فی جواب اھل العراق) کے صفحہ ۱۴۱ پر اشارہ کیا ہے اور اللہ کے نازل کردہ کے خلاف حکم کو دو قسم پر تقسیم کیا ہے۔

① شرکی قسم جو توحید کی ضد ہے۔

② فروع میں۔

اور وہاں بیان کیا ہے کہ پہلی قسم حقیقی کفر ہے اس میں کوئی ایمان نہیں ہے۔ جبکہ دوسری قسم میں معروف تفصیل ذکر کی جو کہ دو قسموں پر ہے۔ (اور اسی میں خوارج نے ملاوٹ کی اور مرجئہ عصر بھی اسی میں ملاوٹ کرتے ہیں)

① اگر زبان اقرار نہ کرے اور دل تسلیم نہ کرے وہ بھی کفر حقیقی ہے اس میں ایمان نہیں۔ اور اگر زبان سے اقرار کیا اور دل سے قبول کیا کہ حکم اللہ کا ہے لیکن عمل ظاہراً اس کے خلاف کرتا ہے خاص کر فروع میں تو وہ ملت سے نکالنے والا کفر نہیں۔ اس میں آثار ذکر کئے اسی میں طاوس رحمہ اللہ کا قول ہے: فروع میں اللہ کے حکم کے برخلاف حکم دینا اس کی حاکمیت کے اقرار اور محبت کے ساتھ ملت سے خارج نہیں کرتا۔ اس قسم کو اپنی کتاب میں دوسری جگہ (ص:۱۴۳) میں یوں ذکر کیا:

---

❶ یہ قول شیخ الاسلام کی حکم بغیر ما انزل اللہ کی تقسیم کی طرح ہے۔ (منھاج السنۃ: ۱۳۱/۵) اس فرمان میں ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُم﴾ آپ نے کہا: ''جو کوئی اپنے جھگڑوں میں اللہ اور رسول کے فیصلے کو نہیں اپنائے گا تو پس اللہ نے خود اپنی قسم کھا کر کہا ہے کہ وہ مؤمن نہیں''۔ اور جو ظاہراً اور باطناً اللہ ورسول کے حکم پر کاربند تھا۔ مگر گناہ کیا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی تو وہ انہی گنہگاروں کی طرح ہے۔

''ایسی فروع میں جو کہ اصل دین نہیں اللہ کے نازل کردہ کے خلاف حکم دینا اس کی حاکمیت کے اعتراف کے ساتھ اور اس کی محبت اور اختیار کرنے اور ماننے کے ساتھ''

اس کا تعلق ''تشریع''، یعنی قانون سازی کے ساتھ ہے متعلقِ شرک اور توحید میں ان کی تفریق پر غور کیجیے۔ اور فروع میں حکم کے معنی ہیں ''قضاء میں ناانصافی کرنا جس میں نہ تو قانون سازی ہو نہ استحلال ہو نہ استبدال''۔

اور جس طرح مرجئۃ عصر ان دونوں اقسام کو جہل یا ملاوٹ کی غرض سے ملا دیتے ہیں اور آخری قسم کو طواغیتِ عصر مشرعین پر لاگو کرتے ہیں اسی طرح خوارج نے بھی ملایا اور آخری قسم کو پہلی کی طرح کرنے کا ارادہ کیا چاہے اس میں استحلال یا انکار نہ ہو۔ اسی لئے شیخ سلیمان رحمہ اللہ نے پہلی جگہ میں یہ کہا: خوارج اس آیت کے ظاہری معنی میں عموم کی طرف مائل ہوئے اور انھوں نے کہا یہ ہر اس کے خلاف نص ہے جو اللہ کے نازل کردہ کے خلاف فیصلہ دے وہ کافر ہے۔ اور جس نے گناہ کیا اس نے اللہ کے نازل کردہ کے خلاف کیا وہ کافر ہوا۔ اہل سنت والجماعت کا اُس کے خلاف اجماع ہے۔ اور ہم صرف اُسے کافر سمجھتے ہیں جو توحید میں اللہ کے نازل کردہ کے خلاف حکم کرے۔ بلکہ اس کی ضد شرک کو جس نے اختیار کیا۔ اور شرک کرنے والوں سے دوستی رکھی اور موحدین کے خلاف ان کی مدد کی۔

میں کہتا ہوں: ہم بھی اسی طرح ہیں۔ پس جیسے ہم نے اللہ کے نازل کردہ کے خلاف حکم کرنے پر کافر کہا انہیں فروع میں حکم پر کافر نہیں کہتے۔ مطلب قضاء (عدالتی) فیصلوں میں ناانصافی وغیرہ، بغیر استحلال کے جیسا کہ خوارج کا طریقہ ہے۔ ہم نے تو انہیں اس لئے کافر کہا کہ انھوں نے اللہ کے نازل کردہ کے خلاف نوع تشریعی شرکی میں فیصلہ دیا۔ جو کہ اصل توحید کے مناقض ہے۔ اور اس لئے کہ انھوں نے اللہ کے علاوہ حاکم اور مشرع کی پیروی کی اور اس کی

شریعت اور دین کے علاوہ دین اور شریعت کی تلاش کی اور اسی طرح ان کی اہل شرک اور مختلف رنگوں کے طواغیت سے دوستی کی وجہ سے اور موحدین کے خلاف ہونے کی وجہ سے کافر کہا۔ اس کو سمجھئے، اور ان لوگوں میں سے مت ہو جایئے جن کو مرجئہ عصر کی تلبیسات اور پاگل پن الجھن میں ڈالتا ہے۔ اور اس میں فرق کیجیے جسے رسول اللہ ﷺ اور ان کے متبعین کافر کہتے ہیں اور اُن میں جسے خوارج اور ان کی جماعت کافر کہتی ہے۔

پھر یہ بھی جان لیجئے کہ تشریع یا استبدال کفر مجرد ہے۔ اس میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ! آیا اُس نے استحلال یا اعتقاد یا انکار کیا؟ یہ تقییدات دوسری قسم میں ہیں جس میں خوارج نے گڑ بڑ کی۔

اہل کتاب کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (التوبة:۳۱)

''انہوں نے اپنے علماء اور پادریوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا۔''

قانون سازی اور قانون ساز کی اطاعت کی وجہ سے کافر ہوئے۔ اور جو انھوں نے ان کی پیروی کی۔ اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اس اعتقاد کی وجہ سے کافر ہوئے کہ حقیقت میں کسی چیز کو حرام یا مباح کیا یا انھوں نے تشریع کو حلال جانا (دلی طور پر) یا انھوں نے یہ عقیدہ رکھا کہ انہیں بھی الوہیت یا ربوبیت میں حق حاصل ہے۔

شیخ عبدالمجید شاذلی کتاب (حد الاسلام وحقیقة الایمان ص: ۴۳۱) میں کہتے ہیں: ان کے حلال یا حرام کا مطلب (اعتقاد) بمعنی کسی چیز کی صحت کے بارے میں علم یا خبر رکھنا نہیں بلکہ حکم اور تحاکم میں اصل حرمت اور حلت پر عمل کرنا ہے۔ اور یہودیوں نے جب حد زنا کو بدلا اور انھوں نے اصطلاحات بنائے اور کسی غیر کے حکم پر اکھٹے ہوئے۔ تو انھوں نے زنا کی اباحت یا حلت ہونے کا اعتقاد نہیں رکھا تھا۔ بلکہ وہ تو اس کی اللہ کی طرف سے حرمت کا اعتقاد

رکھتے تھے۔نہ انھوں نے یہ کہا کہ جوحکم انھوں نے رکھا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔نہ یہ کہا کہ وہ اللہ کے حکم سے زیادہ افضل یا انصاف پر مبنی ہے۔نہ انھوں نے تشریع کو حلال سمجھا یا نہ انھوں نے اعتقاد رکھا کہ انہیں بھی حق تشریع حاصل ہے۔یا اس طرح کی دوسری چیزیں۔بلکہ مجرد اللہ کے حکم اور تشریع کے علاوہ حکم اور تشریع پر اجتماع اور اصطلاحات کی وجہ سے کافر ہوئے۔اور وہ رب بنے ہوئے تھے ان کے جوان کی اطاعت کرر ہے تھے،ان کی پیروی کرر ہے تھے اور اس قانون سازی پران کے ساتھ اتفاق کرر ہے تھے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کتاب التوحید میں فرماتے ہیں:

''جس نے علماء یا امراء کی اطاعت اس میں کی کہ جسے اللہ نے حلال کیا اُسے حرام اور جسے اللہ نے حرام کیا اسے حلال کیا پس تحقیق اس نے ان کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا''۔

اللہ کی شریعت کے مناقض مشرعین کی تشریع کی پیروی کرنے والا مشرک ہے اس نے اللہ کے علاوہ رب بنایا۔اور مشرع خود طاغوت اور کافر ہے۔اس نے اللہ کے ساتھ اپنے نفس کو الوہیتِ حکم اور تشریع میں شریک کیا۔

اور اللہ نے فرمایا:

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا.(الكهف:٢٦)

''اور اس کے حکم میں کوئی شراکت دار نہیں۔''

تشریع میں کوئی شریک کرتا ہے کوئی ہوتا ہے اور دونوں ہی مجرد کفر ہیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ اپنے رسالہ (الستعينية ص:١٤/٥)(مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ضمن میں) میں کہتے ہیں:

''واجب کرنا یا حرام کرنا صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے۔پس جس نے

کوئی کام کیا یا چھوڑا۔ اللہ اور رسول کے حکم کے بغیر اور اسے دین بنایا۔ پس اُس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا اور رسول ﷺ کا نظیر بنالیا۔ مشرکین کی طرح جنھوں نے اللہ کے شریک بنائے یا مرتدین کی طرح جو مسیلمہ کذاب پر ایمان لائے۔''

انہی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ. (الشوری:۲۱)

''کیا ان کے لئے ایسے شریک ہیں جنھوں نے ان کیلئے دین میں ایسی تشریع کی جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا۔''

شیخ شنقیطی رحمہ اللہ (اضواء البیان:۱۶۹/۷) پر کہتے ہیں:

''اور جب تشریع اور تمام احکامات (شرعی ہوں یا کونی اور قدری) سب اللہ کی خصائص ربوبیت میں سے ہیں۔ تو ہر وہ جو اللہ کی تشریع کے علاوہ تشریع کی پیروی کرے تحقیق اس نے اس مشرع کو رب بنالیا اور اُسے اللہ کے ساتھ شریک کیا''۔

(ص:۱۷۳) پر کہتے ہیں:

''(کچھ بھی ہو) ہر حال میں اس میں کوئی شک نہیں کہ جس نے بھی اللہ کے علاوہ تشریع جو کہ اللہ کی تشریع کے مخالف ہو اطاعت کی پس اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا''۔

۞ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ان آیات سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ﴿وَلَا يُشۡرِكُ فِىۡ حُكۡمِهٖۤ اَحَدًا﴾ ''اور اس کے حکم میں کوئی شراکت دار نہیں۔'' (الکھف:۲۶) اللہ کی شریعت کے علاوہ مشرعین کے احکام کی پیروی کرنے والا مشرک ہے۔ یہ مفہوم دوسری آیات میں بھی بیان ہوا ہے، مثلاً یہ کہ جس نے شیطان کی تشریع کی مردار کی اباحت میں پیروی کی۔ اس دعویٰ کے

ساتھ کہ یہ اللہ کا ذبح کیا ہوا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ إِلَىٰ أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. (الانعام: ١٢١)

''جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے نہ کھاؤ یہ فسق ہے، اور شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں تا کہ تم سے جھگڑا کریں۔ اور اگر تم نے ان کی پیروی کی بے شک تم ضرور مشرک ہو جاؤ گے۔''

❁ تو (اس) آیت میں صراحت کر دی کہ وہ ان کی اطاعت کے سبب مشرک ہوئے۔ اور اللہ کے اس فرمان میں:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَتَحَاكَمُوْٓا إِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ أُمِرُوْٓا أَنْ يَكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا. (النساء: ٦٠)

''کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اُس پر ایمان لائے جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت سے فیصلہ لیں اور انہیں تو اس سے کفر کا حکم دیا گیا تھا اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت دور کی گمراہی میں ڈال دے۔''

شیخ شنقیطی رحمہ اللہ (اضواء البیان: ٤/ ٨٣) میں کہتے ہیں:

''ان آسمانی نصوص کے ساتھ جو ہم نے ذکر کیے یہ بات نہایت واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ قوانین وضعیہ جن کو شیطان نے اپنے دوستوں کی زبانوں سے ایجاد کرایا اس کی پیروی کرتے ہیں اللہ کی شریعت کی مخالفت میں جو نبی ﷺ کی زبان سے ادا ہوئی

ان کے کفر اور شرک میں کوئی شک نہیں کرسکتا سوائے اس شخص کے جس کی بصارت اللہ نے لے لی ہو اور اُسے نور وحی سے اندھا کر دیا ہو ان شیاطین کی طرح''۔

✿ عبدالمجید شاذلی اپنی کتاب(حد الاسلام و حقیقۃ الایمان ص:۳۸۳) میں لکھتے ہیں:

''اباحت یا دوسری قسم کی تشریع میں کوئی فرق نہیں۔پس اپنی طرف سے قانون وشریعت بنانے والا اس بات کا حکم نہیں دیتا کہ شراب پیو یا پینے کو حلال کہو، بلکہ یہ مجتمع کے ہر فرد کے دین کا معاملہ ہے۔اپنی طرف سے شریعت اور قوانین بنانے والے حکمرانوں کا اس بات ے کوئی تعلق نہیں ہے کہ جس حرام چیز کو وہ آپ کے لئے حلال کرتے ہیں ضرور آپ اس کو بھی حلال سمجھیں یا ضرور آپ اس پر عمل بھی کریں! وہ آپ سے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ آپ اس تحلیل یعنی حرام چیز کے حلال کرنے کا احترام کریں،کوئی اس کو حلال سمجھے یا اس پر عمل کرنا چاہیں تو آپ اس کو منع نہ کریں آپ اپنے رب کو راضی کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ذریعہ ان قانون سازوں کے ہاں بس صرف یہ ہے کہ حرام کو اس حد تک حرام اور حلال کو اس حد تک حلال سمجھو اور اس پر عمل کرو کہ دوسروں کے معاملے اور سیاست وحکومت میں اس کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔[1]

اسی طرح اعتقاد کی کوئی اہمیت نہیں مطلب معاملہ کو جاننا یہود نے جب رجم کے بدلے جلد اور تحمیم کی اصطلاح بنائی تو اس پر وہ اپنے آپ کو گناہگار سمجھتے تھے (اس گناہ) سے نکلنے کے لیے کوئی فقہی راستے بھی ڈھونڈ رہے تھے۔اسی لئے انھوں نے کہا کہ''اس نبی کی طرف چلو کیونکہ وہ

---

[1] اور یہی وہ چیز ہے جس پر شرکی پارلیمنٹ کے ارکان اور وزراء قسم کھاتے ہیں یہ شرکی دستور کی قسم تب وہ کھاتے ہیں جب وہ اپنے منصب پر فائز ہونے والے ہوتے ہیں۔

تخفیف کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور اگر تمہیں کوڑے اور منہ کالا کرنے کے بارے میں فتوی دیدے تو اللہ کے ہاں تمہارے لئے حجت بن جائے گی۔

وَاِنْ لَمْ تُؤْتَوهُ فَاحْذَرُوْا. (المائدة:٤١)

''اور اگر وہ تم کو (فتوٰی) نہ دے تو تم اس سے ہوشیار رہو۔''

❁ عبداللہ بن محمد بن احمد القنائی اپنی کتاب (حقيقة الايمان ص:٩٥) پر کہتے ہیں:

''اس آیت کے سبب نزول ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ﴾ (المائدة:٤٤) میں یہ بات معلوم ہے یہود نے تورات میں حکم کو حذف کئے بغیر بدل ڈالا۔اور بغیر اس اعتقاد کے کہ وہاں کوئی دوسرا نیا حکم اللہ کی طرف سے اترا ہے۔ بلکہ انھوں نے اُسے اصل حکم کو مانتے ہوئے بدلا۔اور یہ صرف اس لئے کہ وہ حکم ان پر سخت تھا اور اس لئے کہ وہ اُسے بجالانے پر اپنے فسق کی وجہ سے قدرت نہیں رکھتے تھے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰةُ.(المائدة:٤٣)

''اور وہ آپ سے فیصلہ کس طرح لیتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ان کے پاس تورات ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔اور جس کے حق ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔اور وہ حق بھی ہے۔اور یہ کہ وہ میری کتاب ہے جو میں نے اپنے نبی پر نازل کی اور اس میں جو احکام ہیں وہ میرے ہیں۔میرے حکم ہی سے تو وہ اسے جانتے ہیں اور اس سے انجان نہیں ہیں اور نہ اسے دفع کرتے ہیں۔اور یہ جانتے ہیں کہ اس (تورات) میں میرا حکم شادی شدہ زانی کے بارے میں رجم کا ہے۔اپنے اس

علم کے باوجود وہ پھر جاتے ہیں۔وہ کہتا ہے ''اس حکم پر چلنے کو چھوڑ دیتے ہیں اس علم کے بعد کہ یہ میرا حکم ہے میری نافرنی کرتے ہیں۔حق تو یہ ہے کہ اس مسئلے میں یہ ایسا قول ہے جو (بالکل) ردّ کا متحمل نہیں کہ اس کا ردّ کیا جائے۔''

ان عبارات کے منطوق اور مفہوم میں یہ اشارہ قطعاً نہیں جو وہ گمان کرتے ہیں کہ (وہ اللہ کی طرف سے حق ہے) جس کی بنا پر بعض عیسائی اور یہودی احکامات کو تبدیل کرتے ہیں۔وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے پادریوں پر اب تک وحی نازل ہوتی ہے۔تا کہ وہ اللہ کے ارادہ کو شامل کر کے اُسے بدل ڈالیں یہ (کفر جو اوپر یہود ونصارٰی کا اپنے پادریوں کے متعلق بیان ہوا) اور چیز ہے اور جو کچھ ان لوگوں کے کفر کے بارے میں وارد ہوا ہے جنھوں نے شریعتوں کے ماننے کے باوجود ان (شریعتوں) کو بدل ڈالا (یہ کفر) اور چیز ہے۔

❁ اس سے قریب وہ قسم ہے جسے شیخ الاسلام نے (الصارم المسلول ص:۵۲۱) میں انواع استحلال کے ذکر میں کہا: ''کبھی وہ جانتا ہے اللہ نے اُسے حرام کیا ہے اور جانتا ہے کہ رسول نے بھی اسے حرام کہا جسے اللہ نے حرام کیا۔پھر وہ اس تحریم پر چلنے سے رکا رہتا ہے۔اور اس محرم سے سرکشی کرتا ہے۔تو یہ پہلے گذرے سے زیادہ سخت کافر ہے۔ [1]

[1] ''سرکش اور تفصیل'' یہ الفاظ ایسے ہیں جن سے مرجئہ عصر کھیلتے ہیں تا کہ طواغیت مشرعین کا اسلام رائج کر سکیں۔جب وہ صراحت کرتے ہیں اس وقت جب وہ دین سے لڑتے ہیں اور اسے منہدم کرتے ہیں ہر اس وسیلے اور راستے سے جس پر وہ دیئے گئے ہیں' پس وہ کہتے ہیں ''اس میں شک نہیں کہ اللہ کا حکم افضل ہے۔اور ہماری خواہش ہے کہ ہمیں اُسے نافذ کرنے پر قدرت ملے۔اور تم لوگ ہمارے لئے دعا کرو۔اور ہماری مدد کرو۔اسی طرح کی دوسری باتیں ان کی ان تلبیسات میں سے جو ان کو شیاطین انس وجن (یعنی) وہ مشیر بتاتے ہیں جو دعوت ودعاۃ کے یے مقرر مرجئۃ العصر کی سفاھت اور بے وقوفیوں پر (اچھی طرح) مطلع ہیں اس لیے کہ اگر ان مشیروں میں سے اکثر کی تاریخ پر آپ نظر دوڑائیں تو آپ ان کی جڑیں ارجاء کی جماعات سے جڑی ہوئی پائیں گے۔اور ان کو ان کے مناصب پر انہی مذہب ارجاء اور ان کے جماعت کی استحسانات اور استصلاحات نے پہنچایا ہے۔میں آپ سے اس صورتِ حال کے بارے میں پوچھتا ہوں جن میں ہم رہتے ہیں۔اللہ کی قسم دیتا ہوں جو تم سب کا رب ہے! کیا اس سے بڑا معاند ⇦

❁ اسی طرح شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے کتاب (کشف الشبہات :۲۸) پر کہا :''اس میں اختلاف نہیں کہ توحید لازماً دل ،زبان اور عمل کے ذریعے سے ہوگا۔ اور اگر ان میں سے کوئی چیز کم ہوئی تو آدمی مسلمان نہیں اور اگر توحید کو جان کر اس پر عمل نہ کرے وہ سرکش کافر ہے فرعون اور ابلیس اور ان کے جیسے دوسروں کی طرح کا کافر۔ اور اس میں بہت سے لوگ غلطی کر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حق ہے اور ہم اُسے سمجھتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ یہ حق ہے ۔لیکن ہم یہ قدرت نہیں رکھتے کہ اسے کریں اور یہ ہمارے ملک کے لوگوں کے نزدیک جائز نہیں (ان کے نزدیک یہ قبول نہیں کیا جاتا اور یہ ان کے نزدیک نہیں چلتا) مگر جو ان کے موافق ہوا اور اسی طرح کے دوسرے اعذار بھی اور مسکین آدمی یہ نہیں جانتے کہ ائمہ کفر میں سے اکثر ائمہ کفر حق کو پہچانتے ہیں۔ اور اُسے انھوں نے اعذار کی وجہ سے چھوڑا ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

⇐ اور اللہ کے دین اور شریعت سے لڑنے والا اور اس پر طاغوت کے حکم کو افضلیت دینے والا کوئی اور ہوگا اس سے جو یہ جانتا ہو اور پہچانتا ہو۔ اور یہ صراحت بھی کرتا ہو کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ کا حکم اور شریعت طاغوت کے حکم سے افضل ہے۔ پھر اس صراحت کے باوجود وہ حکمِ طاغوت کو ہی اختیار کرتا ہے۔ اور وہ صرف اختیار ہی نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو اس پر چلنے اور اس میں داخل ہونے کا کہتا ہے اور اُسے سزا دیتا ہے جو اُسے قبول نہ کرے۔ اور ساتھ اللہ کی حدود کی پامالی بھی کرتا ہے صبح وشام اور اُسے (حدود) کو پامال کرنے کی دعوت دیتا ہے بلکہ لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ مختلف وسائل اور رستوں سے حدود پامال کرو۔ اگر یہ سرکشی نہیں تو پھر دنیا میں کوئی بھی کام سرکشی نہیں۔ اسی لئے آپ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا اس کے بعد قول دیکھیں گے کہ انھوں نے اُسے عناد کرنے والا کہا جس نے توحید کو پہچاننے کے بعد چھوڑ دیا۔ اور اُسے فرعون اور ابلیس کی طرح قرار دیا۔ پھر اس کا کیا جو اس کے خلاف لڑا اور اُسے منہدم کرنے کی کوشش کی مع اس کے کہ وہ اُسے جانتے تو بیخ بھی کرتا رہا پس اصل توحید کو چھوڑنے والا یا تو کافر منہ موڑنے والا یا سرکش جاننے والا ہوتا ہے۔ سرکش آدمی ہر حال میں محارب نہیں ہوتا بلکہ اس کی دو اقسام ہیں: یا تو معاند (محارب) ہوتا ہے یا پھر (منہ موڑنے والا توحید کی ضد (یعنی شرک) کو لازم پکڑنے والا ہے اور اس میں شک نہیں یہ قوم (طواغیت) معاندین محاربین سے ہیں کعبہ کے رب کی قسم ! یہ بات صرف اندھے سے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ اسی طرح کسی چیز کو افضل قرار دینا زبان سے بھی ہوسکتا ہے (مثلاً: کوئی وضعی قانون کو زبان سے افضل قرار دے) اور اگر فعل سے یعنی عمل سے اسے (افضل قرار دے) تو یہ تو اور زیادہ مبالغہ ہوگا اور کیا کسی چیز کو افضل قرار دینا اس کو پکڑے رہنے اور اس کی پیروی کرنے کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟۔

اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا. (التوبة:۹)

''اللہ کی آیات کے ذریعے سے انہوں نے بہت تھوڑی قیمت خریدی۔''

اور دوسری آیات: اور اسی جیسا یا اس سے زیادہ سخت وہ ہے جو اس زمانے کے بعض طغاۃ نے گمان کر رکھا ہے کہ وہ لوگ اللہ کی شریعت اور دین کا اقرار کرتے ہیں اور یہ کہ وہ سب سے افضل اور اکمل اور احسن ہے۔ اور اس کی تحکیم واجب وغیرہ ہے۔ پھر وہ اپنے لئے تشریع کا حق لیتے ہیں ۔جیسا کہ ان کے دستوروں میں گزرا اور اللہ کے حدود اور احکام کو اپنے بدبودار قوانین اور تشریعات سے بدلتے ہیں۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ اور رسول اور جو اس پر نازل ہوا اور اس سے پہلے نازل ہوا ایمان رکھتے ہیں۔ پھر اپنے آپ کو رب اور قانون ساز بناتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو ایسے طواغیت بناتے ہیں کہ لوگوں سے اپنی عبادت کرائیں اور ان سے اللہ کی شریعت اور اطاعت کے مناقض اپنی طرف سے بنائی ہوئی شریعتوں کی پابندی کرائیں۔ اور اللہ کی شریعت کی تحکیم سے منع کرتے ہیں۔ ان کا یہ فعل بذاتِ خود فعل کفری ہے۔ اسلام سے خارج کرنے والا ہے۔ اس میں ہم اعتقاد اور استحلال کو نہیں ڈھونڈیں گے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کتاب (الفصل: ۳/ ۲۴۵) میں اس فرمان کے بارے میں کہتے ہیں:

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ. (التوبة:۳۷)

''مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے اس سے وہ لوگ گمراہی میں ڈالے جاتے ہیں جو کافر ہیں۔ ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرمت والا کر لیتے ہیں کہ اللہ نے جو حرمت رکھی اس کے شمار میں تو موافقت کر لیں۔ پھر اسے

حلال بنالیں جسے اللہ نے حرام کیا۔انہیں ان کے کام بھلے دکھا دیئے گئے ہیں اور قومِ کفار کی اللہ رہنمائی نہیں فرماتا۔''

اس فرمان کے مطابق جس میں قرآن نازل ہوا کسی چیز میں زیادۃ صرف اس چیز میں سے ہوتی ہے کسی اور چیز سے نہیں۔تو ثابت ہوا کہ مہینوں کا آگے پیچھے کرنا کفر ہے۔اور وہ اعمال میں سے ایک عمل ہے اور وہ اُسے حلال کرنا ہے جسے اللہ نے حرام کیا۔پس جس نے اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال کیا اور وہ جانتا ہے کہ اللہ نے اُسے حلال کیا ہے وہ اس فعل کی وجہ سے کافر ہوا۔ ❶

پس آپ اس قول پر غور کیجئے 'وہ اعمال میں سے ایک عمل ہے' اور یہ قول ''اللہ کے حرام کردہ کو حلال کیا اور وہ جانتا ہے کہ اللہ نے اسے حرام کیا ہے''۔شبہ اعتقاد کی اس میں کہاں گنجائش ہے اس سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوا کہ استحلال جس طرح اعتقاد سے بغیر عمل کے ہوتا ہے اسی طرح کبھی اعتقاد اور عمل کے ذریعے سے ہوتا ہے بالکل اسی طرح صرف عمل سے بھی استحلال ہوتا ہے۔ ❷

❶: سورۃ توبہ کی آیت ۳۷ میں ''مہینوں کے آگے پیچھے'' کرنے کے کفر میں زیادتی کہا ہے اور قرآن جس زبان میں نازل ہوا ہے اس زبان کا فیصلہ ہے کہ کسی چیز میں زیادتی باہر سے نہیں اسی چیز میں سے ہوتی ہے قرآن کی اس آیت اور عربی زبان کے اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ ''نسیئ'' یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کرنا کفر ہے کیونکہ اس کو اللہ نے کفر میں زیادتی کہا ہے اور کفر میں یہ زیادتی باہر سے نہیں آئی بلکہ کفر کی یہ زیادتی بھی اسی کفر میں سے ایک کفر ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہاں اس آیت میں عملی کفر یعنی مہینوں کے آگے پیچھے کرنے کو اس چیز کا تحلیل کہا ہے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا تھا تو معلوم ہوا کہ اللہ کے حرام کردہ چیز کو حلال کرنا صرف یہ نہیں ہے کہ کوئی زبان سے کہہ دے کہ یہ حلال ہے بلکہ بعض ایسے اعمال بھی ہیں جن کے مجرد کرنے سے ہی ان حرام کئے ہوئے چیزوں کا حلال ہونا لازم آتا ہے۔واللہ اعلم !۔(مقبول ہنگو حفظہ اللہ کا حاشیہ)۔

❷ اس باب میں اہل علم نے یہ تفریق کی ہے کہ اپنے کسی محرم عورت کے ساتھ نعوذ باللہ زنا کرنا اور وہ آدمی جو اپنے محارم میں سے کسی سے نکاح کرلے۔حوالہ کیلئے دیکھئے۔(تھذیب الآثار للطبری: ٣/ ٤٤١) اور (زادالمعاد) اس بارے میں انھوں نے امام احمد اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی وغیرہم کی البراء بن العازب رضی اللہ عنہ کی روایت کو نقل کیا ہے۔کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے براء رضی اللہ عنہ کے ماموں یا چچا کو ایسے آدمی کی طرف بھیجا جس نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرلیا تھا پس اس کو ماردیا۔پس یہ دلالت ہے کہ اُسے کافر کے زمرے میں قتل کیا اور تمام روایات اس بات کو ذکر کرتی ہیں کہ اُسے اسلام سے باہر نکال کر اس کی گردن اڑا دی گئی اور ⇐

تو معلوم ہوا کہ استحلال یا تحلیل کا اعتقاد رکھنا کفر کی قیود میں سے نہیں بلکہ وہ اس میں زیادت ہے۔اس میں شک نہیں کہ شراب پینا یا زنا میں پڑنا یا سود کھانا یہ اپنی طرف سے شریعت بنانے کے برابر نہیں ہو سکتے صرف (ان شراب کے پینے ،سود کے کھانے اور زنا) کرنے کی وجہ سے ۔(مثلاً) ایسے قوانین،احکام اور طریقے جو اللہ کے حدود کو بدلنے والے ہوں نشہ آور چیزوں اور زنا آسان بنانے والے اور اس کی (تحریم کی) توہین کرنے والے ہوں یا مرتد ہونے اور سود کھانے کی رخصت دینے والے اور مباح کرنے والے (قوانین ہوں) اور ساتھ ساتھ ان سب کی حفاظت ،حمایت ان پر جمع ہونا اور اتفاق کرنا اور (ساتھ میں) یہ اصطلاح بھی کہ یہ حکومتی نظام ہے کے ساتھ ملائے تو پہلی چیز میں تو کافر کہتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ اس نے حلال سمجھا یا حرام کیونکہ وہ تمام گناہ غیر مکفر ہیں۔دوسری چیز بذاتِ خود کفر تشریع اور تحلیل وتحریم ہے اور اس میں اعتقاد کو نہیں دیکھا جائے گا چاہے وہ کام کرنے والا ہزار بار قسم کھائے کہ وہ اسے حلال نہیں سمجھتا ۔ہم اس سے کہیں گے:

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُم. (التوبة :٦٦)

''اب معذرت نہ کرو تحقیق تم کافر ہوئے۔''

اور تمہیں اللہ نے جھوٹا کہا اور تمہارے اس ایمان کو زعم کہا ہے جس کا تم دعوٰی کرتے ہو بہت ہی بڑا فرق ہے اس شخص کے درمیان جو گناہ کرتے ہوئے سود صرف عارضی لذت حاصل کرنے کے لئے لیتا ہے یا کرتا ہے اور اس شخص کے درمیان جو سود کی اجازت دیتا ہے لوگوں کو،سودی قانون بناتا ہے،اس کی اداروں کی حفاظت کرتا ہے اس پر اتفاقات ہوتے ہیں اور اس کے لیے

⇐ اُس سے کچھ نہ پوچھا۔آیا اس نے ماں کے حلال ہونے کے اعتقاد کے ساتھ نکاح کیا یا بغیر اعتقاد کے تو ثابت ہوا کہ استحلال کبھی عمل بھی ہوتا ہے۔

اصطلاحات بنائے جاتے ہیں۔اسی طرح وہ آدمی جو شراب گناہگار بن کر پیتا ہے اور وہ جو لوگوں کو اس کے پینے میں رخصت دیتا ہے اور شراب کے اڈوں کو اُسے بیچنے کو رخصت دیتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔اور نشہ آور چیزوں کے بارے میں اللہ کی حد کو اپنی گرے ہوئے تشریعات یعنی قوانین کے ساتھ بدل دیتے ہیں ان دونوں میں بہت فرق ہے۔اسی طرح ان دونوں میں بھی فرق ہے کہ ایک زنا گناہگار بن کر اپنی ہوس کیلئے کرتا ہے اور دوسرا حد زنا کو بدلتا اور اس میں رخصت دیتا ہے ایسے قوانین کے ساتھ جو زنا کو صرف ایک جرم بنا دیتا ہے اور خاوند کے حق میں اور اس کے ہاتھ میں۔اور زنا کو خاونداور بیوی کے حق میں صرف ایک جرم بنا دیتا ہے۔پس اگر خاوند راضی ہو جائے تو نہ وہ جرم ہے اور نہ اس کی سزا بلکہ وہ ان کے نزدیک مباح ہے۔

(اس بارے میں مزید مثالیں جاننے کیلئے ہماری کتاب (کشف النقاب عن شريعة الغاب کا مطالعہ کیجئے) پس قانون سازی اپنی طرف سے شریعت بنانا اور حلال کو حرام کرنا جیسا کہ آپ سمجھ چکے کہ یہ مجرد کفری عمل ہے۔اور دوسرے گناہوں کی طرح نہیں کہ جس میں حلال کرنے کے عقیدے کی شرط ہو۔اور کبھی اس میں اعتقاد کا اضافہ ہوتا ہے تو وہ کفرِ مرکب ہوتا ہے۔اور کفر میں زیادت ہوتا ہے اور کفر کی شرط یا قید یہاں نہیں ہوتی۔(خاص کر) اللہ کے حکم کو تبدیل کرنا ان (یہود پر) کفر کے حکم لگنے کا اصل سبب ہے۔وہ اپنے دلوں کی گہرائی سے یہ بات جانتے اور اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ حرمت والے مہینے اللہ کی طرف سے وہی پہلے والے ہیں نہ کہ وہ جو انھوں نے ایجاد اور مشروع اور تبدیل کیئے۔اسی طرح یہود کا اس دن سے جب انھوں نے (حد زنا) کو تبدیل کیا اور اس پر اکھٹے ہوئے اور اصطلاحات بنائیں یا اپنی طرف سے دوسرے حکم پر اتفاق کیا[1]۔اور انھوں نے زنا کو حلال نہیں کیا اور نہ ہی اس کی دلی حلت کی صراحت کی تشریع اور تبدیل

[1] اور یہی وہ الفاظ ہیں جن کے ساتھ یہود کے کفر کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں کفر کے سبب کو معلق کیا ہے ⇦

کے ذریعے کفر یا اس کے متعلق یہاں ان کا وہ عمل تبدیل یا تشریع یا اتفاق یا اجماع یا اصطلاحات یا

⇦ (وہ الفاظ یہ ہیں ''حد زنا کو تبدیل کیا''، اس پر اتفاق کیا۔ان احادیث میں اعتقاد یا انکار کا کوئی ذکر نہیں۔تو چاہیے کہ آپ اس کا مراجعہ کریں اور انہیں یاد کریں تا کہ اس کے ذریعے آپ مرجئہ عصر کا منہ بند کر سکیں۔مطلب یہ ہے کہ حدیث عدی رضی اللہ عنہ کے تمام طرق میں یہ مذکورہ الفاظ ہیں کہ: اہل کتاب نے اپنے پادریوں کی اتباع کی، ان کی اطاعت کی، ان کی بات کو لیا، ان کے پادریوں نے جس کو حرام کہا انھوں نے بھی حرام کہا اور جس کو انھوں نے حلال کہا انھوں نے بھی حلال کہا مگر عقیدے کی بات ان تمام طرق میں موجود نہیں ہے۔اسی طرح شیخ عبدالمجید الشاذلی نے اپنی کتاب (حدالاسلام و حقیقة الایمان: ص٤٢٨) میں ان الفاظ کے بارے میں اشارہ کیا ہے جو علماء اور پادریوں کو رب بناتے اور انہیں تحلیل و تحریم میں اللہ کا شریک بنایا۔عدی رضی اللہ عنہ کی احادیث کے طرق میں ذکر کیا 'پس ان کی اتباع کی'، 'پس ان کی اطاعت کی'، 'تم ان کا قول لیتے ہو' 'پس اسے حرام کیا اور اُسے حلال کیا' اور اسی طرح دوسرے الفاظ اور ان اقوال میں کہیں بھی 'پس انھوں نے اعتقاد رکھا کہ وہ حلال ہے' وارد نہیں ہوا۔بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کا اس تحریم اور تحلیل کے ساتھ التزام تھا۔اور اس کی اصطلاحات اور اُسے قانون اور حکم بناتے تھے۔اللہ کی شریعت کے سوا دوسری شریعت (قانون) پر اتفاق اس کا التزام کرنا اگر چہ ایک حد یا ایک حکم میں ہو اور یہ اللہ کی معصیت (اور نافرمانی) میں اپنی طرف سے شریعت بنانے والے کی مجرد اطاعت نہیں ہے اگر چہ وہ بار بار ہو (بلکہ یہ اس کی عبادت ہے) اور جس میں طاعت استحلال یا اعتقاد کی قید کا ذکر ہو پس وہ دونوں الگ عمل ہیں جن کو مرجئہ ملا دیتے ہیں۔شاید وہ لوگ اس کی دلیل شیخ الاسلام کے بعض قول سے لیتے ہیں جس میں وہ اس شرط کو صرف گناہوں میں تشریع کرنے والوں کی پیروی کرنے والے کے کفر کیلئے رکھتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حق ہے۔مگر یہ کسی حکم، حد، یا اللہ کے قانون کے علاوہ دوسرے قانون پر وہ اتفاق نہیں ہے جس کے ارتکاب سے یہود بھی کافر ہوئے تھے بغیر اعتقاد کے ذکر کے۔جیسے یہود نے کیا اور کافر ہوئے بغیر اعتقاد کے ذکر کے۔اور آج طواغیت اور ان کے بندے اسی چیز کو لیتے ہیں۔پس جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ جو مشرعین نے حرام کیا وہ حرام ہے تو وہ مشرک اور کافر ہے چاہے وہ اس کو عملاً کرے یا نہ کرے۔اس کا ہمارے موضوع میں دخل نہیں۔یہاں یہ تنبیہ لازم ہے کہ ان کی وہ تفصیل جو (۷/۰۷) میں تھی وہ پیروکاروں کیلئے تھی نہ کہ جن کی پیروی کی گئی اور ہم نے اس قول کو تفصیل سے اپنے رسالہ (الثلاثينية فى التحذير من أخطاء التكفير) میں ذکر کیا ہے۔اس لئے کہ مشرع کی اطاعت کرنے والا لازمی نہیں کہ اس کی تشریع کی پیروی بھی کرے اس پر اس کے ساتھ متفق بھی ہو اور ہر حال میں اسے لازم بھی پکڑے۔بلکہ بعض گناہگار اللہ کی معصیت میں اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ان کا یہ فعل استحلال کے بغیر کفر نہیں۔پس لازمی ہے کہ پیروکاروں کے بارے میں ان حالات اور احتمالات کی موجودگی میں تفصیل ذکر ہو۔جبکہ وہ مشرعین جو اپنے آپ کو اللہ کا شریک بناتے ہیں تو انھوں نے اپنے آپ کو بلکہ اپنے علاوہ اپنے نائبوں کو بھی ایسی خاصیت دی ہے جو کہ اُلوہیت کی خصائص میں سے ہے (یعنی قانون سازی) تو ایسے لوگوں کے بارے میں یہ تفصیل ذکر کرنا کہ آیا انھوں نے حلال سمجھا یا اعتقاد رکھا بے وقوفی کی بات ہے۔اور جان رکھو کہ ان طواغیت نے دو بلاؤں اور دو آفتوں کو جمع کیا ہے۔نمبر۱: یہ کہ وہ خود قانون ساز ہیں (خود قوانین وضع کرتے ہیں)۔نمبر۲: یہ کہ وہ پیروکار ہیں بین الاقوامی قانون سازوں کے (اقوام متحدہ وغیرہ کے)۔(یہ طواغیت) ان ⇦

اس کا اتفاق ہے جو اللہ کے حکم کے خلاف انھوں نے کیا۔ پس چاہیں وہ کہیں کہ ہم اُسے دل سے اقرار کرتے ہیں یا انکار کرتے ہیں کہ جو مہینے اللہ نے حرام کئے وہ حق ہیں یا جو حد زنا اللہ نے نازل کی وہ حق ہے یا نہ کہیں پس یہاں اعتقاد کی کوئی قیمت نہیں مگر صرف کفر میں زیادتی کی رو سے ۔کیونکہ انکارِ فعل بذاتِ خود کفر ہے اور اللہ کے حکم میں شرک ہے۔ اور جس نے خود کو تشریع میں اللہ کا شریک کیا پس تحقیق اس نے اللہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت کے اندر اللہ سے نزاع کیا اور اللہ کے ساتھ اس کی شریعت میں طاغوت بنا اور اس کے پیروکار اور مددگار اور حمایتی اس کی اس بات پر عبادت کرتے ہیں۔

○ شبہ یا الزام: کہ عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے دوران چور کی سزا معطل کر کے اللہ کے نازل کردہ شریعت سے انحراف کیا۔

یہ شبہ ایسے لوگوں کا ہے جن کے کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور انہیں زیادہ گمراہ بنا دیا ہے وہ دین کی بنیاد سے منحرف ہو چکے ہیں اس شبہ کا لب لباب یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق فیصلہ نہ دیا۔ جب عام الرمادہ [1] میں انھوں نے حد سرقہ پر عمل کو معطل کر دیا تھا۔ [2]

تو میں کہتا ہوں جیسا کہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ: ان گمراہی اور جہل مرکب پر مبنی باتوں میں اللہ کے دین کو جاننے والے مومن کے لیے تنبیہ ہے کہ اس پر اللہ کی (بڑی) نعمت ہے (کہ اس کو

⇦ (بین الاقوامی قانون سازوں) کے قوانین پر متفق ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ ان پر جمع ہو جاتے ہیں۔ پس انھوں نے کفر کے اوپر کفر اور اندھیروں کے اوپر اندھیروں کو جمع کیا۔

[1] (ہلاک ہونے کا سال) اور اس سے مراد سن ۱۸ ہجری کی قحط سالی ہے۔

[2] یعنی چور کے ہاتھ کاٹنے کے عمل کو قحط سالی کے دوران چھوڑ دینا۔

ایسی گمراہ کن باتوں میں مبتلا نہیں کیا) اوران باتوں سے واقف مومن کے لیے) ترغیب ہے کہ وہ نعمتِ توحید واسلام اور اللہ کے دین کے فہم پر (اللہ کا) شکرادا کرے۔

اللہ نے فرمایا:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا. (البقرة:٢٦٩)

''جوحکمت دیا گیا تحقیق وہ بہت زیادہ خیر دیا گیا۔''

بعض سلف نے کہا کہ: جو قرآن دیا گیا اور یہ سمجھا کہ کوئی اس سے بڑھ کر ہے پس اس نے اللہ کی اس نعمت کو نہیں جانا۔

پھر میں مختصراً کہتا ہوں: گذشتہ صفحات پر ہم نے بیان کیا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ کے خلاف حکم دو معنی پر اطلاق کرتا ہے: ایک تشریعی استبدالی کفری ہے۔ دوسری قضا اور فیصلوں میں ناانصافی اور خواہشات پر فیصلہ بغیر استحلال کے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ان دونوں قسم (کفر) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اس میں بحث کرنا اور اس کی تفصیل میں جانا حقیقت میں اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے، بلکہ ایسی باتوں سے قاری کو مخاطب کرنا جو ظاہر کو ظاہر کرنے اور واضح کو واضح کرنے کے قبیل سے ہے اصل میں قاری یعنی پڑھنے والے کی بے عزتی اور اس کے عقل کو چھوٹا سمجھنے کے مترادف ہے اور ایسا صرف بے وقوفوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور یہ بیان کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عام رمادہ میں یہ فعل محض اجتہاد تھا جو کہ صحیح اور عند اللہ ماجور تھا دگنے اجر سے ان شاء اللہ اور قطعی اور حتمی طور پر اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ تھا۔ اور کسی حال میں اس سے خارج نہیں تھا۔ وہ مقاصدِ شریعت کا اجراء ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔ اور کتاب نازل کی اور حدودِ شریعت انہیں (مصالح تک) پہنچنے کے لیے یا ان کو پانے کے لیے بنائی گئیں۔ اور وہ (مقاصد) لوگوں کی بنیادی اور شرعی مصلحتوں کی حفاظت ہے اور مفاسد کو ان سے ہٹانا ہے۔ یہ

مصالح شریعت نصوصِ شریعہ سے منضبط اور معلوم ہیں۔ یہ خواہشات اور استحسانات کے تابع نہیں ہیں۔ جیسا کہ بہت سے رویبضہ [1] بے وقوفوں کو وہم ہے ان میں سے کچھ ضروری لازمی ہیں اور کچھ حاجتی ہیں۔ اور کچھ تحسینی تکمیلی ہیں۔ ضروریات چھ ہیں:

دین، نفس، عقل، نسب، عزت، مال کیلئے، اور یہ اہم مصالح ہیں اور سب سے اعلیٰ مصلحت دین (توحید) ہے۔ اور جب یہ ضروریات یا کوئی ایک کسی حاجتی مصلحت یا تکمیلی مصلحت سے ٹکراؤ کھائے تو بلا خلاف یہ ضروریات مقدم رہیں گی۔ اور اگر دو ضروریات آپس میں ٹکرا جائیں تو جو زیادہ اہم اور بڑی ہو وہ مقدم ہوگی۔ یہ دو متعارض مصلحتوں میں سے ادنیٰ کو ساقط کر کے بڑی مصلحت کو حاصل کرنے کے باب میں سے ہے۔ یا دو مفسدوں میں سے ادنیٰ کے احتمال (کو برداشت کرتے ہوئے) بڑے مفسدے کو ہٹانے اور دور کرنے کے (باب میں سے ہے)۔ اور یہ فقہ کے ابواب میں سے بہت اہم باب ہے۔ اور یہ شریعت کے سب سے بڑے مقاصد اور قواعد میں سے ہے۔ اور جسے ان کی سمجھ کی توفیق مل چکی ہے ان کو شریعت کی بہت سے اسرار اور حکمتوں کی معرفت کی ھدایت مل گئی۔ اور اس باب کو سمجھنا اور اس کے مطابق عمل ہی دراصل شریعت کے اصولوں اور اللہ کے نازل کردہ پر حکم کرنا ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کا عام الرمادہ میں اجتہاد بھی اسی میں سے ہے۔ انھوں نے نفوسِ مصلحتوں اور ان کی حفاظت کو مال کی مصلحت اور حفاظت پر تعارض آنے کے بعد مقدم رکھا۔ اور لوگ بڑی بھوک کی حالت میں تھے جبکہ ضروریات حرام کو مباح کر دیتی ہیں۔ پس چوری کا مال کھانا ان حالات میں مردار کھانے کے جیسا تھا (اس لئے) مباح ہوا بلکہ ایسا کرنا بعض اہل علم کے نزدیک اگر موت کا یقین ہو تو واجب ہے۔ اور اس کو اس وقت چھوڑنے والا اللہ کا نافرمان اور خودکشی کرنے والا ہوگا۔

---

[1] رویبضہ ذلیل، کمینے اور پیٹو آدمی ہونے کے باوجود بین الاقوامی امور میں باتیں کرنے والے کو کہتے ہیں۔

جیسا کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا۔اور اس آیت سے دلیل لی:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ. (النساء:۲۹)

''اور اپنے نفسوں کو مت مارو۔''

کہا وہ عام ہے ہر اس چیز پر جو اس کے معنی پر ہوگی۔(المحلیٰ حد سرقہ کے باب میں)

پس عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی استطاعت کے مطابق دو مفاسد میں سے بڑی کو دور کیا اور بڑی مصلحت (جان) کی حفاظت کم مصلحت (مال) کو چھوڑ کر ان مخصوص حالات میں ان کے ٹکراؤ کی وجہ سے اور یہ آپ رضی اللہ عنہ کی اللہ کے دین میں سمجھ اور فقاہت تھی۔اور وہ شریعت کے مقاصد کی تحکیم اور اس کے مصالح کی حفاظت اور وہ ضروریات تھیں جن کی حدود صرف ان کی حفاظت اور اس کے حصول اور اس سے مفاسد کو دور کرنے کیلئے نافذ کی گئیں۔اسی لئے ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بارے میں فرمایا ہے کہ یہی شریعت کے قواعد کا تقاضا ہے [1]۔یہ اللہ کے نازل کردہ پر فیصلہ تھا۔اور ویسا نہیں

---

[1] (اعلام الموقعین :۳/۱۱) [تغییر الفتوی بتغییر الزمان والمکان] کے ضمن میں۔فصل[سقوط حد السرقة ایام المجاعة] اور اس میں عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کیا (کہ حاطب کے غلاموں نے مزینہ قبیلے کے آدمی کی اونٹنی چوری کی اور پھر اقرار کرلیا۔تو فرمایا: اے کثیر بن صلت جاؤ اور ان کے ہاتھ کاٹ دو۔تو جب ان کو لے گئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے واپس کر دیا پھر کہا: اللہ کی قسم اگر میں یہ نہ جانتا ہوتا کہ تم ان سے (غریبوں) سے کام بھی لو گے انہیں کام میں استعمال بھی کرو گے اور انہیں بھوکا بھی رکھو گے یہاں تک اگر ان میں سے کوئی حرام چیز کھالیتا تو وہ بھی اس کے لئے حلال ہو جاتی تو میں ضرور ان کے ہاتھ کاٹ دیتا ☉۔اللہ کی قسم اگر میں نے نہ کیا۔میں بس ضرور تجھے ایسا جرمانہ کروں گا جو تجھے درد پہنچائے گا۔پھر کہا: اے مزنی: تیری اونٹنی یہ کتنے میں مانگ رہے تھے؟ کہا چار سو کی عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جاؤ اور اُسے آٹھ سو دے دو۔پھر (ابن قیم رحمہ اللہ نے) امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب کا ذکر کیا جو قحط سالی کے وقت سقوط حد کے بارے اور جس سے حد کو ساقط کیا جائے اس پر جرمانہ دو چند کرنے اور ڈبل کرنے کے بارے میں ہے اور شرعی سبب کی وجہ سے قصاص کے بارے میں ہے۔

☉ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ یہ بات کرتے ہوئے کس کو مخاطب کر رہے ہیں اب جو سمجھ میں آیا تو وہ یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ امیر لوگوں کو مخاطب کر رہے ہیں کہ تم ان غریبوں سے کام لیے رہے ہو مگر اس کام کے عوض ان کا اتنا کچھ نہیں دے رہے ہو جس سے ان کا گزارا چل سکے آخر کار ان کی یہ حالت ہوگئی کہ ان کے لیے حرام حلال ہو گیا یعنی وہ اضطراری حالت تک پہنچ گئے۔اس لیے اب میں ان کے ہاتھ نہیں کاٹوں گا۔مقبول ہنگو حفظہ اللہ

جیسا اللہ کے دشمن تلبیس کرتے ہیں الجھاتے ہیں۔اور یہ واضح اور بیّن ہے اس میں اور اللہ کے نازل کردہ کے خلاف حکم کرنے میں بہت فرق ہے۔

واللّٰــــہ ما استویا ولن یتلاقیا حتـی تشیب مفـارق الغربان

ترجمہ: اللہ کی قسم وہ دونوں نہ برابر ہوسکتے ہیں نہ آپس میں مل سکتے ہیں یہاں تک کہ کالے کووں کے پر سفید ہوجائیں۔[1]

اس کے بہت کم شرکی اقسام میں۔فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کے علاوہ اس طرح کے کسی اور چیز کی طرف منسوب صرف کافر اور زندیق ہی کرسکتا ہے۔یا پھر رافضی خبیث جسے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انصاف اور دین سخت ناپسند ہے۔

○ شبہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے آپ پر بعض چیزیں حرام کیں۔

اس سے پہلے کہ ہم اس موضوع اور ان کے شبہات میں سے دوسرے شبہے کی طرف چلیں ہم متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ لفظ تحریم شرعی معنی کے علاوہ جو کہ تحلیل کے مقابل ہے۔کے بھی دو معانی ہیں ایک:

① عرفی

② لغوی

اور مرجئہ عصر ان دونوں سے کھیلتے ہیں۔اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان دو قسموں کو تمہارے اُوپر اس تشریع اور تبدیل کے ساتھ خلط کریں جس تشریع اور بتدیل کو چلاتے ہیں اور جسے ان

[1] مطلب یہ کہ جس طرح پر سفید نہیں ہوسکتے اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ اور ان طواغیت کے فیصلے برابر نہیں ہوسکتے۔

طواغیت نے اپنا دین بنایا ہے۔ [1]

عرفی: تحریم کا وہ لفظ ہے۔ جسے لوگ استعمال کرتے ہیں اور اسے قَسم کے معنی میں لیتے ہیں تو جو اپنی بیوی سے ظہار کرے اور کہے کہ: ''تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہو'' مثلاً، تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ: وہ مشرع یعنی اپنی طرف سے قانون بنانے والا ہے یا اس نے اللہ کے حکم کو بدلا ہے۔ بلکہ یہ فقہاء کے نزدیک قسم ہے جو آدمی کھاتا ہے اور اس کے ذریعے اپنی بیوی سے الگ ہوتا ہے اور نہ چھونے کی قسم کھاتا ہے غصہ یا سزا کی غرض سے اسے اللہ نے سخت ناپسند کیا اور اس کا سخت کفارہ رکھا غلام آزاد کرانا جو یہ نہ کر پائے وہ دو مہینے کے لگاتار روزے چھونے سے پہلے رکھے۔ جو یہ طاقت نہ رکھے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ثابت ہوا کہ یہاں تحریم سے مراد (قسم) ہے۔ جبکہ تشریع کا کوئی اے عقل والو! کفارہ قَسم نہیں۔ (اس کا صرف ایک کفارہ ہے اور وہ ہے کفارہ ردّہ' مطلب توبہ اور اسلام کی طرف واپسی ورنہ تلوار......)

پھر یہاں ایک اور فرق ہے جس کے ذریعے تحریم کی یہ قَسم تحریم تشریعی سے الگ ہوتی ہے۔ جو کہ اباحت اور حلت کے مقابل ہے اور اُسے مشرکین اللہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسے شاطبی نے (اعتصام) میں ذکر کیا کہ قسم کے ذریعے حرام کرنے والا صرف اپنے نفس کو لازم کرتا ہے۔ اور یہ تحریم اس کے علاوہ کسی پر نہیں ہوتی یہ اس کی طرح نہیں ہے جیسا کہ تحریم کفری کا معاملہ ہے

---

[1] یہ صحیح تعبیر ہے ہم ان پر جھوٹ نہیں باندھتے نہ ہی ہم ان پر ظلم کرتے ہیں اور نہ بہتان لگاتے ہیں۔ ہم یہاں سرکشوں میں سے ان لوگوں کو خاص طور پر مخاطب کرتے ہیں طاغوتوں کے کی طرف سے۔ جو ہمیشہ ان سے عدم براءت پر صراحت کرتے ہیں۔ بلکہ وہ ان کے مددگار اور تیار لشکر ہیں۔ جو ہر پکار اور جگہ پر ان کا دفاع کرتے ہیں۔ بلکہ جو انہیں کا فر کہتا ہے یہ اُسے خوارج میں سے کہتے ہیں!!! اگر ہم زمانہ قدیم کے مرجئۃ کو عصر حاضر کے مرجئۃ جیسے سمجھتے ہیں تو یہ قدیم زمانے کے مرجئۃ کے ساتھ ظلم ہوگا۔ اور اللہ کی پناہ ہم ان کو برابر کریں بلکہ ان کی تشبیہ نام میں ہے۔ اس ضمن میں جو انھوں نے اس سے شبھات وراثت میں لئے۔ اسی لئے ہم نے ان کو اپنے زمانے کے لحاظ سے الگ کیا۔

۔جس پر مشرکین متفق ہوتے اور اسی پر چلتے اور اسے اپنے پیروکاروں پر لازم کرتے ہیں ۔پھر تحریمی قسم صرف ممانعت سے متعلق ہے اور اسکا تحلیل اور اباحت سے کوئی تعلق نہیں برخلاف تشریع کے جو تحلیل واباحت اور اسی طرح تحریم کی طرف اپنا رستہ بناتی ہے۔اور یہ بات بیّن اور واضح ہے نبی ﷺ کا قول بھی اسی قسم (مطلب تحریم بالیمین) سے ہے۔جو صحیح بخاری میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بعض زوجات سے فرمایا 'میں زینب (رضی اللہ عنہا) کے پاس شہد پیتا تھا اور میں نے قسم کھائی ہے کہ دوبارہ اس کی طرف نہیں لوٹوں گا' میں آپ ﷺ کا یہ کہنا 'دوبارہ نہیں لوٹوں گا 'اس کا مطلب وہی ہے جو لوگوں میں معروف ہے یعنی ''تحریم'قسم کے معنی میں ۔جیسا کہ وہ کہیں 'یہ مجھ پر حرام ہے' یا کہیں 'اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھ پر فلاں فلاں چیز حرام ہے' یہ ایسا نہیں ہے اور نہ ہی نبی ﷺ کی بات کہ میں 'دوبارہ نہیں لوٹوں گا' تشریع ہے اور نہ تبدیل اور نہ قانون سازی اور نہ اتفاق یا اجتماع جیسا کہ اللہ کے دشمن اپنے الزامات میں کہتے ہیں ۔

اسی بارے میں اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا:

یَـاَیُّھَـاالـنَّبِـیُّ لِـمَ تُـحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ.......قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ .(التحریم:۱–۲)

''اے نبی کیوں حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے......تحقیق اللہ نے فرض کردیا ہے تمہاری قسموں کی حلت۔''

(مطلب یہ کہ اللہ نے تمہاری قسموں سے آزادی کیلئے کفارہ فرض کردیا ہے ۔ازمترجم) تو جب اس طرح کے معاملے میں کفارہ ہی تحلیل ہو تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی تحریم قَسم تھا نہ کہ تشریع وتبدیل۔اس کے بعد ہم مرجئہ عصر کی تلبیسات اور کفریہ الزامات کی طرف متوجہ نہیں ہونگے ۔جب آپ ان کے طواغیت قانون ساز کو کافر کہنے میں ان سے جھگڑا کر رہے ہوں۔تو وہ

لوگ اسی طرح کی آیات سے دلیل لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول نے بھی تو حرام کیا تو کیا وہ کافر ہو گئے؟ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ (الکھف:٥) ''ان کے مونھوں سے بہت بڑی بات نکلتی ہے اور وہ جھوٹ کہتے ہیں''۔آپ نے جو کچھ گزرا اس کے ذریعے جان لیا کہ یہ تشریع یعنی قانون سازی نہیں ہے۔اور نبی ﷺ کیلئے یہ (جائز) نہیں کہ وہ قانون سازی کریں کیونکہ وہ قانون ساز نہیں اور یہ ان کیلئے حلال نہیں۔ان کی بات جو شریعت اور قانون کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے نہیں کہ وہ قانون ساز تھے بلکہ اس لیے کہ وہ جو بات بھی کرتے تھے وہ وحی ہوتی تھی اللہ کی طرف سے ہے۔اور وہ صرف ڈرانے والے اللہ کی شریعت کو پہنچانے والے ہیں۔

دوسرا معنی:

تحریم: ہے جس سے صرف لغوی معنی مراد لیا جاتا ہے۔اصطلاحی یا تشریعی نہیں۔اس کا معنی صرف امتناع ہے رک جانا جیسا کہ شاعر امرؤالقیس نے کہا:

جالت لتصرعنی فقلت لها اقصری انی امرؤ صرعی علیك حرام

''وہ میرے پاس آئی مجھے گرانے کے لئے میں نے کہا رک جا میں وہ شخص ہوں جسکا گرانا تجھ پر حرام ہوں''

دوسری جگہ کہا:

حرام علی عینی ان تطعما الکری وأن ترفئا حتی الاقیك یا هند

''جب تک میں تجھ سے نہ ملوں میری آنکھوں پر حرام ہے کہ وہ روشنی یا کوئی حسین منہ''

یہاں حرام سے مراد ممنوع ہے۔یہ اس صورت میں جب قسم نہ آئے،تو پھر پہلے عرفی معنی میں

داخل ہوگی۔اور اللہ نے فرمایا:

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ. (القصص:١٢)

''اس سے پہلے ہم نے اس پر دودھ پلانے والیوں کو حرام کر دیا تھا۔''

اس میں تحریم تشریعی مرادنہیں بلکہ صرف منع کرنا مراد ہے،قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:'یعنی ہم نے دودھ پلانے سے روک دیا تھا' کہا'یہ تحریمِ منع ہے تحریمِ شرع نہیں'۔

ایسے ہی فرمان ہے کہ:

فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً. (المائدة:٢٦)

''وہ ان پر چالیس سال تک حرام ہیں۔''

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:حرام کا مطلب ہے'کہ وہ داخل ہونے سے منع کئے گئے ہیں'تحریمِ منع ہے تحریمِ شرع نہیں۔اس معنی کی طرف متوجہ ہوں اور جان لیں کہ وہ تشریعی معنی کے علاوہ ہے جس کو آج طواغیت نے اپنی حکمرانی کا حق اور خاصیت بنالیا ہے اوران کے پیروکار بھی اسی پر چلتے اور اتفاق کرتے ہیں،تو اگر آپ کے پاس ان کے (یعنی طواغیت کے)بعض دوست مرجئہ عصر میں یہ آیت لے کر آئیں:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ. (المائدة:٨٧)

''اے ایمان والو!ان پاک چیزوں کو حرام مت کرو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیں ہیں۔''

اور کہیں کہ ان لوگوں نے تشریع کی اس کے باوجود اللہ نے ان کو ایمان کے نام سے پکارا۔تو آپ ان سے کہیں اے اپنی جانوں کے دشمنو، یہاں تحریم لغوی معنی میں ہے وہ تشریعی معنی مرادنہیں ہے جو تمہارے طواغیت چلاتے ہیں اور جو کہ تحلیل کا حقیقی بھائی ہے۔مراد یہ ہے کہ اپنے نفس کو

بعض ایسی پاک حلال چیزوں سے منع کردیا جائے جنھیں نذر کی وجہ سے یا اپنی بدحالی اور بزرگی (رہبانیت) دکھانے کے لیے (حلال چیزوں کو چھوڑ دیا جائے) دلیل یہ کہ یہ آیت نبی ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کی وجہ سے نازل ہوئی انھوں نے بعض پاک اور حلال چیزوں کے تناول سے منع رہنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ تاکہ دنیا میں زاہد اور راہب بن کر رہ سکیں۔ پس نہ تو انھوں نے شرع بنائی نہ اس میں تبدیلی کی اور نہ ہی قانون بنایا۔ اسے محمول کیا جائے یعنی پچھلا معنیٰ اس سے مراد لیا جائے اور اس سے قسم مراد ہو۔ جیسا کہ مفسرین نے اس آیت کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنھوں نے بعض طیبات سے منع رہنے کا ارادہ کیا انھوں نے اس پر قسم کھائی تھی۔ پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو انھوں نے کہا کہ ہم اپنی قسموں کا کیا کریں؟ اللہ نے اس آیت کے بعد فوراً یہ آیت نازل کی۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي اَيۡمَانِكُمۡ ......(المائدۃ:۸۹)

''اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں کرے گا۔''

اسی سے امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے اس قول پر استدلال کیا کہ قسم یا یمین کے ساتھ حلال کو حرام کرنے کا کوئی تعلق نہیں ہے (یعنی اس کا جو بھی گناہ ہوگا سو ہوگا مگر وہ گناہ اور کفر جو حلال کو حرام کرنے سے لازم آتا اس قسم سے لازم نہیں آتا[1]۔ تو ان کے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جو ایسا کہے یعنی قسم کھائے اس پر کفارہ نہیں۔ اور چاہے یہ معنی صحیح ہو یا وہ معنی دونوں کا تعلق تشریع سے نہیں اور یہ باب نذر سے بھی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح جس نے اپنے آپ پر بیٹھنا اور وقتی طور پر بات کرنا حرام کرلیا تھا کیونکہ اس نے نذر مانی تھی کہ وہ خاموش کھڑا رہ کر روزہ رکھے گا لیکن نبی ﷺ نے منع کیا۔ اور اُسے روزہ پورا کرنے کا حکم دیا۔

[1] اور یہ کہ حلال کو حرام (کرنے والی قسم) لغو ہے (یعنی اس کا امام شافعی کے رائے کے مطابق کوئی کفارہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم)

اس بارے میں اللہ نے یعقوب علیہ السلام کا ذکر کیا۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ اِسۡرَاۤءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَاۤءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ. (آل عمران:٩٣)

''بنی اسرائیل کیلئے تمام کھانے حلال تھے مگر جس کو (یعقوب علیہ السلام) نے خود اپنے اوپر حرام کرلیا۔تو راۃ کے نزول سے قبل۔''

اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام بیمار ہوئے تو انھوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ انہیں شفایاب کر دے تو وہ اپنی سب سے زیادہ پسندیدہ چیز کو خود پر حرام کرلیں گے تو انھوں نے اونٹ کا گوشت حرام کرلیا اپنے اوپر۔اور یہ سب توراۃ کے نزول سے پہلے تھا۔اسی طرح کی نذر اس وقت منع نہ تھی اور اگر وہ اپنے نفس پر کوئی چیز یا نذر قسم کے ذریعے حرام کرتے تھے تو پھر وہ ان کیلئے جائز نہ رہتی تھی۔پھر اللہ نے اسے منسوخ کر دیا اور قسم کا کفارہ نازل کیا۔پس یہ چیز بھی اسی نذر اور قسم کی جنس میں سے ہے نہ کہ شریعت سازی۔اسی لئے امام شاطبی رحمہ اللہ نے اعتصام میں قاضی اسماعیل رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ 'یہ اور اس جیسی تمام اشیاء جو شرائع میں سے ہوں ان میں ناسخ اور منسوخ ہوتا ہے۔

تو اللہ کا یہ فرمان ناسخ تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحَرِّمُوۡا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمۡ. (المائدة:٨٧)

''اے ایمان والو!ان پاک چیزوں کو حرام مت کرو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔''

پس جب نہی واقع ہوگئی تو انسان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ کہے 'مجھ پر کھانا حرام ہے' اگر انسان نے ایسا کچھ کہا تو اس کا یہ قول باطل ہوگا۔اور اگر وہ اس پر اللہ کی قسم کھائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس

(کام) کی طرف آئے جو زیادہ اچھا ہو(یعنی دو کاموں میں سے ایک اچھا اور دوسرا برا ہے مگر اس نے اچھے کام سے قسم کھائی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ قسم توڑ کر اچھے کام کی طرف آئے اور اسے کرڈالے)اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔

پس مرجئہ عصر تم کو دھوکے میں نہ ڈالیں کہ وہ یہ کہیں ' یہ اللہ کے نبی تھے انھوں نے اپنی طرف سے اللہ کے حکم کے بغیر شریعت سازی اور قانون سازی کی تو کیا وہ کافر ہو گئے؟؟ تو یہ تشریعی تحریم نہیں اگر ایسا ہوتا تو پھر یہ آیت اس کو ناسخ نہ کرتی جو کہ قسم اور نذر اور مجرد امتناع کے بارے میں نازل ہوئی پھر گذشتہ باتوں سے آپ جان چکے ہیں کہ اللہ کو اس کی تشریع میں ایک جاننا اور کسی کو اس میں اس کا شریک نہ بنانا یہ اصولِ توحید میں سے ہے جس پر تمام شریعتیں متفق ہیں۔اس اصل میں خلل آنا ان کافر کرنے والی گناہوں میں سے جن کی وجہ سے اس (اللہ) نے یہود و نصارٰی کو کافر قرار دیا ہے اور اس جیسی اصل کبھی بھی ابواب منسوخ میں داخل نہیں ہوتیں، جیسا کہ اصول میں معروف ہے پس یہ بات صحیح ہے کہ یہ چیز اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام کی طرف سے تشریع نہیں تھی۔

اور اسی جیسا وہ قول بھی ہے جو بخاری و مسلم میں ان لوگوں کے بارے میں روایت کیا جنھوں نے ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت میں سوال کیا...... کچھ نے کہا ' میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور افطاری نہیں کروں گا ' دوسرے نے کہا ' میں عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا ' آخر تک جو انھوں نے کہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ ان کے قول کا انکار کیا اور فرمایا ' جو میری سنت سے بے رغبت ہوا وہ مجھ سے نہیں ۔مگر جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اس سارے کا تشریع اور تبدیل سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ انھوں نے تشریع کی اور نہ ہی کسی نے یہ دعوٰی کیا کہ ان کے پاس تشریع کا اختیار ہے۔جیسا کہ موجودہ طواغیت کا حال ہے۔آپ ایسے گرے ہوئے شبہات

سے دھوکہ نہ کھائیں۔ کیونکہ دونوں الگ الگ مقام سے تعلق رکھتے ہیں۔

جیسا کہ شیخ عبدالمجید الشاذلی اپنی کتاب(حد الاسلام و حقیقة الایمان : ص٣٧٦) میں ہماری حالت کے بارے میں چند وضعی قوانین کے نصوص دستوروں اور ان نصوص کے حقائق ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''اور اب یہ جو کچھ ہمارے زمانے کے حکمران کر رہے ہیں یہ کھولے ہوئے شریعت سازی کی حد سے گزر کر اب غیر اللہ کو شریعت سازی کے حق دینے کے صریح اقرار تک بات پہنچی ہے۔اس لئے کہ ان کے نزدیک نصوصِ شریعت سے صفتِ قانون سازی حاصل نہیں ہوتی۔اگر وہ اس پر عمل کرنا چاہیں مگر اس صورت میں کہ وہ (قانون) اس (شخص یا اشخاص، پارلیمنٹ وغیرہ) سے صادر ہوجائے جو ان کے نزدیک شریعت سازی اور قانون سازی کا حق رکھتے ہیں۔یہ اس (قانون ساز) کے ارادے اور نیت کی تعبیر ہے ورنہ ظاہر میں تو وہ اللہ کی شریعت پر عامل ہوگا مگر سادہ لوح لوگوں کو پتہ نہیں ہوگا کہ یہ قانون ساز حکمران شریعت کے اس حصے پر اس لیے عامل ہے کہ اس حصے کو پارلیمنٹ وغیرہ نے قانونی حیثیت دی ہے ورنہ بس صرف یہی (ان کے نزدیک) شریعت کو قانون سے متصف کرتا ہے اور اسے قانونی حیثیت دیتا ہے ۔پس اس کا حال عرف یا قانونِ فرنسی یا فقہاء قانون کی آراء یا جس پر عدالتیں چل رہی ہیں اس کے جیسا ہے یہ لوگ قانون کا لفظ اللہ کے ساتھ استعمال اس لئے نہیں کرتے کہ ان کے خیال میں وہ قانون سازی کا منبع نہیں ہے'' (ص:٣٦٧) پر کہتے ہیں: ''یہ معاملہ معصیت یا بدعت کے درجہ سے تجاوز کر گیا ہے، بلکہ تشریع مطلق سے آگے تجاوز کر گیا ہے۔تم گناہوں کا معاملہ تشریع کے معاملے سے کیسے ملا سکتے ہو۔اس کے باوجود کہ ان دونوں میں بہت فرق ہے''۔اور جب بدعت معصیت سے بہت واضح فرق سے متمیز ہے اس لئے کہ اسے تشریع کی جگہ رکھ دیا گیا ہے۔کیا معصیت اور تشریعِ مطلق میں فرق واضح نہیں ہوگا؟ ممکن ہے کہ ہم اس موضوع کے خلاصہ میں

یوں کہیں کہ لفظِ ''تحریم'' دوسرے الفاظ کی طرح مشترک معانی کا حامل لفظ ہے۔ جو کہ ایک سے زیادہ معنی رکھتے ہیں اس کے بعض معانی لغوی یا عرفی ہیں اور بعض شرعی۔ جیسا کہ لفظ ''ایمان'' ہے۔ لغۃً اس کا مطلب ''تصدیق'' ہے مگر اللہ نے اس کا شرعی (اصطلاحی) مطلب کیا ہے لغوی معنی کو چھوڑ کر۔ پس اس میں زبان کا اقرار اور دل اور اعضاء کا عمل شامل کر دیا ہے۔ اسی طرح کفر ہے۔ جیسے کفر کا لغوی معنی ہے اور اس کا اصل معنی ''کسی چیز کو پوشیدہ کرنا'' ہے میں اس میں کفرانِ نعمت اور کفرانِ عشیر اور دوسرے ایسے الفاظ بھی داخل ہیں جن پر اللہ نے لفظ کفر کا اطلاق کیا ہے۔ اور اس سے مراد ملت سے نکالنے والا کفر نہیں ہے اور اس میں کچھ ایسا بھی ہے جو ملت سے خارج کرنے والا ہے اور یہی حال لفظ ''تحریم'' کے معنی کا یہاں تک کہ بعض سلف اس گناہ کو ظاہری معنی سے ہٹانے اور اس میں تاویل کرنے کی بحث میں بھی نہیں پڑتے تھے۔ یہ بہت سے معنی پر اطلاق کرتا ہے اگرچہ اس میں سے مذموم معانی بھی ہیں جن سے اللہ نے منع فرمایا مگر وہ شرک وکفر تک نہیں پہنچتے جیسے بعض (اچھی چیزوں) سے منع ہونا جن کو اللہ نے حلال کیا ہے چاہے وہ قسم کے ذریعے ہو یا زہد اور رہبانیت کے ذریعے سے ہو۔ ❶

اسی طرح اس کا ایسی تشریع پر بھی اطلاق ہوتا ہے جو اگر غیر اللہ کی طرف منسوب کی جائے تو شرک وکفرِ اکبر ملت سے خارج کرنے والا ہو جاتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے نام رکھتا ہے۔ اور ہمارے لئے اتنا ہی ہے کہ ہم کہیں کہ ہم نے سن لیا اور اطاعت کی اے ہمارے رب تیری مغفرت

---

❶ شاید ان لوگوں کے حق میں تحریم کا لفظ اس مذموم فعل اور اسکی تعظیم کے لحاظ سے باب تنفیر میں سے ہوگا بلکہ تنفیر یعنی نفرت دلانا مشرکین کے راستے کی مشابہت سے اور ان کے شریعت ساز شریکوں سے ہوگا شاید۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ لفظِ کفر اپنے نبی کی زبان سے بہت سے گناہوں کیلئے استعمال کرتا ہے اور وہ گناہ ملت سے خارج نہیں کرتا اس سے نفرت اور اس جرم کو بڑا کرنے کی وجہ سے۔ یہاں تک کہ بعض سلف اس گناہ کے ظاہری پن کے تاویل میں بھی نہیں پڑتے تھے کہ وہ زجر ونہی میں مکمل ہو۔ کیونکہ جس گناہ کو اللہ نے کفر کہا وہ دوسرے گناہوں جیسا نہیں۔

چاہیے اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ (الفصل:۳/ ۲۲۹) میں کہتے ہیں ''ہم شریعت میں کوئی ایسا نام نہیں رکھتے مگر جس کا اللہ نے حکم دیا ہو۔ یا اللہ نص کے ذریعے انہیں مباح کرے کہ ہم اس کا نام رکھیں۔ اس لئے کہ ہم اللہ کی مراد تو صرف اسی کی وحی سے ہی جان سکتے ہیں۔
اس کے باوجود اللہ نے اس شخص کا انکار کیا جو اس کی اجازت کے بغیر شریعت میں نام رکھے:

اِنْ هِیَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوِی الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی أم للانسان ما تمنی (النجم:۲۳-۲۴)

''یہ تو وہ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھے ہیں اللہ نے اس پر کوئی دلیل نازل نہیں کی، وہ تو صرف اپنے گمان کیے ہوئے کی اتباع کرتے ہیں۔ اور جو ان کا نفس خواہش کرتا ہے اور تحقیق ان کے پاس ان کے رب کی ہدایت آ چکی، تو کیا انسان کو وہی ملے گا جو وہ تمنا کرتا ہے۔''

یہ ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا کسی بادشاہ اور نبی کے لیے بھی (شریعت میں سے کسی چیز کا) نام رکھنا جائز نہیں ہے اور جس نے اس بات کی مخالفت کی تو اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور قرآن کی مخالفت ہے۔

○ شبہہ: بلکہ جھوٹ۔

کہتے ہیں: کہ حجاج بن یوسف مشرع تھا اور اسے سلف نے کافر نہیں کہا۔ ان مرجئہ کی مصیبت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے اردگرد کے واقعات سے واقفیت سے منہ موڑ لیا ہے کہ جس میں وہ رہتے ہیں اور اس پر غور وخوض سے بھی منہ موڑ لیا ہے۔ بلکہ وہ اُسے وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں انھوں نے آنکھیں منہ بند کر لیے اور خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی کیا انھوں نے احکامِ شریعت کو مرتبہ

سے ہٹا کر رکھ دیا۔ اور ایسے اقوال کہے کہ ان کا موجودہ واقع اور مقام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہاں تک کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم ان جیسے مسلمات (یعنی ان باتوں میں جنھیں سب نے تسلیم کیا) بحث کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں اور اسے اتنا طویل کیا جس کا وہ حقدار نہیں تھا۔ اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ جو ہم نے ان بے وقوفوں کے کرتوت اور ان کی بدعات کو دیکھتے ہیں حتی کہ ان اوراق کو لکھنے سے چند دن پہلے ان کے ایک آدمی کی بات مجھ تک پہنچی جو آدمی طواغیت کی حمایت اور ان کے کفریات کی پشت پناہی کیلئے مجالس کا انعقاد کرتا تھا اس میں کچھ دھوکہ کھائے نوجوان آتے تھے تاکہ ان پر ان کا دین اور توحید کو الجھادے اور طواغیت کو کافر کہنے اور ان سے براءت کرنے سے باز رکھے کہ اس آدمی نے ان لوگوں پر جو طواغیت کی قانون سازی کو ان کے کافر ہونے کی دلیل قرار دیتے ہیں ردّ کرتے ہوئے کہا کہ: ''کہ حجاج بن یوسف نے ایک خط اپنے ایک فوجی قائد کی طرف لکھا کہ فلاں مسلم کو قتل کردو۔ پس یہ تشریع ہے !!! اس کے باوجود سلف نے اسے کافر نہیں کہا!!! ❶

❶ یہی وہ فاسد طریقہ ہے جس کے ذریعے سے یہ قوم اپنے طواغیت اور ان کے دوستوں کی پشت پناہی کرتی ہے۔ آپ ان کو شیطان کے ان کے ساتھ کھیل کے ذریعے پہچان سکیں گے اور یہ کہ وہ حق کے طالب نہیں۔ جبکہ اہل حق کے نزدیک تو واجب یہ ہے کہ ہر فیصلہ کتاب وسنت کی طرف لے جایا جائے نہ کہ انحرافات، أغلاط، چہ مگوئیوں، یا علماء کے مشتبہ اقوال کی طرف اور جب علماء کے اقوال اور اجتھادات پر بلکہ صحابہ رضی اللہ عنھم کے (کے اقوال واجتھادات) پر بھی عمل کرنا لازم نہیں اور نہ ہی اللہ کے دین میں وہ حجت ہیں۔ تو پھر ان صحابہ کے علاوہ کسی کے اقوال وافعال کا کیا کہئے؟ اور اس کا کیا کہئے کہ وہ صرف اقوال ہی نہیں بلکہ غلطیاں اور خواہشات ہیں کیا ان اقوال کا اختلاف کے موقع پر پیش کرنا جائز ہے چہ جائیکہ انہیں حق وباطل اور اندھیرے اور روشنی کو خلط کرنے کیلئے استعمال کیا جائے اور مشرکین اور ان کے اولیاء کی پشت پناہی کیلئے ہو؟ یہ ہمیشہ سے خواہش پرستوں کا طریقہ رہا ہے جو انھوں نے ایک دوسرے سے لیا ۔مثال کے طور پر روافض (شیعہ) اہل سنت میں سے دھوکہ کھائے ہوئے بعض لوگوں پر کتاب وسنت کے بعض ایسے نصوص پیش کرتے ہیں جو ظاہری طور پر متعارض اور اشکال والے ہیں۔ تاکہ وہ انہیں ان کے دین حق کے بارے میں مشکوک کردیں اور مذہب فاسد کو صحیح کر دکھائیں۔ اور شاید انھوں نے بعض صحابہ رضی اللہ عنھم کی اجتہادی غلطیوں اور شاید انھوں نے بعض صحابہ رضی اللہ عنھم کے غلط اجتھادات اور ہفوات کو تلاش کیا ہو۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنھم بھی بشر تھے معصوم نہیں تھے۔ تاکہ وہ لوگ ان پر طعن کرنے اور ان سے ⇦

....

⇦ براءت کرنے میں دھوکہ کھائے ہوئے کو ڈال سکے۔شاید وہ آپ کے پاس آ کر کہیں کہ آپ ایسے آدمی کے بارے میں کیا کہیں گے جو اس سے روکے جس کا نبی نے حکم دیا۔کیا وہ گمراہ نہیں۔کیا وہ ایسا نہیں وغیرہ؟ پھر وہ آپ کے پاس کچھ ایسی احادیث لائیں گے جن میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حج تمتع سے روکا تھا۔اور شاید (یہ شیعہ آپ کو) کہیں کہ: تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو نبی ﷺ کو (ھجر) کے ساتھ موصوف کرے؟ یعنی یہ کہے کہ نبی ﷺ کو ھجر ہو گیا یعنی وہ کہنا کچھ چاہتا ہے اور منہ سے کچھ اور نکل رہا ہے اور شاید یہ (شیعہ) اس لفظ (ھجر) میں تحریف کریں اور کہیں کہ: (یہ لفظ) خرّف ہے جس کا معنی ہے بڑھاپے کی وجہ سے عقل خراب ہو جانا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ کا نبی ﷺ کے بارے میں قول پیش کریں گے جب وہ بستر وفات پر تھے مطلب یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے بارے میں (ھجر) کا لفظ استعمال کیا جب نبی ﷺ بسترِ وفات پر تھے تو کیا؟؟؟ آپ یقیناً کہیں گے کہ اعوذ باللہ ان کی یہ گمراہی ہے۔اور شاید آپ کہیں یہ تو کفر ہے۔تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نبی کریم ﷺ کے بارے میں قول جب وہ بستر مرگ تھے۔اور اسی طرح اس کے باوجود کہ اسے علماء نے چھوڑا نہیں اور نہ ہی طالب حق پر اس کی طرف رجوع کرنا اور اصل مصادر سے ان کی تلبیسات سمجھنا مشکل ہے۔اور اسی نہج پر ہمارے دور کے مرجئہ ہیں وہ لوگ بعض اہل علم کی لغزشوں اور غلطیوں کی پیروی کرتے ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعے سے اپنے فاسد مذہب کو صحیح اور طواغیت اور ان کے اولیاء کی حمایت کر سکیں۔تو وہ آپ سے کہیں گے کہ: اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد ان سے تبرک کو جائز کہے۔اور اس کے بارے میں جو فتوی کو تبدیل یا حدیث کو بادشاہ کیلئے ضعیف کہے، تو شاید آپ ان کو گمراہ یا بدعتی قرار دیں.....پھر وہ فوراً ہی کہیں گے: امام احمد رحمہ اللہ نے ایسا کہا ابن مدینی رحمہ اللہ نے ایسا کیا آپ انہیں جواب دیں: اس طرح کی باتوں کو اختلافی مسائل میں فیصلہ کی بنیاد نہیں بناتے۔کیا یہ آیات واحادیث ہیں جن کی طرف نزاع کے وقت رجوع کیا جاتا ہے؟ پھر انہیں کہیں: یہ سب غلط اور باطل ہے، اس کا کہنے والا کوئی بھی ہو اور یہ بات کہ اس کا کہنے والا علم دین کے (بہت بڑے) مرتبے پر ہے اس (باطل) کو حق نہیں بنا سکتا۔اور یہ امر بدیہی ہے پس جس طرح ہم حق کو تسلیم کرتے ہیں چاہے وہ کیسے ہی حقیر یا جاہل آدمی کی طرف سے ملے۔اسی طرح ہم باطل کا ردّ کرتے ہیں چاہے وہ کیسے ہی بڑے جلیل القدر سے ملے۔تو اے اپنے نفس کے دشمنو! تم ان اعتراضات کے ذریعے کیا چاہتے ہو؟ کیا اُسے جائز کرنا چاہتے ہو؟ یا تم اللہ کا نور بجھانا اور طاغوتوں اور ان کے غلاموں کے لیے ان کے کفریات کو ہلکا بتانے کے ذریعے اور (ان کے کفریات کو سلف رحمہ اللہ کے) غلطیوں اور مخالفات پر قیاس کے ذریعے پیوندکاری کرنا چاہتے ہو۔ان غلطیوں اور مخالفت کے تناظر میں ہلکا بتانا چاہتے ہو۔اے دین کے دشمنو! کیا ہی خوب ہو تم اور تمہاری حمایتیں بہت ہی فرق ہے تمہارے ان اعتراضات سلف اور اہل حدیث کا طریقہ ہے جن سے تم تعلق جتلاتے ہو؟ کیا یہی وہ دلائل و براہین ہیں جن کے ذریعے تم حجت قائم کرتے اور طواغیت کے کفر صریح کی حالت کے درمیان، اگر طالبِ حق اصل مصادر میں کھوج لگائے بہت آسانی سے وہ (سلف کے) ان (لغزشوں) کا طاغوتوں کے حالات پر قیاس کرنے کے باطل ہونے کو جان جائے گا، ان سلف کے لغزشوں میں سے کچھ فروع کے بارے میں ہے، نہ کہ اس چیز کے بارے میں جس کے ردّ کے ہم درپے ہیں جو کہ دین کی بنیاد اور اصل کا منہدم کرنے کی کوشش ہے ⇦

....

⇦ (اسی کے ردّ کے ہم درپے ہیں)۔اور کچھ ان (اقوال) میں سے وہ ہیں جن کی نسبت ان افاضل کی طرف غلط ہیں یا وہ ان (اقوال کے کہنے) پر مجبور کئے گئے ہیں۔تو کیا اقوال رجال کے ساتھ حق کی مخالفت کرنا یا ان کے ساتھ اس پر رنگ چڑھانا جائز ہے؟ چہ جائیکہ ان (سلف رحمہم اللہ) کے غلطیوں سے اس (حق) کی مخالفت کیا جائے اور (ان غلطیوں کا) اس حق پر رنگ چڑھایا جائے؟ وہ معصوم اور قانون ساز بھی نہیں ہیں کہ ان کے افعال واقوال اس سے چھوٹی چیز میں بھی حجت ہوں جس میں ہمارا جھگڑا ہے۔اور اگر (اللہ نخواستہ) ان میں سے کسی سے کفر سرزد ہوا ہو تو کیا یہ حق کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے؟ یا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے دین اور اس کے قواعد میں کوئی تبدیلی کرسکتے ہیں؟ اللہ نے فرمایا:﴿وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا﴾(آل عمران: ١٤٤) ''اور جو اپنی ایڑیوں کے بل پھر گیا تو وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''اور فرمایا:﴿وقال موسیٰ ان تکفروا انتم ومن فی الارض جمیعا فان اللّٰه لغنی حمید﴾ ''اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اگر تم اور جو زمین میں ہیں سب کفر کردو تو پس بیشک اللہ (ان سب سے) غنی اور تعریف والا ہے''۔اور شاید وہ لوگ آپ کے سامنے اس طرح کے کچھ نصوص ذکر کریں مگر خواہشات کے پیروکاروں کی طرح مگر بغیر سند کے اھل اھواء کے طریقہ پر جیسا کہ ان کا طریقہ ہے اور جو ان کی خواہشات کے مطابق ہے۔جیسا کہ ان میں سے ایک نے ہمارے کسی بھائی کے ساتھ کیا۔ایک سے زیادہ بار انھوں نے ابوحنیفہ کا یہ قول ذکر کیا:''اگر بندہ اس جوتی کی عبادت اللہ سے نزدیک ہونے کے لئے کرے تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں''وہ اسی طرح بے سند بات کرتا ہے اور معلوم نہیں وہ اتنی سی عبارت ذکر کرکے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہے؟ کیا وہ شرک اور کفر اور غیر اللہ کی عبادت کو جائز کرنا چاہتے ہے؟ یا طواغیت کو کافر کہنے اور ان کے مددگار اور پیروکاروں کو کافر کہنے سے روکنا چاہتے ہے یا ابوحنیفہ کی تکفیر ہمارے ذمے لگانے کے ذریعے اور گھٹیا قسم کے عوام کے سوادِ اعظم سے ہمیں ڈرانے کے ذریعے کیا یہ لوگ (ہمیں) طواغیت اور ان کے مددگار واوران کے غلاموں کی تکفیر سے روکنا چاہتے ہیں؟؟ پس یہ تو اللہ کا دین ہے کسی سے نرمی نہیں کرتا اور جس کا کفر دلیل سے ثابت ہو گیا ہم نے اسے کافر کہا (ہم اس وقت تک انہیں کافر قرار دیں گے) جب تک موانع نہ ہوں۔اگر دلیل کسی کی بات کو اچھا نہیں بناتی تو پھر کیا چیز اسے اچھا بنائے کہ دلیل ابوحنیفہ کے ساتھ اور نہ کسی اور کے ساتھ رواداری نہیں کرتا۔اور قابل قبول قول ابوحنیفہ کے بارے میں ان کے ہم عصر ائمہ کا ہے۔اور صحیح اسانید سے تاریخ بغداد اور ابن حبان کی المجروحین اور فسوی کی المعرفة والتاریخ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابوحنیفہ سے دوبار کفر سے توبہ کروائی گئی تھی۔اور چاہے ابوحنیفہ یا کوئی اور شخص کافر ہو یا نہ ہو یہ حق کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا نہ ہی اسے بدل سکتا ہے۔اور ہم جو بات یہاں کہہ رہے ہیں وہ یہ کہ اس مرجئ نے جو یہ قول ذکر کیا ہے وہ کفر ہے چاہے وہ ابوحنیفہ سے صادر ہوا ہو یا کسی اور سے۔اسے فسوی نے المعرفہ والتاریخ (۳/۷۸۴) اور خطیب (۳۷۷-۳۷۵/۲) اور ابن حبان نے مجروحین (۳/۷۳) میں روایت کیا۔اور ان میں کچھ بات زائد بھی تھی جسے اس مرجئ نے اس لئے چھپالیا کہ کہیں اس کا یہ شبہ اور الزام فاسد نہ ہو جائے۔اور وہ سعید بن عبدالعزیز کا روایت کے آخر میں یہ قول ہے کہ ''یہ صریحًا کفر ہے''پس آپ ان کی تلبیسات سے ہوشیار رہیں اور ان کے شبہ سے دھوکہ نہ کھائیں کیونکہ ایسے لوگوں کے پیچھے وہی چلتے ہیں جن کے پاس دلائل شرعی کی کمی ہو وہ ⇦

....

⇐اس طرح کی پیوند کاری اور تلبیسات کی طرف واضح اور صریح نصوص کو دفع کرنے کی جسارت کرنے لگتا ہے۔اور یہ بات عجیب یا مستنکر نہیں کہ حق و باطل دل کے اندھے پر مشتبہ ہو جائے جس طرح دن رات آنکھوں کے اندھے پر مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ان کے لئے ہلاکت ہو کیا وہ توبہ نہیں کریں گے؟ اللہ کی قسم اگر انھوں نے توبہ نہ کی اس سے جو وہ کرتے رہے تو کل وہ اپنی تلبیسات اور شبھات کو جان لیں گے کہ وہ کس کا دفاع اور کس چیز کی حمایت کرتے رہے ہیں؟ اور کس قطار میں کھڑے ہیں، اور کس سے جھگڑا کر رہے ہیں ؟اور جنھوں نے ظلم کیا وہ عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس ٹھکانے کو لوٹتے ہیں......)

(تنبیہ:) جان رکھئے کہ مرجئہ عصر کے بعض چھوٹی عقل والوں نے اس موضوع کو لے کر ہم پر افتراء کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ ہم ابوحنیفہ النعمان کیلئے تکفیر کا فتویٰ رکھتے ہیں اور ہر صاحب بصارت اور غور وفکر کرنے والا ہماری باتوں سے دیکھ سکتا ہے کہ یہ محض جھوٹ اور افتراء ہے جس کا سبب یا تو بغض، حسد اور بُرا ارادہ ہے یا پھر جہالت اور سطحیت اور علماء کے کلام اور معانی الفاظ سے ناآشنائی ہے ۔کیونکہ ہمارے کلام میں غور کرنے والا یہ جانتا ہے کہ ہم نے جو کچھ یہاں ذکر کیا وہ ابوحنیفہ کے مذکورہ قول کے ذریعے مرجئہ کے چوزوں کا ہمارے طواغیت کو کافر قرار دینے پر اعتراض تھا (اور وہ اعتراض ان چوزوں کی طرف سے اس طرح تھا کہ اگر تم طواغیت کو فلاں فلاں قول پر کافر قرار دیتے ہو تو پھر مذکورہ بالا قول کی بناء پر ابوحنیفہ بھی کافر ہوئے ؟جس کو جواب مؤلف نے دے دیا۔مترجم)۔وہ چاہتے ہیں کہ ہمیں تکفیر سے مطلقاً ڈرا دیں اور طواغیت کا کفر کہنے سے ہمیں روک سکیں۔یا ہم پر ابوحنیفہ کی تکفیر کا الزام لگا سکیں۔ہمارے اس ردّ کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم نے یہ بیان کیا کہ اہل حق کا استدلال میں یہ طریقہ نہیں ہے۔اور یہ کہ انھوں نے ہم پر جو الزام لگایا وہ صحیح نہیں۔اگرچہ یہ بات کہ ''یہ مقولہ کفر ہے چاہے وہ ابوحنیفہ سے ہو یا کسی اور سے'' ہر وہ آدمی جو علماء کے کلام کو جانتا ہے وہ ضرور اس عبارت کا مطلب سمجھ سکتا ہے اور یہ کہ یہ عبارت کسی بھی حال میں ابوحنیفہ کی تکفیر پر مبنی نہیں۔کسی قول پر حکم لگانا (کہ یہ قول کفر ہے) اور اس قول کے قائل پر حکم لگانا (کہ یہ کافر ہے) ان دونوں کے درمیان فرق تو چھوٹے طلبہ کے ہاں بھی معروف ومعلوم ہے،تو کسی قول پر حکم کہ وہ کفر ہے بہت آسان ہے اس میں موانع التکفیر کے بارے میں (زیادہ) تحقیق ونظر کی ضرورت نہیں ہے برخلاف اس قول کے کہنے والے پر حکم لگانے کے۔تو اس میں تحقیق کرنا ضروری ہے اس کے بغیر کوئی چارا نہیں ہے۔کیونکہ انسان بعض دفعہ کفریہ بات کہہ جاتا ہے اور کافر نہیں ہوتا۔اس وجہ سے کہ اس میں موانع تکفیر ہوتے ہیں اور ہم نے تو اس قول سے جو ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے براءت کی ہے اور اس پر حکم لگایا ہے چاہے اس کا کہنے والا کوئی بھی ہو۔جیسا کہ سعید تابعی کا اس میں یہ کہنا کہ ''یہ صریحًا کفر ہے'' اور ہمارا یا سعید کا ظاہری قول میں ابوحنیفہ کی تکفیر کا بالکل بھی مقصد نہیں۔لیکن یہ وہ عداوت جھگڑا اور سرکشی خیانت ہے جو افتراء پر اکساتی ہے اور سچ سے آنکھ موندتی ہے۔اور انصاف سے روکتی ہے۔اور ہمیں جاننے والا اور ہمارا لکھا پڑھنے والا ہر آدمی جانتا ہے کہ ہم نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ ہم اپنے زمانے کے کسی ایسے آدمی کی تکفیر میں مشغول نہیں ہونگے جو علم سے نسبت رکھتا ہو۔چاہے وہ لوگ ہماری دعوت کی مخالفت بلکہ ہم پر طعن ہی کیوں نہ کریں۔اور ہم پر افتراء ہی کیوں نہ کریں۔یہ سب باتیں ہمیں اس چیز سے نہیں ہٹا نہیں سکتی جس کے بارے میں ہم ہمیشہ اظہار خیال کر رہے ہیں ہم طواغیت اور ان کے ⇐

سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس قسم کے بے وقوفیوں کے ردّ میں صفحے کالے کروں۔مگر جس نے ہمارا یہ المیہ جان لیا اور یہ بھی کہ لوگ اصولِ توحید کے بارے میں جہل کی کس حدتک پہنچے ہیں اور (جس نے) ہمارے دین کی اجنبیت کا اندازہ لگالیا وہ ہمیں اس میں معذور سمجھے گا (کہ ہم کیوں لکھ رہے ہیں) میں تو وہی کہتا ہوں جو ابن حزم رحمہ اللہ نے کتاب (الفصل) میں مرجئہ کے اسلاف کے اقوال سے مناقشہ کرتے ہوئے کہا کہ ''کہ یہ وہ باتیں ہیں کہ اگرچہ ایسے بچوں نے کہی ہوتیں جن کی ناک سے رینٹ بہتا ہے تو ان کی کامیابی سے مایوس ہونا چاہیے تھا۔مگر اللہ کی قسم شیطان نے ان سے کھیلا ہے اس نے جیسا چاہا۔(فانّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون) پھر میں ایسے اندھے سے اور اس سے جو اس کی تقلید کرتا ہے ''تمہارا حجاج کے بارے میں کہنا کہ ''سلف میں سے کسی نے اسے کافر نہیں کہا یہ بات تمہاری غلط ہے اگرچہ یہ قول بعضے نوجوانوں کو فریب میں ڈال دے گا جنھیں تم نے اس مقصد سے اکٹھا کیا ہے کہ ان پر ان کا دین الجھادو۔تو جس نے اقوالِ سلف کو جان لیا اس سے یہ پوشیدہ نہیں رہ سکتی تمہارے لئے تو ایک ہی مثال کافی ہے تاکہ تم نے جو دعوٰی کیا ہے اسے پھاڑ دے۔اور وہ یہ کہ ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے کتاب الایمان ص:۳۲ میں شعبی رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا کہ اس نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ'' وہ حجاج طاغوت پر ایمان رکھتا ہے اللہ کا انکار کرتا ہے'' طاؤس رحمہ اللہ کا صحیح سند کے ساتھ یہ قول منقول ہے کہ ''اہل عراق پر تعجب ہے کہ حجاج کو مؤمن کہتے ہیں'' اسے حافظ

⇐ مددگاروں کی تکفیر پر اپنی نظر مرتکز کریں گے اور اسے نشانہ بنائیں گے۔پھر یہ کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ ہم ابوحنیفہ جیسوں کی تکفیر کریں گے جو فوت ہوکر اب اعمال کی طرف چلے گئے ہیں درحقیقت اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ہم باطل کے انکار سے اور اس کے کہنے والے پر (چاہے کوئی بھی ہو) ردّ سے نہیں گھبراتے۔یہ جانتے ہوئے بھی کہ تاریخ کی کتابوں میں ضعیف اور مکذوب چیزیں بہت ہیں۔اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اہل مذاہب میں جھگڑے بہت ہیں۔اور ہمیں اس (قاعدے) کا بھی علم ہے جسے علماء نے ہم عصروں کی ایک دوسرے پر جرح کے بارے میں مقرر کیا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب التہذیب (۲/۲۱۱) میں ذکر کیا اور کہا: ''اسے (حجاج کو) ایک جماعت نے کافر کہا جن میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ، النخعی رحمہ اللہ، مجاہد، عاصم بن ابی النجود اور شعبی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم شامل ہیں۔ ہماری مراد ان سب کا نقل کرنا نہیں ہے بلکہ تمہارے شبہات کا ابطال اور تمہارا تمام (سلف) کے بارے میں دعوے کو پھاڑنا ہے۔ [1]

پھر میں کہتا ہوں کہ: رہی بات اس خط کی جس کی نسبت تم نے حجاج کی طرف کی ہے اور اس پر باطل شبہات کی عمارت کھڑی کی ہے تو وہ صرف ایک کتابی حکم ہے جو قتل کے زبانی، لفظی اور خطابی حکم سے بالکل مختلف نہیں ہے اور یہ (کتابی حکم اور زبانی حکم) دونوں برابر ہیں اور اس کے بارے میں کچھ کہنا بالکل مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہو جو ارتداد کی وجہ سے یا قصاص کی وجہ سے اس حکم کا مستحق ہے تو یقیناً اس کا کرنے والا اور اس (قتل) کا حکم دینے والا اس اجر کے مستحق ہیں چاہے (یہ حکم اس نے) خط کے ذریعے دیا ہو یا زبان سے دیا ہو۔ اگر وہ حکم ان شرائط کے موافق ہو جو عمل کی قبولیت کے لیے ضروری ہیں۔ اور اگر وہ ایسوں میں سے ہو جو مستحقِ قتل نہیں ہیں تو وہ اس کے کرنے والے اور لکھ کر یا لفظی طور پر اس کا حکم دینے والے کے حق میں بہت بڑا جرم اور کبائر ظلم میں سے ہے اس کا کرنے والا صرف استحلال کی وجہ سے کافر ہوگا۔ اور اس طرح کا کام کرنے والوں کو خوارج جیسے گمراہ ہی کافر کہہ سکتے ہیں۔ برخلاف ان لوگوں کے جو مخلوق کے لیے ان کے جان، مال، عزت، خون اور نسب کے بارے میں اپنی طرف

---

[1] جس نے ہم پر ابو حنیفہ کی تکفیر کا الزام لگایا اُسے چاہیے کہ اس بات پر تھوڑا غور کرے۔ ہم ایسے لوگوں کی تکفیر میں خود کو مشغول نہیں کرتے جو گزر گئے اور ان کی تکفیر کے پیچھے کوئی فائدہ نہیں چاہے وہ حجاج کی طرح ہی کیوں نہ ہو جسے بعض سلف نے کافر کہا۔ پھر اہل علم کو کیسے کافر کہہ سکتے ہیں؟ بلکہ ہمارا تو شغل یہ ہے کہ جس میں ہم نے اپنی عمریں لگا دیں کہ طواغیت اور ان کے مددگاروں کو جو شریعت کے دشمن ہیں کافر کہیں اور ان سے جہاد کی کوششیں کریں اور اس کی طرف دعوت دیں اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس مقصد میں استعمال کرے اور اس پر ثابت رکھے اور اسی پر موت دے۔

سے شریعت یعنی قوانین وضع کرتے ہیں جن پر اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے۔ اللہ کے حدود اور اس کے پاک قوانین اور تشریعات کی جگہ یہ لوگ اپنی وضعی قوانین نافذ کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں پر ان وضعی قوانین کی اتباع اور ان کے لیے دلیل ہونا لازم کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ کافر مشرک ہیں چاہے اعتقاد رکھیں یا نہ رکھیں حلال سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں کفری تشریع کا معنیٰ مفصل بیان کر دیا ہے اس کی طرف رجوع کریں اور اس پر غور کریں ان شاء اللہ فائدہ ہوگا اور ہم نے طواغیت کے دستور بھی ذکر کیے جس (دستور) نے قانون سازی کا حق بغیر کسی قید کے ان طواغیت کو دے دیا ہے۔ اُسے صرف اللہ کا حق نہ سمجھا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام ظالم لوگوں کی باتوں سے بلند و برتر ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ مزید ایسی مثالیں دیکھیں جو ان کی تشریعات کی ہیں جس کے ذریعے وہ معصوم مسلمانوں کا خون مال اور اس کی عزت حلال سمجھتے ہیں، اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔ تو آپ ان کے قوانین کا مطالعہ کریں [1] ص (۱۰۵)۔ تاکہ تم دیکھ سکو کہ حجاج جو ظالم بھی تھے (اور اب) مظلوم بھی ہے کے درمیان اور (اس زمانے کے طاغوتوں) کے درمیان واضح فرق ہے (اور ان دونوں کے درمیان) دور کا (واسطہ بھی نہیں ہے)۔ جی ہاں! اللہ کی قسم حجاج پر ان (طاغوتوں) کا قیاس بہت بڑا ظلم ہے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ سلف اس کے کفر میں مختلف ہیں۔ وہ (یعنی سلف) اس زمانے کے ان شریعت ساز قانون ساز (طواغیت) کے کفر کے بارے میں ہرگز اختلاف نہ کرتے (اگر وہ ہمارے زمانے میں موجود ہوتے)۔ ہم دور کی مثال کیوں لیں۔ بلکہ میں آپ کو آپ کی جماعت

---

[1] بلکہ وہ محض توحید کی وجہ سے اسے حلال سمجھتے ہیں جو ان کے طواغیت کو کافر کہے اور انکو ھدم کرنے اور ختم کرنے کی کوشش کرے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور ان کی تشریعات کا کانا پن اور پاگل پن واضح کیا اپنے رسالہ (كشف النقاب عن شريعة الغاب) میں آپ اس کا مراجعہ کریں۔

(السّلفیہ) کے بعض لوگوں کی طرف لوٹا تا ہوں (سلف ان لوگوں سے بری ہیں) میرا مطلب ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کی اور (سینیٹ) میں شرکت کی جو کہ تشریعی اور شرکی تھی۔اس دن جب انھوں نے اپنے ہم منصب ارکان پارلیمنٹ کے ساتھ مل کر بڑی خیانت کے یعنی ان قانون سازوں بت پرستوں نے مل کر ایک قانون بنائی جس کا نام انھوں نے ''خیانت عُظمیٰ''یعنی بڑی خیانت کے قوانین رکھا۔اس قانون میں انھوں نے بعض ایسی چیزوں کو بھی خیانت قرار دیا اور ان پر ایمان لائے جن کے خیانت میں سے ہونے پر اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے [1]۔اور اُسے (یعنی بڑی خیانت کے قوانین کو) حکومت کے سامنے ووٹ اور اقرار کے لئے پیش کیا۔

---

[1] انھوں نے ایسا ہی نام رکھا اور خیانت سے ان کی مراد۔کافر حکومت کے وزراء اور کفری دستور اور خود ساختہ حکومت کے قوانین کے ساتھ خیانت ہے آپ ان کے اس صریح کفر پر غور کریں اس کے باوجود یہ اپنے آپ کو عالموں میں شمار کرنے والے (رُوَیبضہ) ان جیسے قوانین کو ان کا اقرار کرنے کے ذریعے پیش کرنا اور ان پر عمل کرنے کا مطالبہ کرنا بڑی عقل مندی، حکمت اور تجربہ شمار کرتے ہیں اور اسے سیاسی منافع میں سے (شمار کرتے ہیں) کہ ان کے ذریعے لوگوں کے حقوق وزیروں کے چوریوں سے محفوظ ہوں گے۔پس دوری ہے بہت دوری اس کے لئے جو بندوں پر اللہ کے سب سے زیادہ حق کو اس طرح کی بے وقوفی سے منہدم کرتے ہیں۔پھر اس کا تجویز کردہ بل ردّ کر دیا جاتا ہے کیونکہ تشریع کا معاملہ آخر کار اکثریت کے ہاتھ میں ہے جس پر طاغوت اور ان کے وزراء قابض ہیں ۔پھر کوئی قانون اس وقت تک پاس نہیں ہوتا جب تک کہ طاغوت اس کی تصدیق اور تائید نہ کر دے۔آپ اس قوم کی ذہانت اور ان کی سیاسی فہامت پر غور کیجئے!!!اور یہ جان لو کہ جب ہم نے ان جیسوں کے بارے میں کلام کیا تو اللہ کے دشمنوں اور بعض بے وقوفوں نے ہمارے بارے میں نشر کر دیا کہ ہم سلفیین اور اخوان کی آدھی یا اکثریت کو کافر کہتے ہیں۔اس اطلاق کے ساتھ اور بغیر سبب کے تاکہ حق اور اہل حق سے لوگوں کو روک سکیں ......اور عنقریب ان سے اس بارے میں اللہ کے ہاں سوال کیا جائے گا ......اور ہم کافر کہتے ہیں اور کافر کہتے رہیں گے ہر اس کو جو ایسے کفر میں داخل ہوا یا اس کی پیروی کی یا مدد کی چاہے وہ سلفیین میں سے ہو یا اخوان وغیرہ میں سے ہو۔اور ہمیں اس کا نقصان نہیں کہ یہ حکم ان کی اکثریت پر لاگو ہوتا ہے۔اور یہ چیز ہمیں حق بات کہنے سے ڈرا یا یا رسوا نہیں کر سکتی چاہے کافر کوئی بھی ہو۔اور چاہے اس کا لقب نام یا اس کی داڑھی کی لمبائی اور لباس کی تراش کیسی ہی ہو۔جب تک دلیل اس پر لاگو ہوتا ہے اور اس کے حق میں موانع نہ ہوں تو دلیل کسی کے ساتھ رواداری نہیں کرتی ،اور لمبی داڑھی چھوٹے کپڑے اور بڑے بڑے القاب موانع تکفیر میں سے نہیں ہیں۔

قبل اس کے کہ اس کفری مجلس کا راز کھولا جائے اور آپ اس کی طرف اس مجلس کے (۱۹۸۴) کے ضوابط اور تجاویز سے رجوع کر سکتے ہیں ان دنوں کے چند اخبارات کی جھلکیاں پڑھیں ''نواب (یہاں چند نام ذکر کیے اس میں سے) ''جاسم العون'' کویت کی سلفیت کے رؤساء میں سے ہیں۔اور بعد میں وزیر بن گئے اور ''حمود الروحی'' اخوان کے زمرے میں حساب کیے گئے۔ یہ بات تو آپ سمجھ چکے ہیں کہ کویت کے پارلیمنٹ کے نوّاب اور ممبرز نے ایک تجویز کا بل پیش کیا تھا۔اس تجویز کا نص اور متن یہ ہے یعنی: ''(ان ارکان پارلیمنٹ نے اپنی تجویز میں لکھا تھا کہ): ''اس دستور پر اور خاص کر مادہ (دفعہ) نمبر 58،65،79،91،101،109،127،131،132 اس میں سے اور قانون نمبر 17 ۱۹۷۰ء پر قانون جزاء وسزاء اور اس کے برابر جو قوانین ہیں کو صادر کرنے کے ساتھ اور قانون نمبر 17 ۱۹۷۰ء پر قانون اجراءت اور جزائی محکموں اور ان کے برابر قوانین ہیں کو صادر کرنے کے ساتھ اور قانون نمبر ۳۰ ۱۹۷۴ء پر دیوان المحاسبہ کے انشاء کے ساتھ جو برابر ہے مرسوم میں قانون نمبر ۴ ۱۹۷۷ء کے ساتھ اور موسوم الامیری نمبر 319 ۱۹۵۹ء پر جو قانون تنظیم القضاء اور اس کے برابر قوانین کے لیے ہے (ان سب پر) اطلاع کے بعد مجلس اُمت نے اس قانون کو مان لیا جس کا نص (ذیل میں) آرہا ہے اور ہم نے اس کی تصدیق کی اور اسے جاری کیا۔(جس قانون کا کہا تھا کہ ذیل میں آرہا ہے وہ قانون یہ ہے): (دفعہ نمبر 1) اس قانون کے احکام پر عمل کیا جائے گا جو وزیروں کے محکموں کے بارے میں ہے اور ہر وہ نص جو اس قانون کے احکام کے مخالف ہو اس کو منفی سمجھا جائے گا اور وہ کسی شمار میں نہیں ہوگا اسے کینسل کیا جائے گا!![1]

---

[1] مشرکین کے دلائل پر غور کیجئے جن کے ذریعے وہ استدلال کر کے شریعت سازی کرتے ہیں۔ پھر جانوروں سے بدتر لوگ انہیں مسلمان کا نام دیتے ہیں۔ بلکہ سلفی کہتے ہیں۔اور جو انہیں ان کے کفر کی وجہ سے کافر کہتا ہے اُسے یہ (خوارج) کہتے ہیں۔ وقد خاب من افتری

(پہلا باب) : وزراء کی مسئولیات:

① **عظیم خیانت**: اس میں وطن کیلئے محبت نہ ہونا یا امیر کیلئے اور ہر وہ جرم جو ملک کی استقلال سے متعلق ہو یا اس کی وحدت اور زمین کی سلامتی یا داخلی امن یا خارجی امن یا نظامِ حکمِ امیری کویتی اور وراثتِ امارت اور دشمن سے ہر طرح کا تعاون۔!!

② **بنیادی دستور کے احکام کی عمداً مخالفت**: اس کی سزاؤں میں ذکر کیا کہ:

(سیکشن نمبر۳) : عظیم خیانت پر ملک بدر کرنے یا دائمی نظر قید کی یا جز وقتی قید بند جس کی مدت ۳ سال سے زیادہ ہوگی اور ۵ ہزار دینار سے زیادہ کا جرمانہ سزا ہوگی۔

میں یہ عبرت اور تاریخ کیلئے ذکر کر رہا ہوں اور تا کہ حق کے متلاشی اس شرکی رستوں کی رسوائیوں کو جان لیں جن (راستوں) کو ان جہنم کے دروازوں پر کھڑے داعیوں نے اختیار کیا ہے۔یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بھائی ان شرکی راستوں یعنی پارلیمنٹ وغیرہ سے بچو تو وہ مصلحت دعوت کا عذر کرتے ہیں۔ پھر زیادہ دیر نہیں لگتی کہ وہ خود طواغیت اور ایسے ارباب قانون ساز بن جاتے ہیں جو طاغوت اکبر کے رستے اور مصلحت کی طرف بلاتے ہیں۔اس کے باوجود ان کو شرم نہیں آتی کہ وہ جھوٹ و بہتان سے اللہ کی طرف دعوت اور اس (دعوت) کی مصلحت کے (بہانے) کے ساتھ (اپنی کفری گندگی کو) صاف کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

میں کہتا ہوں: مگر جو توبہ کر کے طاغوت کی عبادت سے بچا اور اس سے بری ہوا پھر ہدایت پر چلا (وہ بچ گیا)۔

❀❀❀❀❀

○ شبہ: ہم مسلمان کو اسکے گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے جب تک وہ اس کو حلال نہ جانے۔

اگر آپ پچھلی باتیں سمجھ گئے ہیں تو ضرور آپ پر بات واضح ہو چکی ہو گی کہ ان کا (یعنی سلف کا) قول کہ ہم مسلمان کو اس کے گناہ کے سبب کافر نہیں کہتے جب تک وہ اسے حلال نہ سمجھے۔ یہ بات مطلقاً نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ اس پر قیود لگائی جائیں۔تو ہم کہتے ہیں کہ ''ہم مسلمان کو اس کے غیر کفری گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے جب تک وہ اسے حلال نہ جانے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سے مذاق اور اس کے دین سے مذاق گناہ ہے اللہ اور رسول کو گالی گناہ ہے، بت کو سجدہ کرنا گناہ ہے، اور قرآن کو گندگی میں پھینکنا گناہ ہے، انبیاء کو قتل کرنا گناہ ہے۔اللہ کے ساتھ شریعت سازی گناہ ہے۔اور اس کے باوجود آپ جانتے ہیں کہ یہ سب کام کرنے والا کافر ہے چاہے وہ اُسے حلال سمجھے یا نہ۔ پس کچھ گناہ کفریہ ہیں۔اور کچھ صرف گناہ ہیں جو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتے پہلے قسم کے گناہوں میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ حلال جانا یا نہیں برخلاف دوسری قسم کے تو ان کے بارے میں اس کے سوا چارا نہیں ہے کیونکہ اس کے کرنے والا اصلاً فاسقِ ملّتی ہے نہ کہ کافر۔ پھر (سلف کا) یہ قول (کہ: ہم مسلمان کو اس کے گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے جب تک وہ اسے حلال نہ جانے) اللہ کی طرف سے تو نازل نہیں ہوا ہے کہ اللہ کے کلام اور اس کے رسول ﷺ کے کلام سے اس کا تعارض کیا جائے (اور اسے ان دونوں کے ساتھ ٹکرایا جائے) جیسا کہ مرجئہ عصر کے جہال کرتے ہیں اگر چہ بعض لوگ اس مقولہ کو کلامِ نبی ﷺ بنا دیتے ہیں۔یہ صحیح نہیں او وہ موضوع حدیث ہے جس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ ابن القیم رحمہ اللہ نے بدائع الفوائد (۴/۴۲) میں ذکر کیا۔اس قبیل سے یہ روایت ہے جو انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے

کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں اصل ایمان میں سے ہیں۔جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہہ دیا (اس کو قتل کرنے سے رک جائیں) اور اُسے گناہ کے سبب کافر نہ کہیں اور ہم اُسے کسی عمل کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں کریں گے......) (الحدیث) اسے ابوداؤد اور ابویعلیٰ نے روایت کیا اور وہ حدیث صحیح نہیں اُسے انس رضی اللہ عنہ سے یزید الرقاشی نے روایت کیا۔ابوحاتم رحمہ اللہ نے کہا: رقاشی نے انس رضی اللہ عنہ سے بہت روایات کیں اور ان میں کلام ہے اور اسکی حدیث ضعیف ہیں۔ ابن حبان نے کہا: عبادت کی وجہ سے حدیث کے حفظ سے غافل رہا یہاں تک کہ حسن رحمہ اللہ کی بات کو انس رضی اللہ عنہ کی بات کہہ دیا کرتا تھا۔تو اس سے روایت حلال نہیں مگر صرف تعجب کے لئے [1]

اسی طرح طبرانی کبیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ''اہل ''لا الٰہ الا اللہ'' سے باز رہو اور انہیں گناہ کے سبب کافر نہ کہو جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنے والے کو کافر کہا وہ کفر سے زیادہ نزدیک ہے''۔اس روایت میں ضحاک بن حُمرۃ اور علی بن زید بن جدعان دونوں ضعیف ہیں۔

اس قوم مرجئہ کا کل اثاثہ یہی ضعیف اور متکلم فیہ روایات ہیں۔حتی کہ اگر ان روایات میں سے کچھ ثابت بھی ہو جائیں تو چاہیے کہ اس کو کتاب وسنت کے مطابق بیان کریں اور اُسے سمجھیں جو سلف نے سمجھا مرجئہ عصر کی خواہشات کی طرح نہیں یہ اس کیلئے ہے جس نے توحید کو حق جانا اور نواقض اور شرک اور شریک بنانے سے بچا۔جیسا کہ اس کے بیان میں بعض احادیث آئی ہیں۔اس میں نبی ﷺ کا قول ''جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا اور اللہ کے علاوہ جس کی عبادت کی جاتی ہے اس کا انکار کیا اس کا مال خون اور حساب اللہ پر حرام ہے۔'' (رواہ مسلم)

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اور (حدیث کے) یہ (الفاظ کہ: ''اور اللہ کے علاوہ

---

[1] شیخ عبداللطیف رحمہ اللہ (مصباح الظلام: ص: ١٦٦) میں کہتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ اس کی روایت موقوف ہے مرفوع نہیں۔اور اس میں آخری جملہ (جب سے اللہ نے مجھے بھیجا جہاد جاری ہے) وہ روایت کی جاتی ہے۔

جس کی عبادت کی جاتی ہے اس کا انکار کیا'' ان معانی میں سے ہیں) جو سب سے زیادہ وضاحت کے ساتھ آپ کو لا الہ الا اللہ کا معنی بیان کرتا ہے، ان الفاظ نے نہ اس کلمہ کے تلفظ کو جان و مال کو بچانے والا بنایا، بلکہ نہ ہی اس کے تلفظ کے ساتھ اس معنی کی معرفت کو (جان و مال کا بچانے والا) بنایا، بلکہ نہ ہی اس کلمے کا اِقرار (مجاہد کی تلوار سے جان و مال کا بچانے والا بنایا) بلکہ اس کا اس طرح ہونا بھی (اس کی جان و مال کی حفاظت نہیں کرسکتا) کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں پکارتا۔ بلکہ اس کی جان و مال اس وقت تک حرام نہیں ہوں گے جب تک وہ اس (تلفظ، اس کے معنی کی معرفت، اس کے اقرار اور اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارنا) کے ساتھ ساتھ اللہ کے علاوہ جس کی عبادت کی جاتی ہے اس کا انکار شامل نہیں کرتا۔'' یہ بات معلوم ہے کہ لا الہ الا اللہ میں نفی مختلف معانی کو شامل ہے ایک معنی وہ جو اس حدیث نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا کہ ''وكفر بما يعبد من دون الله'' کہ اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے اس کا انکار کیا۔ (تو یاد رکھو ان الفاظ میں) اس نفی والے معنی کی تاکید ہے جن کو اس لا الہ الا اللہ کے بعد لائے ہیں باوجود اس کے کہ یہ نفی والا معنی اس (لا الہ الا اللہ) میں (پہلے سے) موجود تھا (تو ان الفاظ کا لا الہ الا اللہ کے بعد لانا) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ (اللہ کے علاوہ جس کی عبادت کی جاتی اس کا انکار کرنا) اس (لا الہ الا اللہ) کے سب سے اہم معانی میں ہے۔ اسی کے بارے میں حدیث نے بیان کیا کہ ''اللہ کے علاوہ عبادت کا کفر'' اس معنی کی تاکید کرنا اس کے باوجود یہ معنی پہلے جملے میں موجود تھا اس کی اہمیت ثابت کرتا ہے۔ اور اس بارے میں مزید کلام ان کے اس شبہ کے ذکر میں آئے گا کہ: ''وہ لوگ تو ''لا الہ الا اللہ'' کہتے اور نمازیں پڑھتے ہیں'' اور یہی حال لفظِ ''اہل قبلہ'' میں ہے جیسے سلف اس طرح کے اقوال میں ذکر کرتے ہیں۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کہا گیا ''کیا تم لوگ اہل قبلہ میں سے کسی کو مشرک کہتے تھے؟ کہا معاذ اللہ، اور اس بات سے

ڈر گیا پھر کہا: کیا تم ان میں سے کسی کو کافر کہتے تھے؟ کہا: نہیں'' (رواہ ابو یعلیٰ و طبرانی کبیر)

اسی طرح عقیدہ طحاویہ میں آیا ہے جس کا مرجئہ کے چوزے اس کا معنی سمجھے بغیر بار بار ورِد کرتے ہیں'' ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو اس کے گناہ کے سبب کافر نہیں کہتے جب تک وہ گناہ کو حلال نہ سمجھے'' اہل قبلہ سے مراد وہ نہیں جو عموماً نماز پڑھتے ہیں اگرچہ وہ (دین کے) دوسرے ابواب سے یا دوسرے ابواب میں مرتد ہوں۔ بلکہ مراد مؤحد مسلمان ہیں جو نواقضِ اسلام سے بچتے ہیں۔اس دلیل کے ساتھ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے زکاۃ سے منع کرنے والوں کو کافر کہا اور بعض سلف نے رمضان کے روزے چھوڑنے والے کو اور حج نہ کرنے والوں کو کافر کہا جیسا کہ آگے آرہا ہے ۔اسی طرح یہ مطلب نہیں کہ صرف نماز کفر سے بچاسکتی ہے چاہے وہ اللہ سے شرک کرے اور غیر اللہ کی عبادت کرے نماز توحید کے بغیر قبول نہیں جو کہ اصل ایمان اور اس کی شروط میں سے ہے ۔اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔ (اہل قبلہ) مؤحدین اور ان کی تکفیر سے منع کرنے کی مراد یہ ہے کہ ان کو مطلق گناہوں کی وجہ سے کافر نہ کہا جائے (یعنی) ان گناہوں کی وجہ سے جن کے مرتکب کو کافر نہیں کہا جاتا۔ اس کی وجہ سے تو صرف خوارج ہی کافر کرتے ہیں اور جو انکے مذہب پر ہوتا ہے۔اسی لئے طحاویہ کے شارح نے (ص ۳۱۶) پر کہا: ''شیخ رحمہ اللہ اس کلام کے ذریعے خوارج کے کلام کے رد کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ جو کہ ہر گناہ کے سبب کافر کہتے ہیں۔اور (ص: ۳۱۷) پر کہا'' اسی لئے بہت سے ائمہ نے مطلق اس قول کے کہنے سے پرہیز کیا کہ ہم کسی کو گناہ کے سبب کافر نہیں کہتے۔ بلکہ یہ کہا جائے گا'' ہم ہر گناہ کے سبب کافر نہیں کہتے جیسا خوارج کرتے ہیں۔نفی عام اور نفی عموم میں فرق ہے اور واجب نفی عموم ہے۔ جو کہ خوارج کے قول کا مناقض ہے وہ ہر گناہ کے سبب کافر کہتے ہیں اسی لئے (اُسے مقید کیا) شیخ رحمہ اللہ نے اپنے اس قول سے کہ ''جب تک اُسے حلال نہ سمجھے'' اور ان کی اس بات میں ان کی مراد کی طرف اشارہ ہے

ہر عملی گناہ کی طرف نا کہ علمی طور پر کیا گیا گناہ‘‘۔

میں کہتا ہوں: عملی گناہ کی اصطلاح سے ان کی مراد غیر مکفر گناہ ہیں۔جیسا کہ ان کے ابتدائی کلام سے واضح ہے۔جبکہ مطلقاً اعمال کے بارے میں جیسا کہ آپ نے جانا کہ تفصیل ہے اوراس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔اسی سے آپ پر طواغیت کیلئے ان کے اس مقولہ کے ذریعے حجت کا بطلان ظاہر ہوتا ہے اوران کے اس زعم کا باطل ہونا (بھی ظاہر ہوتا ہے) کہ اس لفظِ مطلق پر اجماع ہوا ہے اوران کا اس لفظ کے بارے میں فہم فاسد کا (باطل ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے)۔ [1]

اورآپ کیلئے امام اہل سنت والجماعت کا اس بارے میں قول ذکر کیا جارہا ہے:

خلال رحمہ اللہ نے کہا: ہمیں خبر دی محمد بن ہارون نے کہ اسحاق بن ابراہیم نے ان کو بیان کیا کہا: میرے سامنے ایک آدمی نے ابوعبداللہ سے سوال کیا اور کہا: اے ابوعبداللہ کیا مسلمین کا ایمان بالقدر خیر وشر پر اجماع ہے؟ ابوعبداللہ نے کہا: جی ہاں۔کہا: کیا ہم کسی کو گناہ کے سبب کافر نہ کہیں؟ تو ابوعبداللہ نے کہا: چپ رہ، جس نے نماز چھوڑی وہ کافر ہوا۔اور جس نے کہا قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہوا۔ [2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ’’مسلمان اس پر متفق ہیں کہ جو دوشہادتیں (کلمہ) نہ

---

[1] ’’اس لفظ سے‘‘ مراد سلف کا یہ قول ہے: ’’ہم کسی کو گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہیں گے‘‘۔

[2] اسے مسند سے نقل کیا ہے جو احمد شاکر رحمہ اللہ کی تحقیق ہے۔(۱/۹۷) اورشاید شیخ عبداللطیف رحمہ اللہ کا مقصد یہ اثر تھا اس کے ردّ میں جس نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے زمانے میں قبر پرست اہل کویت کو اہل قبلہ شمار کیا تھا۔جب (مصباح الظلام: ص:۱۴۴) پر فرمایا: ’’(کہ جس نے قبر پرستوں کو اہل قبلہ میں شمار کیا) اس کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے علماء کی اس بات کو کہ: ’’اہل قبلہ کو گناہوں کی وجہ سے کافر نہیں کہا جائے گا‘‘، نہیں سمجھا، نہ اس بات کی اصل کو جانا اور نہ اس مقصد کو سمجھا جس مقصد کے لیے یہ بات کہی گئی ہے‘‘ تو اس کی باتیں اندھیروں پر اندھیرے ہیں۔امام احمد رحمہ اللہ نے لوگوں کے اس قول کا انکار کیا کہ ’’ہم گناہ کے سبب اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے‘‘، مع اس کے کہ مراد اُس کا جس نے یہ بات کہی تھی صحیح تھا امام احمد رحمہ اللہ نے اس (مراد) سے منع نہیں کیا تھا۔لیکن معاملہ الفاظ اور عمومیات اور جو اس میں سے قبول اور منع کیا جاتا ہے اس کا ہے‘‘۔

کہے وہ کافر ہے۔جبکہ چار کاموں یعنی نماز، زکاۃ روزہ اور حج کے تارک کی تکفیر میں اختلاف ہے ۔اور ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ گناہ کے سبب کسی کو کافر نہیں کہا جاتا۔ ہمارا مطلب زنا اور شراب پینے جیسے گناہ ہیں۔رہی یہ مَبَانی (نماز، زکاۃ، روزہ اور حج) تو اس کی وجہ سے کسی کو کافر قرار دینے کے بارے میں اختلاف مشہور ہے (فتاوی:۷/۳۰۲)

میں کہتا ہوں: پھر ان اصول کا کیا کہیے جس کے بغیر یہ بنیادیں قبول نہیں؟؟؟ یہ تمام باتیں دلالت کرتی ہیں اس بات پر کہ(۱): مذکورہ اجماع باطل ہے۔(۲):اس بات کے وجوب پر کہ اس قول کو اس کی وضاحت کرنے والی دوسری دلائل کی روشنی میں سمجھا جائے بالکل اسی طرح جس طرح سلف نے اسے سمجھا تھا اور (۳):اس کی تقیید پر جس طرح (سلف نے) اسے مقید کیا تھا۔

○ شبہ:

عبداللہ بن شقیق العقیلی کے قول کے ساتھ ان کا استدلال کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز کے علاوہ کسی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے مرجئہ کے بعض چوزے طواغیت کی پیوند کاری کے لیے عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ کے قول سے دلیل لیتے ہیں کہ: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نماز کے علاوہ کسی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔'' تو جب ہم ان کے ساتھ تساہل سے کام لیں اور اس جیسے اقوال کے حجیت کے مسئلے میں (کہ یہ اقوال دلیل بن سکتے ہیں یا نہیں؟) اور علماءِ اصول کا اس میں خلاف کے بارے میں بات کو ہم مؤخر کریں خاص طور پر اس وقت جب اس قول کے مخالف ومعارض صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے پائے جائیں اور ہم اس قول کی مراد کی طرف منتقل ہو جائیں ۔تو ہمارے اوپر لازمی طور پر ان اعمال کا جاننا واجب ہے جن کی طرف اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے۔تو یا تو ہم ان کو مطلق قرار دیں گے اور ان میں ہر اس عمل کو داخل کریں گے جس کو عمل کہا جاتا ہے، تو پھر ان میں توحید اور طاغوت سے انکار وغیرہ (سب) داخل ہوں گے۔کیونکہ یہ بھی اعمال

ہیں۔مگر یہ(توحید وطاغوت سے انکار کا ان میں داخل کرنا) باطل ہے کیونکہ ان دونوں کا چھوڑنا بالاتفاق کفر ہے۔یا ان (اعمال کو جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے)اس (توحید اور طاغوت سے انکار) سے چھوٹے اعمال کے ساتھ مقید کریں (یعنی ہم یہ سمجھیں کہ اوپر عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ کے قول میں جن اعمال کو کفر سے مستثنیٰ قرار دیا تھا وہ اعمال توحید اور کفر بالطاغوت نہیں ہیں بلکہ ان دونوں سے چھوٹے اعمال ہیں)تو اس قول سے ہمارے زمانے کی شرکی بلا کے لیے دلیل لینا باطل ہوجائے گا جس بلا کا اس وقت وجود ہی نہ تھا جس وقت یہ قول کہا گیا تھا(شرکی بلا سے)میری مراد''اللہ کی شریعت کے تحکیم کو چھوڑنا اور محلی اور دولی طواغیت کی تحکیم کو ماننا) ہے ۔(دولی سے مراد بین الاقوامی طواغیت اقوام متحدہ،حقوق انسانی وغیرہ ہیں۔اور محلی طواغیت سے مراد اپنے گھر کے بڑے سے لے کر حکومت کے سربراہ تک کے لوگ)۔

خاص طور پر جیسا کہ آپ نے گزشتہ (صفحات سے) جان لیا ہے کہ معاملہ صرف بعض شریعت کے حکم کو کبھی کبھی چھوڑنے کا نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے حدود سے مطلقاً پھرنا،اور قانون سازی و (شریعت کو) تبدیل کرنا ہے۔اس کا مطلب طواغیت کے دین میں داخل ہونا ان کی عبادت کرنا ان کو ارباب یعنی قانون ساز بنانا (یعنی)ان کو قانون سازی میں اطاعت کرکے اور ان سے اور ان کے بنائے ہوئے قوانین سے عدم براءت کے ذریعے اور اس (شرکی بلا) میں صرف توحید کو چھوڑنا اور اس سے اعراض کرنا نہیں ہے بلکہ (اس کے ساتھ ساتھ)اس میں اس توحید کو منہدم کرنا اور اس کے خلاف لڑنا بھی ہے۔اور یہ معلوم ہے کہ وہ اصل جس میں ہمارا جھگڑا ہے (ایسا نہیں ہے) کہ اس کے خلاف جنگ کرنے والا،اس کو منہدم کرنے والا اور اس سے روکنے والا ہی کافر ہو بلکہ اس کا صرف چھوڑنے والا اس سے اعراض کرنے والا بھی کافر ہوگا،کیونکہ اس (اصل کو چھوڑنا) نہ کسی مستحب عمل کو چھوڑنے (کی طرح ہے)اور نہ ہی اس واجب کو (چھوڑنے کی

طرح ہے)جو ان واجبات میں سے ہو کہ جن کا تارک گناہگار تک نہیں ہوتا، بلکہ یقیناً یہ (چھوڑ نا)اسلام کے بنیادی اصل کو چھوڑ نا اور اس سے منہ موڑ نا ہے،اور اس شرط سے (منہ موڑ نا ہے) کہ جس شرط کے بغیر اعمال میں سے کوئی بھی عمل قبول نہیں ہوتا،(تو جب اس اصل کو صرف چھوڑنے والا اور اس سے اعراض کرنے والا کافر ہو جاتا ہے)تو پھر اس اصل کو منہدم کرنے والے،اس کے خلاف جنگ کرنے والے اور اس سے روکنے والے کا کیسا معاملہ ہو گا؟؟ بہر حال یہ مناسب نہیں ہے کہ اس (عبداللہ بن شقیق کے)قول پر اس سے زیادہ بوجھ ڈالا جائے جتنا وہ اٹھا سکتا ہے کیونکہ وہ کفر کے اُن عملی یا قولی شاخوں کے بارے میں بات نہیں کر رہا ہے کہ جن میں سے اکثر کو آپ پچھلے مباحث میں پڑھ چکے ہیں، بلکہ وہ تو ایمان کے عملی شاخوں کے چھوڑنے کے بارے میں بات کر رہا ہے (اور یہ تو معلوم ہے) کہ وہ تمام اعمال جو ایمان کے عملی شاخوں میں سے ہوں (ایسے نہیں ہیں) کہ (ان میں سے ہر ایک کا) چھوڑ نا کفر ہو،جیسا کہ تکلیف دہ چیز کا راستے سے ہٹانے (کو)سادگی شرم وحیاء کو اور اپنے بھائی کے لیے اس چیز کو چاہنے کو جو اپنے لیے چاہتے ہو وغیرہ کو (چھوڑ نا)تو یہ (سب) کو معلوم ہے کہ جب ان جیسے شاخوں میں سے کوئی شاخ گر جائے تو نہ ایمان بالکلیہ زائل ہو جاتا ہے اور نہ ختم ہو جاتا ہے (یعنی نہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے) بلکہ اس کے بقدر (ایمان) کم اور ناقص ہو جاتا ہے اگر یہ گناہ ایمان کے واجبات میں سے ہو تب۔اور ایمان کی وہ شاخیں جو ایمان کے اصل و بنیاد سے ہوں تو ان کے زائل ہونے سے یا ان کے کچھ حصے کے زائل ہونے سے ایمان یقیناً زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ نماز جس کا ذکر اس (عبداللہ بن شقیق کے)قول میں ہوا کہ وہ صرف ایک عملی شاخ ہے جس کا چھوڑ نا ایمان کے مناقض ومنافی ہے۔اور یہ اس لیے کہ اہل سنت سمجھتے ہیں کہ ایمان عقیدہ قول وعمل ہے۔تو بعض اعمال ان کے نزدیک وہ ہیں جو مستحب ایمان کے کمال میں سے ہیں اور بعض اعمال وہ ہیں جو

واجب ایمان میں سے ہیں ،اور بعض اعمال وہ ہیں جو ایمان کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہیں ،ابن قیم رحمہ اللہ کتاب الصلاۃ ص (۵۳) پر فرماتے ہیں کہ:''جب ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں اور ہر شاخ کو ان میں سے ایمان کہا جاتا ہے جیسا حیاء اور توکل......آخر تک ۔یہاں تک کہ یہ شاخیں راستے سے تکلیف دہ چیز کے ہٹانے پر ختم ہوتی ہیں کیونکہ یہ بھی ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے،اور ان شاخوں میں سے بعض وہ ہیں جن کے زائل ہونے سے ایمان ختم ہوجاتا ہے جیسا کہ (کلمۂ) شہادت کی شاخ ،اور بعض وہ ہیں جن کے ختم ہونے سے (ایمان) ختم نہیں ہوجاتا جیسا کہ تکلیف دہ چیز کے ہٹانے کو چھوڑنا'' (ابن قیم رحمہ اللہ کی بات جن کو) مختصراً (نقل کیا گیا) ختم ہوگئی۔

یہ (مذکورہ بالا وضاحت) اہل سنت کے نزدیک ہے۔رہی بات مرجئہ ،جھمیہ اور ان کا جو ان کے مذہب پر ہیں تو وہ اس بارے میں کہ ایمان کس چیز کو کہا جاتا ہے اور ایمان کے ساتھ اعمال کے تعلق کے بارے میں تخبّط کا شکار ہیں اور اپنے اٹکل سے غلط راستے پر چل رہے ہیں۔اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے نزدیک اعمال میں سے کوئی عمل ایسا نہیں ہے کہ جس کے زائل ہونے سے ایمان زائل ہوتا ہو۔ابن قیم رحمہ اللہ کی بات (جو اوپر نقل کی گئی کہ کلمہ شہادت کی شاخ کے زائل ہونے سے ایمان ختم ہوجاتا ہے) میں آپ غور کریں ......کیوں کہ ہماری ساری بات اسی شہادت کی شاخ کے گرد گھومتی ہے......رہی یہ بات کہ (عبداللہ بن شفیق رحمہ اللہ) کا یہ قول ثابت کرتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز کے علاوہ ایمان کے عملی شاخوں میں سے کسی بھی شاخ کے چھوڑنے والے کو کافر نہیں سمجھتے تھے،تو اس بات سے یہ سمجھنا مناسب نہیں ہے کہ یہ اُن رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف سے اجماع تھا، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ یہ ان میں سے بعض کا قول تھا۔مگر اپنا قول انھوں نے عام کیا اس کے شان کی عظمت کی وجہ سے کیوں کہ اس قول کا ظاہر صحابہ رضی اللہ عنہم اور

ان کے اتباع کی پوری جماعت کے اقوال کا مخالف ہے، خاص طور پر ان اعمال کے بارے میں جن کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''مبانی'' کہتے ہیں، اور یہ اپنے محل میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اور اہل علم نے بھی اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا جو انھوں نے ایمان کے متعلق تصنیف کیے ہیں۔

اور اس بارے میں بہت کچھ بیان ہوا جسے اہل علم نے کتاب الایمان کے باب میں تصنیف کیا بلکہ وہ قول تو صحابہ کے اجماع کے مخالف ہے۔ انھوں نے زکاۃ سے منع کرنے والوں کے خلاف لڑنے پر کیا تھا (اور ان کے خلاف یہ) لڑنا مرتد ہونے کی وجہ سے تھا (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے زکاۃ نہ دینے کو ان کا مرتد ہونا قرار دیا پھر ان کے خلاف لڑے) ان رضی اللہ عنہم کا اجماع اس مناظرے کے بعد ہوا تھا جو ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان مانعین زکاۃ کے خلاف جنگ کے بارے میں ہوا تھا۔ اور یہ معلوم ہے کہ ان لوگوں کی اکثریت نے زکاۃ کا انکار نہیں کیا بلکہ مجرد منع کیا تھا۔ اس کے باوجود صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مل کر ان سے جہاد کیا۔ اور ان کا یہ جہاد اہل ردّہ کے خلاف جہاد تھا ۔ پس ان کا خون، مال کو حلال کیا بلکہ ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنایا اور محمد بن الحنفیہ بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ بھی اسی طرح کی ایک عورت کے بیٹے تھے۔ اور یہ کام (جہاد) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقبات میں شمار ہوا۔ تو پھر اس بارے میں کیا خیال ہے کہ اگر ہمارا معاملہ (طاغوت کی تکفیر) پر مبنی ہو جو کہ تمام شعب ایمان کی طرح شعبہ نہیں بلکہ وہ اس سے بلند اور بڑا ہے بلکہ وہ تو اصل ایمان اور اس کے قواعد کا نصف ہے۔

شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمان بن حسن آل شیخ رحمۃ اللہ علیہ (مصباح الظلام: ص: ٦٥ طبعہ دارالھدایہ ریاض) میں کہتے ہیں: ''أصل اسلام اور اس کے مبانی کی وہ شان ہے جو دوسری سنن کی نہیں۔ اسی لئے اس کا انکار کرنے والا کافر ہے اور اس سے جہاد کیا جائے گا بلکہ اس کو چھوڑنے والا بھی جمہور اسلاف کے نزدیک کافر ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ان (علماء) کے اقوال اس موضوع سے متعلق بہت جگہوں پر ذکر کئے ہیں دیکھئے (الفتاوی:۷/۳۰۲) میں جہاں انھوں نے کہا: امام احمد رحمہ اللہ کے اس بارے میں کئی قول ہیں اور ان کی ایک روایت یہ ہے کہ بندہ کسی ایک کو چھوڑنے کی وجہ سے بھی کافر ہوجاتا ہے۔

۞ اسی قول کو ابی بکر اور امام مالک رحمہم اللہ کے کچھ ساتھیوں نے اختیار کیا ہے جیسے ابن حبیب۔

۞ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک اور روایت ہے کہ: صرف نماز اور زکاۃ کے ترک سے کافر ہوگا۔

۞ تیسری روایت ہے کہ: نماز اور زکاۃ کے چھوڑنے سے آدمی اس وقت کافر ہوگا جب اس کے خلاف حکم جنگ پر اتر آئے (مگر وہ......)۔

۞ چوتھی روایت کہ: صرف نماز کو ترک کرنے سے کافر ہوگا۔[1]

۞ پانچویں روایت کہ: کسی بھی چیز کے ترک سے کافر نہیں ہوگا۔

اور یہ سب سلف کے معروف اقوال ہیں۔

۞ اسی طرح (۷/۲۰۹) میں ان کا قول ہے: ''اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ترک روزے اور حج کی وجہ سے کافر ہوگا اگر یہ عزم کیا کہ کبھی حج نہیں کرے گا''۔

۞ اور حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ کا قول ہے (۷/۳۰۲) پر نقل کیا ہے: ''جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی کافر ہوا جس نے متعمداً زکاۃ نہ دی کافر ہوا۔ اور جس نے حج ترک کیا متعمداً کافر ہوا اور جس نے متعمداً رمضان ترک کیا کافر ہوا''۔

۞ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے ''جس نے متعمداً نماز ترک کی اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا۔ اور جس نے زکاۃ کو قصداً ترک کی تو اس نے اللہ کا کفر کیا اور جس نے متعمداً

---

[1]: کہ یہ اسی رائے کی (ترجمانی کررہا ہے) جس کی طرف عبداللہ بن شفیق اپنے مذکورہ بالا قول میں اشارہ کررہا تھا۔

رمضان کے روزے ترک کیے اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا''۔

اور محمد بن نصر رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے(۳۳۳/۷): ''جس کا ظاہری عمل اسلام پر ہوا اور ایمان بالغیب کی بنیاد کی طرف نہیں لوٹتا وہ منافق ہے ایسا نفاق جو ملت سے خارج کردے۔اور جو ایمان بالغیب کو مانے اور احکام الایمان اور شریعت اسلام پر عمل نہ کرے تو وہ کافر ہے ایسا کفر جس کے ساتھ توحید ثابت نہیں ہوتی۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی کتاب (السنة: ۱/ ۳٤۷) میں کہتے ہیں: ''ہمیں سوید ابن سعید نے بیان کیا کہا ہم نے سفیان بن عیینہ نے ارجاء کے بارے میں سوال کیا: پس انھوں نے کہا: مرجئہ کہتے ہیں ایمان قول ہے۔اور ہم کہتے ہیں ایمان قول وعمل ہے اور مرجئہ نے ''لا الہ الا اللہ'' کہنے والے پر جنت واجب کی چاہے وہ ترک فرائض پر دل سے اصرار کرے۔انھوں نے ترک فرائض کو گناہ بمنزلہ محارم کے ارتکاب کا نام دیا۔اور یہ برابر نہیں کیونکہ محارم کا ارتکاب کرنا بغیر استحلال کے معصیت ہے۔اور فرائض کو جان بوجھ کر بغیر لاعلمی اور عذر کے ترک کرنا کفر ہے۔(اُوپر جو باتیں ہوئیں) ان کی وضاحت آدم علیہ السلام ابلیس اور علماءِ یہود کے قصوں میں (موجود) ہے۔آدم علیہ السلام کو اللہ نے جنت (کا پھل) کھانے سے منع کیا تھا اور اسے اس پر حرام کیا تھا مگر انھوں نے تعمداً کھالیا تاکہ وہ فرشتے یا وہ ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہوجائیں تو بغیر کفر کے گناہگار کہلائے اور ابلیس لعین پر اللہ نے ایک سجدہ فرض کیا مگر اس نے جان بوجھ کر انکار کیا تو کافر کہلایا۔اور علماء یہود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جان لیں تھیں اور یہ کہ وہ نبی اور رسول ہیں بالکل اسی طرح جیسے وہ اپنے بیٹوں کو جانتے تھے۔اس کا اقرار زبان سے انھوں نے کیا لیکن اس کی شریعت کی پیروی نہ کی تو اللہ نے انہیں کافر کہا پس محارم کے ارتکاب آدم علیہ السلام کے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے گناہ جیسا ہے۔اور فرائض کا انکار کرکے ترک کرنا کفر ہے جیسا کہ ابلیس

ملعون نے کیا۔اور علم کے باوجود بغیر انکار کے ترک کرنا کفر ہے جیسا علماء یہود کا کفر تھا''۔

میں کہتا ہوں: کہ جب ترک فرائض اور مبانی جو کہ شعب ایمان میں سے ہیں کے بارے میں یہ اقوال ہیں تو پھر ترک بلکہ عدم فرائضِ عظمٰی اور اصل اور اس کے بارے میں کیا قول ہوگا اور وہ کفر بالطاغوت اور تمام انواعِ عبادت کے ساتھ اللہ کی توحید ہے۔اور یہاں ہماری مراد''شرع سازی میں اطاعت ہے''؟ یعنی فرائض میں سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ آدمی شریعت سازوں کا اور ان کی شریعت سازی کا انکار کرے، اور ان کی اطاعت کو کفر سمجھے۔

○ یہ طواغیت اور ان کے پیروکار''لا الٰہ الا اللہ'' کہتے ہیں''لہٰذا انہیں کافر نہیں کہنا چاہیے''۔

اور ان لوگوں (یعنی مرجئۃ العصر) کا یہاں ایک اور شبہ بھی ہے جس کا تعلق اس سے پہلے شبھے سے ہے۔جو انھوں نے اپنے شیوخ (یعنی) مرجئۃ الاوائل سے وراثت میں لیا ہے۔اور وہ ہے ان کا بعض عمومی دلائل سے حجت لینا جو کہ نبی ﷺ سے ثابت ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو''لا الٰہ الا اللہ'' کہے وہ جنت میں داخل ہوا۔یا اس کا مال اور خون حرام ہوا۔'' اور جیسے اسامہ بن رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ''کیا تو نے اسے قتل کیا بعد اس کے کہ اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ) اور حدیث بطاقۃ وغیرہ۔

حق تو یہ ہے جس کو بھی اہل علم کی کتب کا علم ہے تو وہ جانتا ہے کہ ان کی کتابیں ان مسائل کے ردّ اور بیان میں بھری پڑی ہیں۔اور یہاں کوئی چیز مانع نہیں کہ طالب حق کے لئے ان کے اقوال میں سے اس بارے میں موضوع کو مکمل کرنے کے لئے کچھ اقوال چنوں۔اور سخت افسوس کے ساتھ (کہنا پڑتا ہے) کہ خاص طور پر میں نے ایسے بعض لوگوں کو بھی اس (شبہ) کے بارے میں

خلط اور بے چینی کا شکار پایا جو لوگ طواغیت کی تکفیر کرتے ہیں، ان سے براءت کرتے ہیں اور ان کی طرف سے جھگڑا بھی نہیں کرتے۔ [1]

وجہ یہ ہے کہ ان مسائل میں الجھنے اور پاگل پن سے۔ اور یہ جیسے ان کو تکفیر کی طرف منسوب کرنا اور اُن پر خوارج کے منہج کو اپنانے کی تہمت لگانا اور اسی طرح (ان) کو مختلف طریقوں سے فکری طور پر دہشت زدہ کرنا، (ان) کو روکنا اور (ان کو) ان شبہات میں مبتلا کرنا جو ہمیشہ جھمیہ اور مرجئہ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ جو جھوٹ و بہتان سے اپنے آپ کو سلف کے طریقے کی طرف منسوب کرتے ہیں تاکہ وہ (اس نسبت کے ذریعے) طواغیت، ان کی حکومت اور ان کی کفری پارلیمنٹ کا دفاع کرسکیں۔ اس شبہ پر کلام اور اس کا بطلان علماء کے نزدیک بہت سے طریقوں سے ہے۔ سب سے اہم یہ کہ مؤحد آدمی کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ شریعت تدریج کے ساتھ نازل ہوئی ۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں۔

امام ابوعبید القاسم بن السلاّم رحمہ اللہ کتاب الایمان میں اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ (النساء:۵۹)

”اگر تم کسی چیز میں جھگڑ بیٹھو تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ خیر ہے اور بہتر ہے انجام کے لحاظ سے۔“

---

[1]: مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگ اس شبھے کو نہ سمجھیں تو یہ کوئی افسوس کی بات نہیں مگر جو لوگ طواغیت کی تکفیر، ان سے براءت اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کرنے کے بارے میں ہمارے ساتھ ہیں وہ اگر اس شبھے کے بارے میں جہالت کا شکار ہیں تو یہ پھر سخت افسوس کی بات ہوگی۔ مقبول ہنگو حفظہ اللہ۔

ہم نے اپنا معاملہ اس چیز کی طرف پھیر دیا جس پر اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے اور اس پر کتاب نازل کی ہے۔ تو ہم نے پایا کہ ایمان کی شروعات اس گواہی سے ہے کہ ''لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ'' نبوت کے بعد نبی ﷺ مکہ میں دس یا کچھ زیادہ سال رہے اور خاص طور پر اسی کلمہ شہادت کی طرف بلاتے رہے اور اس کے علاوہ اس وقت دوسری چیز پر ایمان فرض نہ تھا جو ان چیزوں میں سے ہو جس کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا۔ تو جس نے اسے قبول کیا وہ مؤمن ہوا اس کے علاوہ اس کا کوئی نام نہ تھا۔ اور نہ ان پر زکاۃ روزہ اور نہ دوسرے شرائع دین فرض ہوئے تھے۔ تو صرف زبان سے اقرار کرنا ہی اس وقت ایمان فرض بنا دیا گیا اور وہ مکہ میں اقامت تک اسی پر تھے اور چند مہینے ہجرت ❶ کے بعد مدینہ میں بھی تو جب لوگوں کا اسلام کی طرف پے در پے آنا شروع ہو گیا اور ان کی اس بارے میں رغبت اچھی ہو گئی تو اللہ نے ان کے ایمان میں اضافہ کیا اور ان کو نماز میں بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف پھیر دیا۔ پھر انہیں مدینہ

---

❶ اسی سے آپ پر مرجئہ کے شبہات میں سے ایک شبہ کا بطلان بھی واضح ہو گا۔ اور وہ ان کی اپنے طواغیت کے لئے حمایت ہے ان کا دعوٰی ہے کہ نجاشی نے اسلام لانے کے بعد اللہ کے نازل کردہ کے خلاف فیصلے کیے اس کے باوجود نبی ﷺ نے ان کو کافر نہیں کہا ۔ بلکہ اس کے اسلام کی گواہی دی اور مرنے پر جنازہ پڑھا (كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا) بہت بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور وہ تو صرف جھوٹ ہی کہتے ہیں۔ بلکہ اس نے تو اس وقت اللہ کے نازل کردہ پر فیصلہ کیا اور اس وقت ان پر جو واجب تھا وہ کیا۔ اس وقت شریعت مکمل نہ تھی۔ تو استسلام اور انقیاد اور اقرار کلمۂ شہادت کا اور جو کچھ اس کے ضمن میں ہیں ان سے براءت کے جو اللہ کے علاوہ عبادت کئے جائیں وہی ایمان اور اتباع شریعت اور اللہ کے نازل کردہ پر حکم کرنا تھا یعنی اس وقت اللہ کے نازل کردہ احکام پر فیصلہ، ایمان اور شریعت کی اتباع لا الٰہ الا اللہ اور جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے ان سے براءت کا اقرار، اور اپنے آپ کو اس (لا الٰہ الا اللہ) کے حوالے کرنا تھا۔ خاص طور پر جب آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ نجاشی نے نبی ﷺ کو اس وقت لکھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں میں گواہی دیتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں بلکہ اسلام پر ان کی بیعت کرتا ہوں ۔ یہاں تک کہ بعض اہل حبشہ اس کی حکومت کے خلاف ہو گئے اس پر انھوں نے خروج کیا۔ اور وہ ان پر غالب آ گیا اور حبشہ کا معاملہ اس کے کنٹرول میں آ گیا اور اس کی قوم اس کے اسلام لانے کے برقرار رہنے پر راضی ہو گئی۔ اور راہبوں اور بڑوں نے اس کی پیروی کی دیکھیے (زادالمعاد: ٣/٦٢) پھر اسلام کے کچھ دیر بعد ہی فوت ہو گیا۔ اور یہ شرائع مکمل ہونے سے پہلے تھا جبکہ وہ نجاشی ⇐

میں پُرانے ایمان کے نام سے ہر اس چیز کے وقت پکارا جس میں ان کو حکم دیا گیا تھا یا منع کیا گیا تھا۔ان کو اس نام سے صرف اقرار کرنے کی وجہ سے پکارا جب اس کے علاوہ کوئی فرائض نہیں تھے۔اور جب اس کے بعد شرائع یعنی احکام نازل ہوئے تو ان کے اوپر یہ (احکام بھی) پہلے حکم (یعنی لا الٰہ الا اللہ) جیسے واجب ہوئے بالکل اسی طرح (لا الٰہ الا اللہ) جیسا ان دنوں میں کوئی فرق نہ تھا۔کیونکہ وہ سب اللہ کی طرف سے تھے اور اس کے حکم سے تھے۔تو اگر وہ تحویل قبلہ کے وقت انکار کر دیتے اس طرف نماز پڑھنے سے اور صرف اسی ایمان پر رہتے جو ان کا نام تھا اور جس قبلہ پر وہ تھے تو یہ ان کے کچھ بھی کام نہ آتا۔اور اس میں ان کے اقرار کا باطل ہونا لازم آتا (یعنی اگر وہ کعبہ کی طرف پھیرنے سے انکار کرتے تو وہ اپنے آپ کو لا الٰہ الا اللہ کے دعوے میں جھوٹے قرار دیتے)۔تو جب (لا الٰہ الا اللہ) کے اقرار کی طرح انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نماز (کا حکم) بھی مانا اور اسے قبول کیا تو اس وقت یہ (کلمہ ونماز) دونوں ساتھ ایمان بن گئے۔اور اسی میں وہ ایک زمانہ تک رہے تو جب ان کا نماز کی طرف جلدی جلدی اور دوڑتے ہوئے آنا شروع ہوا اور ان کے دل اس کے لئے شرح صدر ہو گئے اللہ نے زکاۃ کا فرض ان کے ایمان میں نازل کیا اس سے پہلے (کلمہ ونماز کے فہرست میں) شامل کرتے ہوئے۔پس اگر وہ اقرار کے وقت زکاۃ سے ممتنع رہتے (یعنی زکاۃ کے نہ دینے کا ارادہ رکھتے) بس صرف زبان سے دینے کا کہتے اور نماز پڑھتے مگر ساتھ ہی زکاۃ بھی نہ دیتے تو یہ پہلے کے (کلمہ ونماز دونوں) کو بھی ختم کر دیتے۔اس بات کی تصدیق ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم سے مل کر

⇐ جس کو نبی ﷺ نے کسری اور قیصر اور ہر جابر کے ساتھ حکمران کو بھی اسلام کی دعوت دینے کے لئے خط لکھا وہ اس نجاشی سے الگ تھا جو مسلمان ہوا۔اور نبی ﷺ نے اس کی نماز پڑھی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔اور ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی زاد المعاد میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔اور اس وہم کو ذکر کیا جو بعض رواۃ کو ہوا جو انھوں نے دونوں کو ملا دیا تھا اس بارے میں عبداللہ القنائی کی کتاب (کتاب الایمان :ص:۱۴۹) کا مراجعہ کریں۔

مانعین زکاۃ سے جہاد سے ہوتی ہے۔جیسا جہاد نبی ﷺ نے اہل شرک سے کیا ان دونوں صورتوں میں خون بہانے لونڈیاں بنانے اور مال غنیمت کے بارے میں کوئی فرق نہیں۔کیونکہ وہ صرف مانعین میں سے تھے انکاری نہیں تھے پھر اسی طرح تمام اسلامی شریعت ہے جیسے جیسے شریعت نازل ہوئی تو وہ پہلی چیزوں سے مل گئی اور تمام کا نام ایمان ہوا اس کے ماننے والوں کو مؤمنین کہا جائے گا۔اور یہی وہ جگہ ہے جہاں انھوں نے غلطی کی جو کہتے ہیں کہ ایمان قول ہے ۔جیسی غلطی انھوں نے نبی ﷺ کی اس حدیث کی تأویل میں کی جب ایک عجمی عورت کو آزاد کرنے کے بارے میں اُس شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا جس پر ایک مومن غلام یا لونڈی آزاد کرنا فرض ہو چکا تھا تو نبی ﷺ نے اس (عجمی عورت کے) آزاد کرنے کا حکم دیا اور اس عورت کو مؤمنہ قرار دیا،اور یہ اس بنا پر جو میں نے آپ کو ان کے ایمان میں داخل ہونے کے بارے میں ،ان کے قبول کرنے کے بارے میں اور ان کے اس چیز کی تصدیق کرنے کے بارے جو (اللہ کے دین) میں سے نازل ہوئی ہو بتایا ہے،کیونکہ (اللہ کا تمام دین) قرآن ہی کی طرح مختلف ،موقعوں پر نازل ہوتا تھا۔اور اس بناء پر اللہ کا ہمارے لیے دین کو مکمل کرنے کے بعد جو بھی اسلام میں داخل ہوگا۔اور ''لا الٰہ الا اللہ'' کا اقرار کرے گا۔اور شرک اور طاغوت سے بری ہوا اس کا خون اور مال محفوظ ہوا پھر اُسے شرائع اسلام کا حکم دیا جائے گا جو سب مسلمانوں پر واجب ہیں جن کو مبانی کہتے ہیں۔پس اگر اس پر عمل کیا اور لزوم کیا اور کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کے نواقض سے بچا تو اس کی وہ عصمت جاری رہے گی جس میں وہ داخل ہوا تھا اور (یہ عصمت ان کو) مجرد کلمہ توحید کے اقرار اور اس کے التزام سے (حاصل ہوگا)۔اگر کسی ناقض میں پڑ گیا یا کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی کسی شرط سے رک گیا تو اس کے مال وجان کی عصمت ختم ہوگئی یعنی اس کے خلاف مسلمانوں کو جنگ کرنا جائز ہوگا۔اس میں تفصیل ہے جو ان مبانی میں اختلاف سے متعلق ہے۔اور اس میں شروط تکفیر اور موانع

تکفیر بھی دیکھے جائیں گے۔ یہ آپ ﷺ کے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے اس قول سے سمجھ میں آتا ہے۔ فرمایا: ''پس اگر انھوں نے اسے تسلیم کرلیا'' یعنی کلمہ توحید جو کہ ان کے باطل دین سے براءت کو مستلزم ہے۔ ''نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں......'' (الحدیث) اسی لئے اگر کلمۂ توحید کا اقرار کرنے والا اور مشرکین سے اور اہل شرک سے براءت کرنے والا اقرار کے فوراً بعد مر گیا اور اسلام کے اعمال میں سے کوئی عمل نہیں کیا۔ اس پر عدم وجوب کی وجہ سے جیسے چاشت کے وقت اسلام لایا اور ظہر کے وقت سے پہلے فوت ہوا پس وہ مسلمان اور مؤمن مرا اس نے ایمان واجب ادا کر دیا۔ اور یہ اس آدمی کی طرح ہے جو نبی ﷺ کے پاس غزوہ [1] (احد) میں آیا اور کہا: جہاد کروں یا اسلام لے آؤں؟ فرمایا پہلے اسلام لاؤ پھر جہاد کرو'' پس وہ اسلام لایا اور جہاد کیا اور شہید ہوا آپ ﷺ نے فرمایا: ''تھوڑا عمل کیا اور زیادہ اجر لیا'' پس اس نے اس وقت اسی قدر عمل کیا جو اس وقت اس پر واجب تھا۔ اور وہ تھا نبی ﷺ کی مدد کرنا۔ اور اللہ کیلئے کوئی رکوع سجدہ کئے بغیر مر گیا۔ اسی بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (فتاوی: ۱۱/۵۱۹) میں کہتے ہیں: ''آدمی اگر رسول اللہ ﷺ پر ایمانِ جازم لے

---

[1] اسے بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا براء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے الفتح کے (کتاب الجہاد) میں (عمل صالح قبل القتال) میں ذکر کیا۔ کہ وہ غزوہ احد تھا۔ اور مغازی ابن اسحاق رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے: ''آدمی جنت میں گیا اور ایک نماز بھی نہیں پڑھی'' اس کا نام عمرو بن ثابت تھا۔ اس واقعہ کو اچھی طرح سمجھیں اور مرجۂ عصر آپ کو الجھا نہ دیں اور آپ کو نسائی کے الفاظ توڑ کر پیش کریں۔ کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کو غزوہ میں کہا ''اگر میں قوم پر چڑھ دوڑوں اور جہاد کروں اور شہید ہو جاؤں کیا میرے لئے بہتر ہے اور میں نے ایک نماز بھی نہ پڑھی ہو؟ فرمایا: ہاں'' وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کی اتباع میں سے تھا اور تارک نماز تھا نبی ﷺ نے اس پر نکیر نہیں کیا اور اسے کافر نہیں کہا۔ بلکہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھا اور اسے جہاد کے لئے نکالا۔ اور اُسے کہا تھا کہ اگر وہ اسی پر مر گیا تو وہ خیر پر مرے گا۔ بہت دوری ہے ان افہام اور عقول کے لیے جو بُقُول یعنی سبزی کے بدلے خریدے جانے کے لائق بھی نہیں۔ آپ تو یہ جان چکے کہ وہ آدمی غزوہ میں ایمان لایا تھا۔ تمام روایتیں ایک دوسرے کی وضاحت وتشریح کرتی ہیں۔

آئے اور نماز کے وقت کے دخول یا کوئی عمل واجب ہونے سے پہلے مرجائے تو وہ کامل ایمان کی حالت میں مرا جو اس پر واجب تھا۔ اگر نماز کا وقت داخل ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ نماز پڑھے اور اب اس پر وہ واجب ہو گیا جو اس سے پہلے نہیں تھا''۔ اور (۵۱۸/۷) پر فرماتے ہیں: ''اللہ نے جب محمد ﷺ کو مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا تو مخلوق پر واجب تھا کہ وہ اس کی تصدیق کریں جو انہیں بتایا۔ اور اطاعت کریں جو حکم دیا اور انہیں اس وقت پانچ نمازوں کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ رمضان کے روزوں کا۔ اور نہ حج کا۔ اور نہ ان پر شراب اور سود حرام کیا تھا وغیرہ۔ اور نہ بہت زیادہ قرآن نازل ہوا تھا۔ جس نے اس وقت اُس چیز میں آپ ﷺ کی تصدیق کی جو قرآن میں سے نازل ہوا تھا اور جس نے آپ ﷺ کے حکم کو مانا جیسا کہ شہادتین اور ان کے توابع کا ماننا تو یہ شخص اس وقت اُس کامل ایمان کے ساتھ مؤمن تھا جو ایمان اس پر واجب تھا۔ اور اگر ایسا ایمان ہجرت کے بعد لاتا تو قابل قبول نہ ہوتا اور اگر اتنے پر اکتفا کرتا تو کافر ہوتا۔

اللہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ. (المائدہ:۳)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔''

پس حکم تکمیل شریعت کے بعد ہے۔ جیسا کہ بخاری رحمہ اللہ نے وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ ان سے کہا گیا ''کیا جنت کی کنجی ''لا الٰہ الا اللہ'' نہیں؟ کہا: کیوں نہیں لیکن ہر چابی کے دانت ہوتے ہیں اگر تم ایسی چابی لاؤں گے جس کے دندانے ہوں تو تمہارے لئے (جنت) کھول دی جائے گی ورنہ نہیں۔ پس ''لا الٰہ الا اللہ'' کے کچھ لوازمات، مقتضیات، نواقض اور مبطلات ہیں۔ پس اگر اس کے لوازمات پورے کئے اور نواقض سے اجتناب کیا تو وہ عصمت جاری رہے گی جس میں مجرد اقرار سے داخل ہوا تھا اور اگر کسی ناقض کا ارتکاب کیا تو اسے مجرد کلمہ

کافی نہیں ہوگا۔اسی کے ساتھ نبی ﷺ کے نکیر کا معنیٰ سمجھ میں آتا ہے جو کہ اسامہ رضی اللہ عنہ پر کیا تھا جب اس نے ایک آدمی کو کلمۂ توحید کہنے کے بعد قتل کر دیا تھا۔اور آپ ﷺ کا قول کہ ''کیا تو نے اُسے کلمہ توحید کہنے کے بعد قتل کیا'' پس اس کا ان الفاظ کو ادا کرنا ہی اسلام میں دخول تھا پس اس کے ساتھ تحفظ کا معاملہ کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس سے کوئی ناقض سرزد ہو جائے جو اس تحفظ کو توڑے۔اور نبی ﷺ نے تو اُسامہ پر قتل کا نکیر اس لئے کیا تھا کہ اس نے کہا تھا کہ اس آدمی نے تقیہ کے طور پر اور تلوار کے خوف سے کلمہ پڑھا اور اسے کیا پتا کہ شاید وہ صادق تھا کلمہ کے نواقض سے اجتناب کرتا اور اس کی مقتضیات اور حقوق پر لزوم کرتا اس کے بعد ......پس......''لا الٰہ الا اللہ'' اسلام میں داخلے کی چابی ہے۔اس سے داخل ہونے والے کا خون شروع میں عصمت میں رہتا ہے۔پھر اس کا اسلام اور عصمت اس چابی کی مشروط کے التزام اور ان کے نواقض سے اجتناب کے بغیر ہمیشہ اور مستمر نہیں رہتا۔اسلام میں داخلہ ایک الگ چیز ہے اور اس کی صحت کی ہمیشگی اور استمراریت اور عدم نقض الگ چیز ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (الفتح الباری:۱۲/ ۲۷۹) میں اس حدیث پر کلام میں کہتے ہیں: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کہیں'' (بـاب قتل من أبـى قبـول الفرائض) کتاب استتابۃ المرتدین سے۔اور اس میں ہے کہ جو ''لا الٰہ الا اللہ'' کہے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کرے اُسے قتل نہ کیا جائے۔لیکن کیا مجرد اس سے وہ مسلم ہو جائے گا راجح [1] بات

---

[1] اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس بات کو (لا الٰہ الا اللہ کا مجرد کہنے سے آدمی مسلمان نہیں ہوتا) ترجیح دیتے ہیں۔(حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا) یہ کہنا کہ: راجح بات یہ ہے۔اور ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ ابتدائی طور پر اسے مسلم کہا جائے اور وہ تحفظ میں داخل ہوگا جب اس نے اسلام میں داخلے کے لئے کلمہ کے الفاظ ادا کئے۔اور تحقیق کرنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔اللہ کا یہ فرمان اس تثبت اور تحقیق کی دلیل ہے:﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ الٰی قولہ ﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ اور جو تمہارے سامنے اسلام لے آئے اور کلمہ توحید پڑھے یا تم کو سلام کرے کیونکہ یہ بھی اس وقت مسلمان ہونے کا نشانہ تھا۔الٰی قولہ پس تحقیق کرو۔پس اللہ نے ⇐

یہ ہے کہ وہ صرف اس سے مسلمان نہ ہوگا۔ بلکہ اس وقت تک اس کے قتل سے رکا جائے جب تک اس کا امتحان نہ لیا جائے پس اگر رسالت کی گواہی دے اور احکامِ اسلام کا التزام کرے تو اسلام کے حکم میں ہے۔اور اسی طرف استثناء کے ذریعے اشارہ ہے کہ حدیث کے ان الفاظ ''**الا بحق الاسلام** '' کے ساتھ ان لوگوں کو عصمت سے مستثنیٰ کر دیا اور ان کو عصمت سے محروم کر دیا جو اسلام کے کسی حق سے انکاری ہو۔ پھر بغوی کا قول ذکر کیا کہ ''اگر کافر وثنی (بت پرست) یا ثنوی (یعنی دو خداؤں کا ماننے والا) ہے اور وحدانیت کا اقرار نہیں کرتا اگر اس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا تو اسلام کے حکم میں ہے پھر تمام احکامِ اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور ہر دینِ مخالف سے براءت کرائی جائے گی۔اور نووی رحمہ اللہ نے کہا: مال وجان کی عصمت اس شخص کے ساتھ خاص کرنا جو لا الٰہ الا اللہ کہے (حقیقت میں) ایمان کی قبولیت کی تعبیر ہے، اور یہ کہ اس کلمے میں عرب کے مشرک، بت پرست اور وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ کو ایک نہیں مانتے اور یہ وہ لوگ تھے جو شروع شروع میں اسلام کی طرف بلائے گئے تھے اور اسلام نہ لانے کی وجہ سے ان کے خلاف جنگ کی گئی تھی۔ رہے ان کے علاوہ لوگ جو توحید کا اقرار کرتے ہیں اور (کلمہ توحید) ان کے اعتقاد میں

⇐ ہمیں اس شخص کے اسلام کی نفی سے منع کیا ہے جس نے اس میں دخول کا اعلان کیا سوائے اس کے کہ اس کے بعد کوئی ناقض یا وہ چیز جو کافر کرنے والی ظاہر ہو۔ کسی موانع تکفیر کے علاوہ تو اس وقت (یعنی جب بغیر عذر اس سے کوئی مکفر سرزد ہوا) اسلام اس سے منتفی ہو جائے گا اور عصمت اس کی ختم ہو جائے گی۔ پس اسلام میں دخول اور عصمت کی ابتداء ایک چیز ہے۔ اور اس کی صحت کی استمراریت (یعنی ہمیشگی) اور اسلام کی صحت الگ چیز ہے۔ اور اسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول دلالت کرتا ہے کہ ''الا بحق الاسلام'' ''مگر حقِ اسلام کے ذریعے'' جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے اشارہ کیا۔ اور یہ اسلام میں نئے آنے والے کے بارے میں ہے۔ جبکہ وہ کمینے لوگ جنھوں نے تمام دنیا کو بھر دیا تو انھوں نے اپنی پیدائش سے لے کر اور عمر بھر کلمہ پڑھنے کے علاوہ اسلام کا کوئی کام نہیں کیا۔ اور اس کے نواقض کا ارتکاب کرتا رہا اور اس کی شروط پر التزام نہ کیا۔ اور اس کے معنی سیکھنے سے اعراض کیا۔ جبکہ علم عام تھا اور قرآن کی شکل میں ان پر حجت قائم ہو چکی تھی ﴿لانذركم به ومن بلغ﴾ میں تمہیں اور جن تک یہ پہنچے ڈراؤں گا پس یہ اعراض کرنے والے کافر ہیں۔ انھوں نے آخرت پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اور ان پر یہ مذکورہ کلام کا انطباق نہیں ہوگا۔

ہوتو اگر وہ کفر کرتے ہوئے اس کلمہ کا اقرار کرتے ہیں تو ان کی عصمت کے لیے صرف لا الٰہ الا اللہ کہنا کافی نہیں ہے اسی لیے تو دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ''اور (وہ اس بات کی گواہی بھی دے) کہ میں اللہ کا رسول (ﷺ) ہوں اور نماز قائم کرے اور زکاۃ ادا کرے۔ پھر امام نووی نے کہا: اس کے ساتھ لازمی ہے کہ ہر اس چیز پر ایمان ہو جو رسول ﷺ لائے۔ جیسا کہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: ((حتی یشھد ان لاالہ الااللّٰہ ویؤمنون بی وبما جئت بہ)) یہاں تک کہ وہ کلمہ توحید کی گواہی دیں اور مجھ پر اور اس پر جو میں لایا ایمان لائیں۔ واللہ اعلم

(شرح مسلم)

اور شوکانی رحمہ اللہ نے (نیل الاوطار: ۱/ ۳۶۷) میں بیان کیا۔ ''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ احادیث عدم مانع کے ساتھ ہیں۔ اسی لئے سلف نے ان کی تاویل کی۔ پس ایک جماعت نے بیان کیا جن میں ابن المسیب رحمہ اللہ بھی ہیں کہ یہ نزولِ فرائض اور امر و نہی سے پہلے تھا۔ اور نووی رحمہ اللہ نے ان بعض سے حکایت کی کہ وہ مجمل ہیں اور اس کی شرح کی ضرورت ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے کلمہ کہا اور اس کے حق اور فرائض ادا کئے کہا: یہ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور بخاری رحمہ اللہ نے کہا: یہ اس کے لئے ہے جس نے کلمہ ندامت اور توبہ کے وقت کہا اور پھر اسی حال میں مرگیا۔ اسے کتاب اللباس میں ذکر کیا۔......'' اور وہ رسالہ (ارشاد السائل الی دلالۃ المسائل: ۳/ ۸۸) میں کہتے ہیں: دوسرا سوال: ان دیہاتیوں کا کیا حکم ہے جو گاؤں میں رہتے ہیں اور شرعیات میں سے کچھ نہیں کرتے سوائے کلمۂ شہادت پڑھنے کے۔ کیا وہ کافر ہیں یا نہیں اور کیا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان سے لڑائی کریں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: جو بھی ارکانِ اسلام کا تارک اور تمام فرائض کا تارک ہو اور اس پر جو واجب ہے اُسے مسترد کردے اور اس کے پاس صرف کلمہ کہنا ہی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ وہ کافر ہے شدید کافر اس کا خون حلال ہے۔ اور مال کی

حفاظت ارکانِ اسلام قائم کرنے سے ہوتی ہے۔

شیخ محمد بن ناصر بن عثمان آل معمر رسالہ (الفواکہ العذاب فی الرد من لم یحکم السنة والکتاب:٦٧) پر کہتے ہیں: ''ہمارے علماء نے کہا کہ اگر کافر کلمہ توحید کہے تو وہ ان لوگوں میں شامل ہوئے جو اپنے خون کو بچانے والے ہیں۔ اب اس سے باز رہا جائے۔ پس اگر اس نے اُسے مکمل کیا تو اس کی عصمت باقی رہی ورنہ باطل ہوگئی۔

تو گویا کہ نبی ﷺ نے ہر حدیث اس کے وقت میں کہی ہے۔ پس فرمایا: ((امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا: لاالٰہ الااللّٰہ)) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک وہ کلمہ توحید کہہ دیں تاکہ مسلمان جان لیں کہ اگر کافر محارب یہ کہے تو اس سے باز رہا جائے گا۔ اور اس کا خون مال عصمت میں آ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری حدیث میں بیان کیا کہ ''امرت ان اُقاتل الناس حتی یشھدوا ان لاالٰہ الا اللّٰہ'' میں لڑائی کا حکم اس وقت تک لمبا کیا تھا یعنی لڑائی کا حکم اس وقت تک جاری کیا تھا جب تک لوگ دو گواہیوں یعنی ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' اور ''محمد رسول اللّٰہ'' کا اقرار کریں، مگر دوسری حدیث میں دو گواہیوں کے ساتھ دو عملی عبادتوں کو بھی شامل کر دیا یعنی ایک نماز دوسری زکاۃ۔ پس فرمایا: (مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ ''لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' کہیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں) پس بیان کر دیا کہ عصمت کا کمال اور اسی توحید و رسالت اور نماز و زکاۃ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور تاکہ یہ شبہ نہ آئے کہ مجرد اقرار سے ہمیشہ کی حفاظت حاصل ہوتی ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ (کشف الشبھات: ص:٢٤) میں کہتے ہیں ان کا ایک اور شبہہ ہے: وہ کہتے ہیں نبی ﷺ نے اسامہ پر اس آدمی کے قتل کا انکار کیا جس نے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' کہا فرمایا ''کیا تم نے اسے کلمہ توحید کہنے کے بعد قتل کیا؟ اور اسی طرح (یہ لوگ نبی ﷺ کے اس قول

سے بھی (دلیل لینے کی کوشش کرتے ہیں) ''مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ کلمہ توحید کہیں۔اور اسی طرح دوسری احادیث جن میں کلمہ توحید کے کہنے والوں کے قتل سے باز رہنے کا حکم ہے۔اور ان جاہلوں کا مطلب یہ ہے کہ جس نے یہ کلمہ کہا وہ کافر نہیں ہوتا اور نہ قتل کیا جائے گا چاہے کچھ بھی کرتا رہے۔

اور اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس نے ایسے آدمی کو قتل کیا جس نے اسلام کا دعویٰ کیا تھا۔اس وجہ سے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اس نے جان و مال کے ڈر سے کلمہ پڑھا اور اگر آدمی اسلام کا اظہار کر دے تو اس سے باز رہنا واجب ہے یہاں تک کہ اس سے اس کلمہ کے مخالف کچھ سرزد ہوجائے۔اور اللہ نے اس بارے میں فرمایا: ''اے ایمان والو جب تم اللہ کے رستے میں نکلو تو پہلے چھان بین کرلو(النساء:۹۶)۔''یعنی تحقیق کرلو پس یہ آیت اس بات کی دلیل ہے یعنی اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اگر اس سے اسلام لانے کے بعد اسلام مخالف کوئی چیز سرزد ہو تو قتل کردیا جائے اس قول کی وجہ سے کہ ﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ یعنی چھان بین کرلو۔اگر کوئی یہ کلمہ پڑھے اس کا (کسی صورت) قتل کرنا جائز ہوتا تو پھر تحقیق کا کیا معنی یعنی اگر کلمہ گو کو کسی بھی حالت میں قتل کرنا ناجائز تو پھر اللہ نے ''فَتَبَيَّنُوا'' فرما کر تثبّت اور تحقیق کا حکم دیا صرف اس لیے نا کہ اگر وہ باقی فرائض کو بجالاتا ہے تو وہ مسلمان ہے ورنہ اگر تحقیق سے پتہ چلے کہ باقی فرائض پر عمل نہیں کرتا تو عمل نہ کرنے کی وجہ سے وہ کافر کہلائے گا۔تو معلوم ہوا کہ کبھی کبھی آدمی عمل کو چھوڑنے سے بھی کافر ہوجاتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ''تحقیق'' ظاہری اعمال کی ہوگی عقیدہ کی تحقیق اور ناممکنات کا حکم اللہ کبھی بھی نہیں دیتا۔اسی طرح دوسری حدیث بھی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اسلام کا اظہار اور توحید کا اظہار کیا اس سے باز رہنا واجب ہوا اِلَّا یہ کہ اس سے اس کا مناقض سرزد ہوجائے''۔اور فرمایا: اور اسی طرح یہ کہا جائے گا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی حنیفہ سے

قتال کیا اور انھوں نے نبی ﷺ پر ایمان لایا اور کلمہ توحید کی گواہی دی اور اذان دی نماز پڑھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے خلاف جنگ اس لیے کی گئی کہ وہ مسیلمہ کو نبی مانتے تھے۔ ہم کہتے ہیں بس یہی تو مطلوب کہ تم مان جاؤ کہ کلمہ پڑھنے والا اور نماز پڑھنے والا بھی کافر ہوسکتا ہے۔ جب کوئی آدمی کسی آدمی کا درجہ نبی کے درجے کے برابر کردے وہ کافر ہوا اور اس کا مال وجان حلال ہوئی اور اسے کلمہ اور نماز کوئی فائدہ نہیں دے گی تو پھر اس کا کیا کہئے جو شمسان یا یوسف [1] یا کسی صحابی یا نبی کو اللہ کے رتبے تک پہنچائے سبحان اللہ، اللہ کی شان کتنی عظیم ہے۔

كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الروم:٥٩)

''اسی طرح اللہ نے ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگادی جو علم نہیں رکھتے۔''

اور ہم اپنی جگہ کہتے ہیں اپنے زمانہ کے مرجئہ کو کہ جب کوئی کسی کو نبی کے رتبے تک بلند کرے تو وہ کافر ہوا اور اس کا مال وجان حلال ہوگئے اسے کلمہ توحید اور نماز کوئی فائدہ نہیں دے سکتیں تو پھر اس کا کیا حال ہوگا جس نے جابر کویت کا حکمران، حسن مغرب یعنی مراکش کا حکمران اور حسین اُردن کا [2] یا حسینی یا امراء رؤساء اور بادشاہوں یا پارلیمنٹ کے نمائندے (جیسے پاکستان میں دور حاضر کے حکمران پرویز مشرف وغیرہ) کو اللہ کے رتبے تک بلند کردے اور اس کو حق تشریع مطلق دیدے جو کہ صرف اللہ کا حق ہے اور اس کا کیا حال ہوگا جس نے اپنے قانون اور دستور کو قضا اور فیصلہ کرنے میں اور اللہ کے بندوں کے درمیان قانون سازی وقانون چلانے میں اللہ کی کتاب کے برابر کردیا (صرف یہی نہیں) بلکہ انسانوں کے بنائے ہوئے) اس دستور کو انھوں

---

[1] یوسف اور شمسان اور خضر اور ابوعلی اور اشقر ایسے نام ہیں جو بار بار شیخ کی کتابوں میں ذکر ہوتے ہیں۔ اور وہ قبریں اور گنبد تھے جن کو اہل کویت اور عراق اللہ کے علاوہ شیخ کے زمانے میں پکارتے تھے۔ دیکھئے (مصباح الظلام از شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمن بن حسن آل شیخ رحمۃ اللہ)

[2] یہ تینوں مرتد اب اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں لعنہم اللہ علیہم اجمعین۔ ایڈیٹر

نے اللہ کی کتاب پر نگہبان اور حاکم بنایا ہے۔ پس ان کے نزدیک کسی بھی آیت کا اعتبار یا کسی بھی حکم کا اعتبار اس وقت تک نہیں جب تک ان کے دستور کے موافق نہ ہو اور ان کا امیر [1] اس کی تصدیق کردے اور اللہ ان کی ان خرافات سے بلند و پاک ہے:

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الروم:٥٩)

''اسی طرح اللہ نے ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگادی جو علم نہیں رکھتے۔''

پھر آپ نے فرمایا ''اسی طرح یہ کہا جاتا ہے: کہ بنی عبید القداح جو بنو عباس کے دور میں مغرب اور مصر کے مالک تھے، یہ سب گواہی دیتے تھے کہ ''لا الٰہ الا اللہ وأن محمداً رسول اللہ'' اور اسلام کا دعوٰی کرتے تھے اور جمعہ اور جماعت سے نماز پڑھتے تھے پھر جب انھوں نے شریعت کی ان چیزوں کی مخالفت کی۔ علماء ان کے کفر اور قتال پر متفق ہوگئے۔ اور اس پر ان کا ملک دار الحرب ہے اور مسلمانوں نے ان سے جہاد کیا یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں سے مسلم ممالک آزاد کروائے۔ اور اسی طرح تاتار کے بارے میں کتاب ''مختصر السیر ۃ'' میں فرمایا: ''اور یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے جو سلوک مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ اور مسلمانوں کے ملک میں رہے اور اسلام کو جانا اُسے پسند کیا اور اسلام لائے مگر اس پر عمل نہ کیا جو اللہ کی شریعت میں سے ان پر واجب تھا۔ اور ایسی چیزیں کیں جو انہیں شریعت سے خارج کرتی تھیں مگر وہ کلمۂ توحید کو پڑھتے تھے۔ اور پانچوں نمازیں اور جمعہ اور جماعت پڑھتے تھے۔ اس کے باوجود علماء نے انہیں کافر کہا اور ان سے لڑے اور جہاد کیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کو مسلمانوں کے ملک سے نکال دیا۔ اور جو کچھ ہم نے یہاں ذکر کیا وہ اس کے لئے کافی ہے جسے اللہ نے ہدایت دی۔ مگر جس کے لیے اللہ

---

[1] اگر یہ سب قاری پر مخفی ہے تو پھر اس کی تمام عمر پر افسوس ہے جو اس نے اپنے دور کے طواغیت کو پہچاننے اور انہیں کافر کہنے کے بغیر گذار دی۔ اس بارے میں ہماری کتاب (كشف النقاب عن شريعة الغاب کا مطالعہ کریں۔)

فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو اگر اس کے سامنے پہاڑ ایک دوسرے کو سینگ بھی ماریں تو وہ بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں دے گا''۔اور ان کا پوتا شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ اپنی کتاب(مصباح الظلام :ص:١١٤) میں کہتے ہیں:''اور یہ تمام اعتراضات ایک باطل اعتقاد کی وجہ سے ہیں۔اور وہ یہ کہ جس نے منہ سے دونوں شہادتوں کو کہا اُسے کوئی گناہ نقصان نہ دے گا۔اس کے ایمان میں خلل نہیں آئے گا اور نہ اس کا اسلام شرک اور تحریم سے ناقص ہوگا۔اور نہ ہی دوسرے مکفرات سے حتی کہ ان گمراہوں کے نزدیک مبانی کا کوئی اعتبار نہیں اور جو اسلام کو جان گیا اس کے لئے اس قول کا جاننا اور تصور کرنا اس کے بطلان کے لئے کافی ہے۔اسی طرح(الدرر السنیة :ص:٣٥٥ جزء مختصرات الردود من الدرر) میں کہتے ہیں:اہل علم اور ایمان کا اس میں اختلاف نہیں کہ جس سے کوئی ایسا قول یا فعل سرزد ہو جائے جو کفر یا شرک یا فسق کا متقاضی ہو تو اس پر ویسا ہی حکم لگایا جائے گا چاہے وہ دونوں شہادتوں کا اقرار کرنے والا اور بعض ارکان اسلام کا ادا کرنے والا ہو بلکہ کافر اصلی سے اس وقت باز رہا جائے گا جب وہ کلمہ توحید پڑھ لے اور اس سے ان دونوں شہادتوں کے خلاف اور مناقض عمل واقع نہ ہو۔اور یہ بات صغار طلبہ پر بھی مخفی نہیں۔

میں کہتا ہوں:اس کے باوجود اس بارے میں ہمارے دور کے مرجئہ اور ان کے بڑے مشائخ جھگڑتے ہیں ان کے مقلدین اور ان کے کمینوں کی تو بات ہی نہ کرو اور اسی نے انہیں طواغیت کے لئے جنگی لشکر بنا دیا ہے۔اور ان کے مددگار اور رضا کار بنا دیا ہے جو ان کے لئے لڑتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں۔اور کتاب وسنت کے نصوص کے بالکل درمیان سے (ان طواغیت سے کفر اور شرک کا) اپنے گرے ہوئے اور ساقط شبھات کے ذریعے ازالہ کرتے ہیں۔اور اپنے گمراہ کن اقوال کے ذریعے بھی جو کہ توحید کو پہچاننے والے اور اس کی حقیقت کو جاننے والے میں

رواج نہیں پا سکتے۔ اور اسی طرح وہ نصوص جن میں عصمت کا تعلق اور جنت میں ''کلمۂ توحید'' کے ذریعے دخول ذکر کیا گیا ہے کبھی وہ مطلقاً ذکر ہوتے ہیں اور کبھی یقین یا اخلاص یا علم کے ساتھ مقید ہوتے ہیں اور کبھی ان کے ساتھ نماز زکاۃ وغیرہ جیسے حقوق مربوط ہوتے ہیں [1]۔ اور وہ تمام نصوص ایک ہی حکم اور نسبت کے بارے میں بتلاتی ہیں پس مطلق کو مقید پر حمل [2] کیا جائے گا۔

جیسا کہ اہل علم کا طریقہ ہے۔ اور یہ مرجئہ دوسرے گمراہ فرقوں کی طرح ہیں۔ یہ ذلیل اور کمینے لوگ ہیں علم سے صرف اتنا لیتے ہیں جتنا ان کی خواہش کے موافق ہو۔ پس وہ ان مطلق نصوص کی طرف بڑھتے ہیں اور اسی پر اپنے فاسد مذہب اور کمزور شبہات کی بنیاد رکھتے ہیں جیسا کہ آپ نے جان لیا۔ اور ان نصوص کی مقیدات کو چھپاتے ہیں۔ اور یہ صرف اہل علم کے طریقے کی مخالفت ہی نہیں بلکہ اللہ کے دین سے مذاق اور اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ یہ (اللہ کی) بات کو اپنی جگہ سے محرّف کرنا ہے یعنی اس کے صحیح معنے کو بدلنا ہے۔ اور

---

[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بارے میں دو جوابات دیئے ہیں: پہلا: کہ نبی ﷺ سائل کو فرائض کے نزول کے اعتبار سے جواب دیتے تھے اور پہلا فرض شہادتین کا تھا، پھر نماز، دوسرا جواب: کہ نبی ﷺ ہر مقام کی مناسبت سے حکم فرماتے تھے۔ کبھی ظاہری فرائض ذکر کرتے تھے جن کے ترک کرنے پر ان کے منع کرنے والی جماعت کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے جیسے نماز اور زکاۃ وغیرہ اور کبھی سائل پر واجبات کا ذکر کرتے تھے۔ پس جس پر نماز اور روزہ واجب کیا اس پر زکاۃ ادا کرنا واجب نہیں ہوا تھا۔ آخر کلام کے لئے دیکھئے (فتاویٰ: ۷/ ۶۰۵-۶۰۷)

[2]: مطلق سے مراد یہاں وہ احادیث ہیں جن میں لا الٰہ الا اللہ کے مجرد پڑھنے پر عصمت اور دخول جنت کا ذکر ہے اور مقید سے مراد یہاں وہ احادیث ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جو لا الٰہ الا اللہ اس کے معنے کے جاننے، اس پر یقین اور اخلاص کے ساتھ کہے۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ کہے مگر ساتھ ہی اس کے معنے کو بھی جانتا ہو اس پر یقین بھی رکھتا ہو اور اخلاص کے ساتھ اسے پڑھے، یعنی مقید کلمہ توحید میں اس کے ساتھ علم یقین اور اخلاص کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس حدیث میں لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ علم یعنی جاننے، یقین کرنے اور اخلاص کا ذکر نہیں ہے وہاں بھی مقید حدیث کی وجہ سے علم، یقین اور اخلاص کے قیود لگائے جائیں اور یہ سمجھا جائے کہ یہاں بھی علم، یقین اور اخلاص مراد ہیں مگر کسی وجہ سے انہیں یہاں چھوڑ کر مقید احادیث میں ذکر کیا ہے۔

اللہ کی ان حدود سے تجاوز کرنا ہے جو اس نے باندھی اور اس پر اپنے کلام کی بنیاد رکھی۔ تدلیس اور تلبیس ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ. (النحل:۱۱٦)

''بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کبھی فلاح نہ پائیں گے۔''

اور اسی طرح یہ (مرجئہ) ان روایات کے ساتھ کرتے ہیں جو ائمہ سے مروی ہیں پس ان کے کلام کو توڑتے ہیں۔ (اس بارے میں صریح مثالیں ان کی کتابوں سے ہماری کتاب (تبصیر بتلبیسات اھل التجھم و الارجاء) میں دیکھئے۔) یا ان (اقوال) سے وہ کچھ لیتے ہیں جو ان کے خواہشات کے موافق ہو، اور ہم اگرچہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کے علاوہ دین کے بارے میں کسی کا (قول) دلیل و حجت نہیں ہے مگر انصاف کا تقاضا ہے کہ کسی (امام کے قول کا بھی) وہ مطلب نہ لیا جائے جو حقیقت میں اس کا مطلب نہ ہو۔، اور ایک مسئلہ میں مطلق کو مقید یعنی مطلق کا وہی مطلب لیا جائے جو مقید کا ہو۔ اس طرح نہیں جیسے یہ گمراہ لوگ کرتے ہیں اور اتنا ذکر کرتے ہیں جو ان کے مذہب کے موافق ہو اور جو موافق نہیں اُسے رد یا چھپا دیتے ہیں۔ اور یہ امانت کے مناقض ہے۔ اور یہ سلف اور اہل حدیث کا طریقہ نہیں بلکہ یہ اھل اھواء کا طریقہ جن میں سب سے زیادہ گمراہ خبیث مرجئہ ہیں۔ اہل اھواء خواہشات وہ روایت کرتے ہیں جس میں ان کا فائدہ ہو اور اہل حدیث اپنے موافق ومخالف دونوں کو روایت کرتے ہیں۔

اور اس کی مثال یہ ہے کہ (جس سے شاید یہ (مرجئہ) لوگ یہاں لٹک جائیں) جو امام احمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ انھوں نے زہری رحمہ اللہ کے اس قول میں ان کی پیروی کی کہ وہ لوگ اسلام کو کلمہ سمجھتے تھے اور ایمان کو عمل سمجھتے تھے۔ یعنی یہ مرجئہ امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول اس لیے

نقل کرتے ہیں ''تا کہ صرف شہادتین کے پڑھنے والے پر یہ لوگ اسلام کا حکم لگا سکیں۔جس نے صرف شہادتین پر اکتفا کیا چاہے اس نے کوئی اعمال یا فرائض اپنی پوری زندگی میں نہ کئے ہوں۔ پھر وہ صحیح اسلام سے خلاص پانے کے بعد ایسے شخص کے اسلام کو خالص کرنے لگتا ہے جس نے ان دوشہادتوں کے الفاظ ادا کیا چاہے وہ کتنے ہی نواقض کرتا رہے۔تا کہ وہ اس ذریعے سے آخر میں اپنے طواغیت کے لیے پیوند کاری کو پہنچے اور ان (طواغیت پر) مسلمان ہونے کا حکم لگائیں۔یعنی اسلام کے نتیجے میں جو دوستی اور جان و مال کی عصمت لازم آتی ہے (یہ مرجئہ ان طواغیت کو اس دوستی اور عصمت کا حق دار سمجھتے ہیں)۔پس وہ دین کو منہدم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اور اس دین کے سب سے مضبوط کڑے کو توڑنا چاہتے ہیں اور اس کے آثار اور نشانات جو کہ اصیل اور محکم ہیں کو مٹانا چاہتے ہیں (حدیث میں دین کا مضبوط کڑا اللہ اور اس کے دین کے دشمنوں سے دشمنی کو اور اللہ اور اس کے دین کے دوستوں سے دوستی کو کہتے ہیں)۔جان بوجھ کر یا نہ جانتے ہوئے۔تو ان سے کہا جائے گا آہستہ چلو اونٹوں کو اس طرح پانی نہیں پلایا جاتا۔اور جو کچھ ہم نے ذکر کر دیا وہ ان کے بطلان کے لئے کافی ہے۔لیکن بات یہاں امام احمد رحمہ اللہ کی عبارت کے بارے میں ہے......اس کے باوجود کہ جیسے ہم نے کہا کہ حجت امام احمد رحمہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔

اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے (فتاوی: ۲۵۸/۷) میں اس عبارت کے بارے میں کلام کیا کہ ''اور یہ دو طرح کا ہے یعنی امام احمد رحمہ اللہ کے قول کے دو معنے ہو سکتے ہیں'' پس یا تو اس سے مراد کلمہ اور اس کے توابع ظاہری اعمال ہیں۔اور یہی وہ اسلام ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا جب کہا کہ: ''اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ ''لا الٰہ الا اللہ وأن محمداً رسول اللہ'' اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور روزے رکھو اور حج کرو''۔اور کبھی اس سے مراد ظاہری واجبات ادا کرنے کے علاوہ صرف

کلمہ ہوسکتا ہے۔اور یہ وہ نہیں جسے نبی ﷺ نے اسلام کہا لیکن کہا جاسکتا ہے کہ: اعراب کا اسلام اسی میں سے تھا۔پس اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: اعراب وغیرہم جب نبی ﷺ کے زمانے میں اسلام لائے تو ان پر اعمال ظاہری بھی لازم ہوئے نماز، زکاۃ، روزہ اور حج اور کوئی بھی صرف اس بناء پر نہیں چھوڑا جاتا کہ اس نے کلمہ پڑھا ہے۔بلکہ جس نے گناہ کا اظہار کیا اس پر اسے سزا دیا جاتا ہے۔

اور احمد رحمہ اللہ نے اگر ان روایت سے یہ مراد لی کہ اسلام صرف شہادتین ہیں پس ہر وہ جس نے ان کو ادا کیا مسلم ہوگا پس یہ احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت ہے اور دوسری روایت ہے کہ: کلمہ کے بغیر اور نماز کے بغیر مسلمان نہیں ہوگا۔اور اگر نماز نہیں پڑھی تو کافر ہوا۔اور تیسری روایت ہے کہ : وہ ترک زکاۃ سے کافر ہوگا۔چوتھی روایت کہ: وہ ترک زکاۃ سے بھی کافر ہوگا اگر امام اس سے اسپر جہاد کرے نہ وہ جس کے خلاف جہاد نہ کیا گیا ہو یعنی کوئی شخص زکاۃ دینا ترک کردے پھر امام اسی وجہ سے اس کے خلاف جہاد کا اعلان کرے مگر پھر بھی وہ زکاۃ کے لیے تیار نہ ہو تو یہ شخص امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان سے ایک روایت کے مطابق کافر ہوگا، ہاں جس کے خلاف یہ اعلان نہ کیا گیا ہو وہ کافر نہ ہوگا۔واللہ اعلم۔اور احمد رحمہ اللہ ہی سے ہے کہ اگر کہے کہ: ''میں زکاۃ دوں گا مگر امام کو نہیں تو امام کو جائز نہیں کہ اس کو قتل کرے۔اور اسی طرح احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ ترک صیام اور ترک حج سے بھی کافر ہوگا اگر اس نے عزم کیا کہ وہ کبھی حج نہیں کرے گا۔اور یہ معلوم ہے کہ مبانی [1] کو چھوڑنے والے کو کافر قرار دینے والے قول کی بنا پر ممکن ہے کہ صرف کلمہ پڑھنا اسلام ہو۔بلکہ مراد یہ ہے کہ جب کلمہ پڑھ لیا تو اسلام میں داخل ہوگیا''۔اور آپ نے گزشتہ باتوں سے یہ جان لیا کہ اسلام میں دخول جان و مال کے تحفظ کی ابتداء اور اس کے بعد فوراً موت

---

[1] مبانی: شہادتین، نماز، زکاۃ، روزہ اور حج کو کہتے ہیں۔

اور صحتِ اسلام کی ہمیشگی اور تحفظ کی استمراریت میں کیا فرق ہے اور اسی طرح گزشتہ باتوں سے آپ پر ان (مرجئہ) کا اپنے طواغیت اور ان (طواغیت کے) غلاموں کے لیے حدیث بطاقہ اور حدیث اخرجوا من النار ...... سے استدلال کا باطل ہونا ظاہر ہو گیا ہوگا۔ یعنی آپ پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ ان کا دونوں حدیثوں سے دلیل لینا باطل وغلط ہے۔ ''بطاقہ'' اور حدیث ((اخرجوا من النار من کان فی قلبه حبة خردل من ایمان)) ''ہر اس شخص کو آگ سے نکال لو جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو'' اور اسی طرح حدیث ((الجهنميين الذين يخرجهم الله من النار دون ان يعملوا خيراً قط)) ''وہ جہنمی جنھیں اللہ بغیر کسی عمل خیر کے آگ سے نکالیں گے'' وغیرہ اور آپ نے جان لیا ہے کہ اہل علم کا طریقہ یہ ہے کہ وہ احادیث کو ایک دوسرے سے مربوط کرتے ہیں۔ اور مختلف احادیث کو اگر ممکن ہو تو تطبیق کرتے ہیں۔ اور تعارض کی وجہ سے جو وہم پیدا ہوتا ہے اسے مطلق کو مقید پر، عام کو خاص پر اور متشابہ کو محکم پر حمل کرنے کے ذریعے دور کرتے ہیں۔ اور اسی طرح۔ اور کسی ایک ہی چیز پر خوش ہونا اسی پر چلنا اور اس پر قواعد اور پہاڑ تعمیر کرنا (یعنی ایک ہی حدیث پر) اس کو سمجھے بغیر کہ اس کا دوسرے (احادیث) کے ساتھ کیا تعلق ہے، یہ اھل اھواء (یعنی بدعتیوں) کا طریقہ ہے۔ اور انہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں جن کے ہم درپے ہیں۔ یعنی مرجئہ [1]۔ یہ لوگ ان احادیث کے ذریعے ادھر ادھر اڑتے پھرتے ہیں۔

شیخ حمد بن ناصر بن معمر ''الدرر السنیۃ'' میں کہتے ہیں: ''قرآن میں آیاتِ محکمات ہیں اور وہی اُمّ الکتاب ہیں۔ اور کچھ متشابہات ہیں۔ پس متشابہ کو محکم پر لوٹایا جائے گا۔ اور اللہ کی کتاب کے بعض کو بعض پر نہیں مارا جائے گا [1]۔ اسی طرح سنت ہے یعنی جس طرح قرآن میں متشابہ اور محکم

[1] مختصر یہ کہ اہل سنت اور اہل حدیث کا طریقہ یہ ہے کہ وہ حدیث کی تفسیر حدیث سے بلکہ بہت سی احادیث کو جمع کر کے کرتے ہیں ، اور اہل بدعت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی بدعت کو ثابت کرنے کے لیے حدیث کی تفسیر تمام دوسرے احادیث سے کاٹ کر خود کرتے ہیں۔

آیات ہیں اسی طرح سنت میں یعنی احادیث میں بھی متشابہ اور محکم احادیث ہیں۔اس میں بھی محکم اور متشابہ ہیں پس اس کے متشابہ کو محکم پر لوٹایا جائے گا یعنی متشابہ کو خود نہیں سمجھا جاسکتا اس کو محکم کی طرف لوٹا کر اس محکم کی مدد سے اسے سمجھا جائے گا۔اور ایک دوسری کو آپس میں مارا نہیں جائے گا یعنی ان کو ایک دوسرے کا مخالف قرار دینا صحیح نہیں ہے۔نبی ﷺ کا کلام متناقض نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے۔اور سنت قرآن کی موافقت کرتی ہے اس کے مناقض نہیں ہوتی اور یہ بڑی عظیم اصل ہے اس کی مراعات واجب ہیں جس نے اس (اصل) کو چھوڑ دیا وہ بہت بڑی مصیبت میں پڑ گیا اور اسے معلوم بھی نہیں ہوگا'' (جز مختصرات الردود)

---

❶ جیسا کہ ان میں سے بعض نے میرے ساتھ مناظرہ کیا (اور ذیل کی آیت وَمَا يُؤْمِنُ...... دلیل میں پیش کی۔اور نہایت افسوس کے ساتھ ان کی نسبت طلب علم کے ساتھ کی جاتی ہے۔اللہ کے اس قول کے ساتھ ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس حال میں کہ وہ مشرک بھی ہوں یعنی وہ اللہ کو مانتے ہیں مگر ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں (یوسف: ١٠٦)۔اس امکان سے کہ انسان اللہ کے ساتھ شرک اکبر کرتا ہے اس کے باوجود بھی وہ اسلام سے الگ نہیں ہوتا اور اس کا ٹھکانہ موحدین کا ٹھکانہ ہوتا ہے۔اور اسے (کافر ملیّ) کا نام دیا۔یہ (کافر ملی یعنی دینی کافر) والی بات اس (مرجئی مناظر) سے پہلے کسی نے نہیں کہی ہے، بلکہ اس لفظ کا صحیح استعمال اہل علم کے نزدیک ان کا یہ قول ہے کہ'' فاسق ملی'' یعنی وہ گناہگار ہے اپنی گناہ کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔یعنی وہ گناہگار ہے اس گناہ سے ملت سے خارج نہیں۔اور جو کافر ہے تو اس کی نسبت صرف اپنی کفری ملت کی طرف ہوتی ہے۔اور جو آیت کی تفسیر کے بارے میں قول ہے تو وہ واضح اور معروف ہے کسی بھی اہل سنت کی تفسیر کے اندر اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر شرکِ اکبر پر اسے حمل کریں تو ملت سے خارج ہیں۔یا تو اس سے مراد بتوں کو پوجنے والے مشرک ہیں جو ربوبیت پر ایمان رکھتے ہیں۔﴿ولئن سألتهم من خلقهم ليقولن الله﴾ ''اگر آپ نے ان سے سوال کیا کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے''۔اور عبادت میں شرک کرتے ہیں۔یا مراد اہل کتاب کے مشرکین ہیں۔اللہ پر ایمان لائے اور محمد ﷺ کی رسالت سے کفر کیا۔یا مراد منافقین ہیں۔زبان سے ایمان لائے اور دل سے کفر کیا۔اور یہ تمام اقسامِ ایمان بالاتفاق آگ سے بچانے والی نہیں اور ان کے کرنے والے کا ٹھکانہ بالاتفاق مؤحدین کے ساتھ نہیں۔اور یہ جائز نہیں کہ آیت میں مذکور ایمان کو مسلمانوں کے ایمان پر حمل کریں جو کہ آگ سے بچانے والا ہے۔الا یہ کہ اس کے یعنی آیت میں مذکور ایمان کے ساتھ منسلک شرک سے مراد شرکِ اصغر ہو اور درحقیقت یہ چیزیں چھوٹے طلبہ کے نزدیک بھی مسلمات اور آسان باتوں میں سے ہیں لیکن جھگڑا اور مناظرہ کبھی بھی اندھا اور بہرہ بنا دیتا ہے۔

اورشاطبی رحمہ اللہ نے اس سے پہلے ہی شیخ حمد بن ناصر بن معمر رحمہ اللہ سے مفصل بیان کیا وہ کہتے ہیں: ''اجتہاد کرنے والے صرف عام پر عمل نہیں کرتے (نہ اس سے کوئی عقیدہ ثابت کرتے ہیں) جب تک اس عام کے خاص کرنے والے کی تلاش نہ کرلیں اور مطلق پر بھی (اس وقت تک عمل نہیں کرتے اور اس سے کوئی عقیدہ اس وقت تک ثابت نہیں کرتے جب تک وہ یہ سوال نہ اٹھائے) کہ آیا اس کا کوئی مقید ہے یا نہیں؟۔کہ اس کے خاص کی بحث نہ کرلیں اور مطلق کی کہ کہیں اس کا کوئی مقید تو نہیں؟ عام صرف اپنے خاص کے ساتھ دلیل ہوتا ہے۔پس اگر (کسی عام میں) خاص کی مراد ہونے کے باوجود خاص غائب ہو تو یہ عام پھر متشابہ کی قبیل سے ہو جائے گا۔اور خاص کا اٹھ جانا صحیح بات سے انحراف ہوگا۔اسی لئے معتزلہ گمراہ فرقوں میں شمار ہوئے۔ جب انھوں نے اس آیت کی پیروی کی ﴿اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ﴾ ''جو چاہو کرو''۔(حٰمٓ السجدة: ٤٠) اوراس (آیت) کے بیان کرنے والی اور وضاحت کرنے والی آیت کو چھوڑ دیا❶۔اسی طرح خوارج جنھوں نے اس آیت کی پیروی کی ﴿اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ ''حکم تو صرف اللہ کے لئے ہے'' (یوسف: ٤٠)۔اور جبر یہ نے اس آیت کی اتباع کی ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ﴾ ''اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور جو تم عمل کرتے ہو'' (الصافات:٩٦)۔اور اس کے بیان کو چھوڑ دیا۔اور وہ اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿جَزَآءً بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ﴾ ''وہ ان کے کئے کا بدلہ ہے'' (التوبة: ٨٢)۔اسی طرح تمام لوگ جو ان اطراف کی پیروی بلانظر ان کے پیچھے کرتے رہے۔اور اگر وہ سب کو جمع کر لیتے یعنی اگر یہ لوگ ان آیات اور ان کے وضاحت کرنے والی آیات کو جمع کر لیتے اور اگر ان (آیات واحادیث) کو (آپس میں) ملاتے جن کے ملانے کا اللہ نے حکم

---

❶ یعنی حٰم سجدۃ آیت ۴۰ کا مطلب جس آیت اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے اس مطلب کو معتزلہ نے نظر انداز کر دیا اور اس آیت کا خود تراشہ مطلب بیان کیا۔

دیا ہے تو ضرور مقصد کو پہنچ جاتے۔پس جب یہ ثابت ہوگیا تو پھر بیان اپنے مبیّن سے مقترن ہوگا۔پس اگر مبیّن کو بیان کے بغیر لیا تو وہ متشابہ ہوا۔اور وہ خود میں متشابہ نہیں۔ بلکہ رستہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں نے اس میں متشابہ کو اپنے نفسوں میں خود داخل کردیا اور صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے ۔انتھی مختصراً

میں کہتا ہوں: اسی طرح مرجئہ کے چوزے ہیں۔ایسی خبروں کی پیروی کرتے ہیں۔اور انھیں مضبوطی سے تھامتے ہیں تا کہ اس کے ذریعے وہ طواغیت حکام ان کے غلاموں ،ان کے مددگاروں اوران کے فرقے کے لوگوں مشرکوں اور گمراہوں کے دین کی پیوندکاری کریں۔اوراس کا مبیّن ترک کردیتے ہیں۔جیسا پہلے گذر چکا کہ اس سے یعنی ان احادیث سے مراد جن میں کہا گیا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوا سے آگ سے نکال لو،اسی طرح حدیث بطاقہ وغیرہ سے مراد توحید کا اس شخص میں ثابت ہونا اور شرک سے اس کی براءت کرنا ہے۔اوراسی پر مرنا۔ بلکہ ایسے اعمال کرنا کہ اس کے بغیر آدمی مسلم نہیں ہوسکتا۔پس ان رجسٹروں سے مراد جو بطاقہ (یعنی اس کارڈ) کے مقابل (قیامت کے دن) رکھے جائیں گے (جس کارڈ میں اس گناہگار شخص کا لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوگا) چھوٹے گناہ اور وہ بڑے گناہ ہیں جو توحید کو نہیں توڑتے یعنی وہ رجسٹر جو میزان کے ایک طرف لا الٰہ الا اللہ کے کارڈ یعنی بطاقہ کے مقابل رکھے جائیں گے اور وہ بطاقہ ان تمام رجسٹروں سے زیادہ وزنی ہوگا وہ رجسٹر شرک وکفر کے رجسٹر نہیں ہوں گے بلکہ ان دونوں سے چھوٹے گناہوں کے رجسٹر ہوں گے۔اور بطاقہ سے سے مراد لازمًا توحید کا ثبوت اور کفر کا انکار ہے اس سے براءت جو اللہ کے علاوہ عبادت کیئے جاتے ہیں۔اسی طرح ان لوگوں کا معاملہ جن کے بارے میں (حدیث) میں کہا گیا ہے انھوں نے کبھی اچھائی نہیں کی یعنی ایسی خیر جو آگ میں ہمیشگی سے بچانے والی توحید کے تقاضوں سے اوپر ہوں۔اسی طرح حدیث ’’کہ نکال

دو آگ سے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الفتح (۱/۳۷) پر کہا: "رائی کے دانے سے مراد جو کچھ اصل توحید سے علاوہ کئے گئے اعمال ہیں ۔دوسری روایت کے اس قول سے کہ "نکال دو جس نے کلمہ توحید پڑھا اور نیک عمل کیا جو ذرہ کے برابر ہو"۔

اور ہم ان مرجئہ عصر کی طرف ایک ایسے واضح سوال کا رُخ پھیرنا چاہتے ہیں جس سے منحرف ہونے پر اور اس سے بھاگنے پر ہم ہرگز راضی نہیں ہوں گے (سوال یہ ہے) کہ: یہ لوگ (مراد وہ لوگ ہیں جن کے جہنم کے نکالنے کا حکم اللہ ان کے ذرہ برابر ایمان کی وجہ سے دے گا) یہ لوگ جن کو تم نے ان احادیث میں دلیل کے طور پر پیش کیا صرف اس لیے کہ تم اپنے طواغیت کو کفر سے بچا سکو کیا یہ لوگ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ محمد ﷺ کی رسالت کے منکر لوگ ہیں؟؟ یا کیا یہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے ساتھ ساتھ مسیلمہ کذاب کی نبوت کے قائل لوگ ہیں؟؟ کیا یہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے ساتھ ساتھ میرزا غلام احمد کی نبوت کے قائل لوگ ہیں؟؟ یا کیا یہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے ساتھ ساتھ مخلوق میں سے علی رضی اللہ عنہ اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کو بھی اللہ ماننے والے لوگ ہیں۔اور کیا (لا الٰہ الا اللہ کہنے کی وجہ سے) ان سب (بڑے بڑے گناہوں یعنی محمد ﷺ کی رسالت کا انکار یا محمد ﷺ کے بعد کسی اور نبوت کا قائل ہونے) کے باوجود یہ آگ سے نکلنے والے لوگ ہوں گے اور ان کا ٹھکانہ موحدین کا ٹھکانہ ہوگا (یعنی کیا ان کا انجام مسلمانوں جیسے ہوگا؟؟) اگر وہ اس کے قائل ہوئے تو انھوں نے اپنی عقل کی فساد پر، اللہ کے دین کے خلاف جراءت پر بلکہ اپنے کفر زندیقیت اور اللہ کے دین میں الحاد پر جن وانس کو گواہ بنا دیا۔اور اگر وہ اس کی نفی کریں۔تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ کیا ان احادیث سے دلیل لے کر تم نے نفی کی یا کوئی اور دلیل سے کی؟؟ پس اگر کہیں کہ: انہی احادیث سے کی تو انھوں نے جھوٹ کہا اور ہم ان

سے (ان احادیث میں اس دعوے کے دکھانے کا) مطالبہ کریں گے جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتے [1] ۔ اور اگر کہا کہ: ان احادیث کے علاوہ تو ان پر اور ہر ایک پر لازم ہوا کہ ایسی احادیث کو اکیلے نہیں سمجھا جاسکتا بلکہ اس کے بیان کرنے والے مجموعہ احادیث کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے ۔ جو ان احادیث کی وضاحت کرنے والی ہوں ۔

✿ اسی طرح ان پر لازم ہوگا اگر انھوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حجت لی ہے جس کو حاکم اور ابن ماجہ نے روایت کیا: ''اسلام اس طرح پرانا ہوجائے گا جس طرح کپڑے کا چھاپ پرانا ہوجاتا ہے (یعنی جس طرح کپڑے پت بنے ہوئے پھول پتی جس طرح پُرانے ہوجاتے ہیں) اور اللہ کی کتاب کو ایک ہی رات میں اٹھالیا جائے گا اور اس کی کوئی آیت زمین میں باقی نہیں رہے گی۔

اور ان لوگوں کی جماعت سے بزرگ آدمی اور بوڑھی عورت باقی رہے گی جو کہیں گے کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' ہم نے اپنے آباواجداد کو اس کلمہ پر پایا پس ہم بھی کہتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ نماز صدقہ اور قربانی کیا ہے ۔ پس صلہ بن زفر نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ''لا الٰہ الا اللہ'' ان کو کیا

---

[1] مؤلف حفظہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ: جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہواُسے جہنم سے نکالو جیسے احادیث میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو اسے جہنم سے نکالو مگر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو یا ختم نبوت کو نہیں مانتا اسے نہ نکالو، ایسا کوئی ذکر ان احادیث میں نہیں ہے اگر کوئی یہ دعوٰی کرے کہ ان احادیث میں ایسے لوگوں کے جہنم سے نہ نکلنے کا ذکر ہے، ہم ان سے ان احادیث میں اس دعوے کو دکھانے کا مطالبہ کریں گے جو کسی کی استطاعت میں نہیں ہے پس جب مرجئہ عصر بھی یہ بات مانتے ہیں تو پھر ان کو یہ بات ماننی پڑے گی کہ ایسے لوگوں کو جہنم سے نہ نکلنے کو دوسری احادیث سے معلوم کرنا پڑے گا۔

نوٹ: نبوت کے منکر یا ختم نبوت کے منکر کا جہنم میں ہمیشہ رہنے پر ہم اور مرجئہ عصر دونوں متفق ہیں ۔ پس جب اس پر اتفاق ہوگیا تو پھر ہم اس دعوے میں بھی حق بجانب ہیں کہ طواغیت حکام اسلام سے خارج ، کافر اور اگر اسی پر وہ مرے تو خالد مخلد فی النار ہیں ، اگر چہ مذکورہ بالا احادیث میں ان طواغیت کا جہنم سے نہ نکلنے کا ذکر نہیں ہے اور وہ احادیث عام ہیں مگر ان طواغیت کے کفر کا ذکر (بالکل ختم نبوت کے منکروں کے ذکر کی طرح) دوسری آیات واحادیث میں ہے تو چاہیے کہ مرجئہ عصر اپنی اس مرجئیت سے توبہ کریں یہی انصاف کا تقاضا ہے نیز ایسی احادیث سے ان کا اس طرح کا استدلال بالکل بے کار ہے ۔ مقبول ہنگو حفظہ اللہ

فائدہ دے گا کہ وہ نماز روزہ صدقہ اور قربانی نہیں جانتے ہوں گے؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس سے تین بار اعراض کیا۔ پھر کہا: اے صلہ وہ انہیں آگ سے بچالے گا"۔اس حدیث کو البانی نے صحیح کہا باوجود اس کے کہ اس کے اسناد میں ابو معاویہ محمد بن حازم تمیمی السعدی الکوفی الضریر ہے جو کہ مدلس اور مضطرب الحدیث ہے۔اس کی حدیث سے حجت قائم نہیں ہوتی۔الا یہ کہ وہ اعمش سے روایت کرے جیسا کہ ائمہ نے ذکر کیا اور یہاں اعمش کے طریق کے علاوہ ہے اور اس میں عنعنہ ❶ بھی ہے۔اسی میں یہ بھی اضافہ کیجئے کہ وہ مرجئ تھا! ❷

بہر حال اگر حدیث کو صحیح بھی فرض کرلیا جائے۔تو یہ قوم بھی (ہماری طرح) اپنے اوپر لازم کرتا ہے کہ وہ ایسی دوسری مبیّن احادیث کی روشنی میں اس حدیث کو سمجھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (مذکورہ بالا حدیث میں) اس قول کا کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں گے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ توحید کو مانیں گے اور شرک سے اجتناب کریں گے ❸۔یعنی توحید کو ثابت اور شرک اور تندید سے بچیں گے اور کلمہ سے مجرد تلفظ مراد نہیں۔پھر ان لوگوں کو قرآن میں سے کچھ نہیں پہنچا نہ ہی شرائع دین سے کچھ پہنچا اگر رسالت کے خاتمے کے بعد یہ فرض کرلیا جائے اور انھوں نے توحید کو ثابت کیا

---

❶ مگر اس حدیث کو شیخ البانی نے اس سند کے علاوہ دوسری سند سے بھی صحیح قرار دیا ہے جس میں ابو معاویہ کی بجائے ابوعوانہ الوضاح بن عبداللہ ہے جو ثقہ اور قوی راوی ہے۔دیکھو سلسلة الاحادیث الصحیحة حدیث نمبر ۸۷۔مقبول ہنگو حفظہ اللہ

❷ بدعتی کی روایت کے مردود ہونے کو ابن حجر نے نخبۃ الفکر اور اس کی شرح نزھۃ النظر میں راجح کیا ہے جبکہ یہ روایت اس کی بدعت کو قوی کرتا ہو اور اس کی مددگار ہو۔اور یہاں یہ حدیث اسی باب سے ہے تو پھر اگر اس میں تدلیس اور اضطراب بھی شامل ہو تو کیا کہئے۔

❸ نوٹ: جس حدیث میں "لا الٰہ الا اللہ" پر جہنم سے بچنے اور جنت میں داخلے کا وعدہ ہوگا اس حدیث میں اس کلمہ کا صرف منہ سے کہنا مراد نہیں ہوگا بلکہ دوسرے احادیث کی روشنی میں اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جس نے "لا الٰہ الا اللہ" اس کے معنے کو جانتے ہوئے ،دوسرے معبودوں سے انکار کرتے ہوئے صدق دل سے ،اخلاص کے ساتھ،اس کے تمام تقاضوں کو دل سے مانتے ہوئے یقین کے ساتھ اور تمام کافر بنانے والے عقائد،اعمال اور اقوال سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے (یہ کلمہ) پڑھا تو وہ جنت میں جائے گا اور وہی مسلمان بھی ہے۔مقبول ہنگو حفظہ اللہ

ہو پس انھوں نے ایمان واجب ادا کر دیا جوان پر اوران جیسوں پر واجب تھا۔

کیونکہ انذار تو اللہ کی کتاب سے ہوتا ہے:

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ (الانعام:۱۹)

''اور اس قرآن سے میری طرف وحی کی گئی ہے تاکہ میں تمھیں اور جسے یہ پہنچے ڈراؤں۔''

اور ان لوگوں کو کتاب اللہ نہیں پہنچی تو ثابت ہوا کہ ان کا شرائع دین سے جہل اور اسکے واجب اصولوں سے جہلِ طلب حق میں تقصیر سے یا اعراض کے نتیجے میں نہیں تھا۔ بلکہ کتاب کے اُٹھ جانے کی وجہ سے تھا۔ اور وہ امر قہری ہے جو ان کے ارادہ سے باہر ہے۔ تو وہ اُن شرائع کی تفاصیل سے معذور سمجھے جائیں گے جو کہ صرف وحی کے ذریعے جانی جاتی ہیں۔ اس صورت میں کہ انھوں نے حنیفیت یعنی دین ابراہیمی کو کو ثابت کیا جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا۔ [1]

پس آپ (ان آیات میں اللہ کی طرف سے) فرع واصول (دونوں) کی وجہ سے اُن کی پکڑ کو سوچیں، بات بہت لمبی ہو جائے گی، اس کی تفاصیل ہمارے رسالے ''الفرق المبین بین العذر بالجهل والاعراض عن الدین'' میں آپ پائیں گے۔ ان کا حال ان سے قریب ہے جنھوں نے توحید کا ثبوت بعثت سے پہلے دیا۔ جیسے زید بن عمرو بن نفیل ہیں پس وہ اس قوم میں سے

---

[1] برخلاف اس کے کہ جسے قرآن پہنچا اور اس نے اعراض کیا اور توحید کا ثبوت نہ دیا۔ تو اُسے اصولِ دین اور فروع دونوں کی وجہ سے پکڑ ہوگی اور صحیح تو یہ ہے کہ اس میں سے کسی چیز پر اُسے چھوٹ نہیں ہوگی۔ اللہ نے فرمایا: ﴿مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝ حَتّٰى اَتٰنَا الْیَقِیْنُ ۝ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ ''تمھیں جہنم میں کس چیز نے ڈالا۔ کہیں گے ہم نمازی نہیں تھے۔ نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور ہم اٹکل کرنے والوں کے ساتھ اٹکل کرتے تھے۔ اور ہم یوم حساب کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں یقین آ گیا۔ پس اب سفارشی کی سفارش انہیں فائدہ نہیں دے گی۔ (مدثر:) اور فرمایا: ﴿اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ﴾ ''کہ وہ اللہ رب اعظیم پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلانے پر ترغیب دیتا تھا۔'' (الحاقه:۳۳-۳۴)

ہے۔جس کے بارے میں اللہ نے کہا تھا:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أُنْذِرَ آبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ. (یٰسٓ:٦)

''تا کہ آپ ایسی قوم کوڈرائیں جن کے آباءواجداد کوڈرایا نہیں گیا اور وہ غافل تھے۔''

اور فرمایا:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَتٰهُمْ مِّنْ نَذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ. (القصص:٤٦)

''تا کہ آپ ایسی قوم کوڈرائیں جن کوآپ سے پہلے کوئی ڈرانے والانہیں آیا۔''

پس نماز روزہ اور زکاۃ جوہم پر فرض ہیں کی تفاصیل ان کو(یعنی زید بن عمرو بن نفیل جو رسالت سے پہلے موحد تھے) کونہیں پہنچیں نہ انھوں نے ان میں سے کسی چیز پر عمل کیا۔اس کے باوجود اس میں اُسے معذور سمجھا گیا اس لئے کہ اس نے اپنے حق میں واجب اصل ایمان کو ثابت کیا۔اور حقیقت میں یہی حنیفیت ہے،شرک سے بچنا اور اصل توحید کو ثابت کرنا۔پس وہ زید بن عمرو بن نفیل ملت ابراہیمی پر تھا۔اسی بناء پر نبی ﷺ نے بتایا کہ وہ اکیلا امت ہو کر قیامت کے دن اٹھیں گے۔ بلکہ ان کا حال تو ان جیسا ہے جو نبی ﷺ کی بعثت کے بعد ایمان لائے اور نزول شرائع سے پہلے مکہ میں مرے۔پس یہ لوگ ان پر واجب ایمان کو ادا کر گئے۔جب انھوں نے توحید ثابت کی اور شرک اور تندید سے اجتناب کیا اور ہمارے محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دی اور یہ تمام جوابات اس وقت ہونگے اور حدیث صحیح ہوگی۔اور جب حدیث میں ان الفاظ کی زیادتی صحیح ہوگی کہ: ((يا صلة تنجيهم من النار)) ''اے صلۃ!وہ انہیں آگ سے بچالے گی۔''اگر یہ لفظ مرفوع ہے اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کے قول سے مدرج [1] نہیں۔اس سارے کا حاصل یہ ہے کہ موحد یقین کرلے کہ توحید کو ماننا اور اس کی ضد سے جو ہر وہ شرک ہے جو اسلام سے خارج کرنے

[1] مدرج،حدیث اس لفظ یا الفاظ کو کہتے ہیں جو راوی حدیث نے حدیث کو واضح کرنے وغیرہ کے لیے اپنی طرف سے کہے ہوں ⇐

والا ہو براءت کرنا اصل دین اور اس کی بنیاد ہے۔اور رسولوں کی دعوت کی بنیاد اور ان کی دعوت کی چکی کی کیلی ہے۔اور یہ کہ تمام شرائع ان کی یعنی توحید اور شرک سے براءت کی حفاظت اور تحقیق اور نگرانی کے لئے نازل ہوئے ہیں۔اور یہ امرِ محکم ہے اس میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ ہر اس خبر کو اس اصل (یعنی توحید کو ماننا اور شرک سے برأت کرنا) کے تحت درج کرنا چاہیے اور اسی اصل کو سامنے رکھ کر (ہر اس خبر کو) سمجھنا چاہیے جو لوگوں میں سے کسی پر مشتبہ ہوتا ہو یا اس کو کوئی خیال کرنے والا اس محکم اصل کا مخالف و معارض خیال کرتا ہو۔یعنی اگر آپ کو کوئی حدیث ایسی ملے تو آپ اس کو اپنی سمجھ، خواہش وغیرہ کی عینک سے نہ سمجھیں بلکہ اس حدیث کو اسی اصل عینک سے سمجھیں۔وہ اصل کے نیچے ہو اور اسی پر حمل ہو۔کیونکہ وہی ام الکتاب اور اصل ہے نہ کہ اس خبر کو اس سے ٹکرایا جائے اور اس اصل کا مخالف بنایا جائے۔اس کی تو بات ہی نہ کرو جو ان احادیث کے ذریعے اس اصل (یعنی توحید) کو منہدم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔جیسا کہ مرجئہ عصر اپنے طواغیت کی آنکھوں کی سیاہ کرنے کے لئے کرتے ہیں:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ، وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (آل عمران:۷)

’’پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ کی پیروی کرتے ہیں فتنہ کو تلاش کرنے کے لئے اور اس کی معنی معلوم کرنے کے لیے اور اس کی تاویل (یعنی معنی) کوئی نہیں جانتا مگر اللہ، اور راسخین فی العلم جو ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ’’ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں

⇦ یہاں مؤلف حفظہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ کہ: ’’یا صلة تنجیهم من النار‘‘ شاید حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتھاد سے کہا ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل نہ کیا ہو مگر بعض کے نزدیک یہ لفظ مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسے الفاظ کا اپنی رائے سے کہنا جائز نہیں۔از ہنلو حفظہ اللہ

سب اللہ کی طرف سے ہیں جو ہمارا رب ہے اور اس سے صرف صاحبِ عقل ہی نصیحت لیتے ہیں۔''

اللہ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ کو راسخین فی العلم میں سے کر دے۔

شاطبی رحمہ اللہ اعتصام میں کہتے ہیں: ''جزئی فروع کا کلی اصول سے مخالفت ممکن نہیں۔ کیونکہ جزئی فروع اگر کسی عمل کا تقاضا نہیں کرتی تو وہ محلِ توقف میں ہیں [1]۔ اور اگر عمل کا تقاضا کریں تو اصول کی طرف رجوع ہی صراطِ مستقیم ہے۔ پس جس نے معاملہ کو الٹا کیا اس نے حق سے دور ہونے کی کوشش کی اور حکمِ ذم میں داخل ہوا''۔

اور اس باب میں ہم طالبِ حق کے لئے اسی قدر ذکر پر کفایت کرتے ہیں اور جس کے لیے اللہ فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرلے تو آپ اسے اللہ سے (بچانے) کے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے۔۔

○ شبہ: کہ طواغیت اور ان کے غلام نماز پڑھتے ہیں۔

جو کچھ پیچھے گذر چکا اس سے آپ پر ان کے شبہات میں سے دوسرے شبہ کا بطلان بھی ظاہر ہو جائے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کی یہ حجت کہ ان کے بعض طواغیت اور ان کے پیرو کار نماز پڑھتے ہیں۔ اور ایسے نصوص ذکر کرتے ہیں جن میں نماز کا ذکر عاصِمِ دَم کے طور پر ہو یعنی ''جن میں نماز کا ذکر (آدمی) کی جان بچانے والے کے طور پر ہو مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے شبھے کی دلیل میں وہ نصوص بیان کرتے ہیں جن میں کہا گیا ہو کہ جو نماز پڑھے اس کی جان اور اس کا خون مسلمان کے لیے حرام ہے۔ پس وہ گمان کرتے ہیں کہ صرف اکیلی نماز ہی عصمت دلاتی ہے

---

[1] محلِ توقف میں ہیں، کا معنی یہ ہے کہ اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ہمارا اس پر ایمان ہے اور یہ کہ یہ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

۔اور یہ کہ ہر وہ جو نماز پڑھے وہ مسلمان اور معصوم جان و مال ہوگا یعنی اس کی جان و مال محفوظ ہوں گے۔ چاہے وہ نواقضِ اسلام میں سے کچھ بھی کرتا رہے۔ کیا وہ نماز نہیں پڑھ رہا ہے؟

اور آپ جان گئے ہیں کہ اس طرح کے نصوص کو ان کے مبینات کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے اور سلف ان نصوص کو ایسے نمازی پر حمل کرتے ہیں جو کہ توحید کا التزام رکھتا ہو اور شرک اور دوسرے نواقضِ اسلام سے بچتا ہو چاہے ظاہری کیوں نہ ہو۔ سلف میں سے کسی نے بھی یہ نہیں سمجھا کہ ان جیسے لوگ جن کے بارے میں یہ احادیث کہی گئیں ہیں صرف نماز کی وجہ سے محفوظ اور مسلمان ہوں گے اگرچہ وہ (نمازی) طاغوت کے پاس فیصلے لے جاتا ہو اور اس کی اور اس کے پیروکاروں کی مدد کرتا ہو مثلاً: یا اللہ کے دین میں طعن کے باوجود یا اس کی شریعت کے ساتھ مذاق یا اسی طرح کے دوسرے نواقض کے باوجود......اور اللہ کا یہ قول گذر چکا ہے کہ:

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ کَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُم. (توبة : ٦٦)

''معذرت نہ کرو تحقیق تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو۔''

پس یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو اسلام کا اظہار کرتے اور نماز پڑھتے تھے بلکہ جہاد کرتے تھے۔ کیونکہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے تھے۔ اس سب کے باوجود اللہ نے ان کو کافر کہا جب انھوں نے ناقضِ اسلام میں سے کسی ناقض کا ارتکاب کیا۔ اور ہم نے اس سے پہلے ایسی بہت سی مثالیں ذکر کیں جو اس کی بیمار سوچ کا بطلان کرتی ہیں اور ان میں سے اکثر وہ لوگ جو ان نصوص کے فہم اور سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں یا ان (نصوص) کے گردنوں کو توڑتے مروڑتے ہیں آپ انہیں اس طرح بھی پائیں گے کہ تارک نماز کو کافر قرار دیتے ہیں اور اس پر مرتد کا حکم لگاتے ہیں پس اس کا نکاح باطل کرتے ہیں اور اس کی بیوی کو اس سے الگ کرکے اس کے مسلمان اہل وعیال سے اس کی میراث روکتے ہیں اور ایسے ہی دوسرے کام

جورِدّت کی لوازمات ہیں اور اسی حال میں جس حال میں وہ تارک نماز کو کافر کہتے ہیں وہ اپنی طرف سے شریعت بنانے والے طواغیت کی تکفیر میں تردد کرتے ہیں۔مع اس کے کہ اسلام اور ایمان طاغوت کے کفر کے تارک سے سلب ہو۔ یہ زیادہ اولیٰ ہے کہ اسلام تارکِ نماز سے سلب ہو(یعنی طاغوت کو کافر نہ کہنے والے کا ایمان نماز نہ پڑھنے والے کے ایمان سے زیادہ سلب ہونے کے لائق ہے) کیونکہ کفر بالطاغوت (یعنی طاغوت کے ماننے سے انکار) جب فرض ہوا تھا تب نماز،زکاۃ وغیرہ نہیں تھے۔تو ایک وقت ایسا (ضرور) تھا جس میں صرف (کفر بالطاغوت)اللہ پر ایمان اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کا اقرار خون اور جان بچانے والا تھا،اور ایک وقت تک اسلام وایمان کی علامت تھا۔جیسا کہ پہلے گذر چکا اور یہ کہ نماز کی فرضیت کے بعد بھی وہ نماز اس وقت تک صحیح نہیں جب تک اس رکن عظیم کو نہ مانا جائے اور یہ مسلمانوں کے اجماع کے ساتھ معلوم ہے۔پس طاغوت کا کفر یعنی طاغوت کے ماننے سے انکار کو ترک کرنے والا مسلمان یا مؤمن نہیں کہلائے گا اگر چہ اس کے ساتھ اسلام وایمان کے شعب میں سے کوئی شعبہ بھی کیوں نہ ہو۔جیسے نماز وغیرہ۔ یہاں تک کہ وہ توحید کو (دل سے) مانے اور طواغیت کو ماننے سے انکار کرے بلکہ اگر تمام ایمانی شعب پر بھی عمل کرلے تو بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس نے ان شعب میں سے اعلیٰ شعبہ کو ترک کر دیا اور ان تمام شعبوں کی صحت کی شرط کو جب تک اس نے ترک کر دیا ہے [1]۔ پس اسی سے آپ ان کی دلیل کا بطلان جان جائیں گے جو وہ اپنے نمازی طواغیت کے لئے کرتے ہیں!! ان احادیث کے ذریعے سے جیسے وہ حدیث جسے امام مسلم رحمہ اللہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’عنقریب ایسے امراء ہوں گے جنھیں تم پہچانو گے اور ان کا انکار کرو گے پس جس نے پہچان لیا وہ بری

[1] تمام شعبوں کی صحت کی شرط سے مراد اللہ پر ایمان محمد ﷺ کے رسول ہونے کا اقرار اور طاغوت کے ماننے سے انکار ہے۔

ہوا[1] اور جس نے انکار کیا محفوظ ہوا لیکن جو راضی ہوا اور اطاعت کی (وہ تباہ ہوا) صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا؟ کیا ہم ان سے جہاد نہ کریں؟ فرمایا: ''نہیں جب تک وہ نمازی ہیں'' پس سوال اصل میں ظالم ائمہ کے خروج کے بارے میں تھا اور مرجئہ عصر کی آنکھیں خوف کے مارے اس کے ذکر کے وقت گھوم جاتی ہیں اور اسے فتنہ شمار کرتے اور خوارج کی سوچ کہتے ہیں!! چاہے وہ خروج ائمہ کفر کے خلاف ہو یہاں نماز کا ذکر (جیسا کہ علماء نے ذکر کیا ہے) اشارہ ہے اقامتِ دین وتوحید کی طرف۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ نماز اصل توحید کے توڑنے کے ساتھ کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ پس کبھی آدمی نماز، زکوٰۃ دینے والا اور مجاہد ہوتا ہے اور اس کے باوجود کافر ہو جاتا ہے۔ اور اس کا مال وجان صرف ''لا الٰہ الا اللہ'' کے کسی ناقض میں واقع ہونے کی وجہ سے حلال ہو جاتا ہے۔

اسی لئے نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ قول کہ ((**افلا نقاتلهم**)) کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ فرمایا (صلی اللہ علیہ وسلم نے) ''نہیں جب تک وہ نمازی ہیں'' پس اس میں وہی معنی ہے جو گذر چکا کہ خلفاء کے خلاف خروج صرف ظلم وزیادتی کی بنا پر نہیں ہوتا۔ مگر جب وہ قواعدِ اسلام میں سے کچھ بدل نہ ڈالیں۔ اور تم نے یہ بھی جان لیا کہ اسلام میں دخول صرف نماز کے ذریعے نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے لازمی ہے کہ کلمۂ توحید کا ماننا اور شرک سے براءت کی جائے۔ اور یہ اسلام کے اہم اور جلی قواعد میں سے ہے۔ اور تم نے جان لیا کہ اس قوم نے اسے منہدم کر دیا ہے۔ اور نماز

---

[1] یہ صحیح مسلم میں حدیث نمبر ۱۸۵۴ کے الفاظ ہیں: ''جس نے پہچان لیا وہ بری ہوا'' کا معنی یہ ہے کہ: جس نے ان اُمراء اور حکمرانوں کے منکر اور اسلام کے مخالف کاموں کو پہچان لیا اور پر معروف ومنکر مشتبہ نہیں ہوئے تو گویا اس کو اس منکر کے گناہ اور اس کے سزا سے خلاصی کا اور بری ہونے کا راستہ مل گیا وہ اس طرح کہ اگر وہ قدرت رکھے تو اس منکر کو ہاتھ یا زبان سے منع کرے اس کو اس پر قدرت اگر نہ ہو تو دل سے ان سے نفرت کرے۔ مگر حدیث نمبر ۱۸۵۵ میں اس طرح کے الفاظ ہیں کہ: جس نے نفرت کیا وہ بری ہوا۔ یعنی جو اس منکر کو ہاتھ اور زبان سے منع نہیں کرسکتا اگر اس نے صرف دل سے ہی اس منکر کو ناپسند کیا اور اس سے نفرت کیا تو بھی وہ بری ہو جائے گا۔ شرح مسلم۔

،زکاۃ،روزہ،حج ،مساجد کا بنانا اور مال دولت کو وقف کرنا وغیرہ جو ان چیزوں میں سے ہیں جن کے بارے میں ہمارا جھگڑا ہے ہی نہیں (یہ سب)اصل دین کو منہدم کرنے اور اس کلمہ اخلاص (لا الٰہ الا اللہ) کو توڑنے کے باوجود کیا فائدہ دے گا جس کلمہ کے بغیر مذکورہ بالا چیزوں میں سے کوئی چیز قبول نہیں اور ان مذکورہ بالا چیزوں میں سے تمام چیزیں فرض نہیں ہوئے مگر اس کلمہ کے بعد۔اور یہ دین کے عظیم قواعد میں سے ہے جس کے منہدم ہونے سے تمام اعمال ریت کی طرح اڑ جائیں گے اور دین منہدم ہو جائے گا۔اور یہی یہاں میری مراد ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو حاکم اور الٰہ اور ربّ قانون ساز بنایا جائے۔اور لوگوں پر اس دین اور اللہ کی شریعت کے خلاف تشریع میں داخل ہونے کو لازم کیا جائے۔اور اسے عدالت کا نام دیا جائے۔اللہ اور ہر وہ شخص جس کے دل کو ھدایت ہوئی ہو جانتا ہے کہ یہ کفر شرک اور گمراہی ہے۔(حکمران کفر ،شرک اور ضلالت) کے ساتھ ساتھ اللہ کے دین سے بھی (لوگوں کو) منع کرتے ہیں اور اللہ کے دوستوں (مجاھدین وغیرہ) کے خلاف بھی لڑتے بھی ہیں پھر بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حاکم یا حکمران نماز پڑھتا ہے یا پڑھتے ہیں !!۔

شیخ عبداللطیف آل شیخ رحمہ اللہ (مصباح الظلام :ص:۳۲۸) پر کہتے ہیں: جس کسی نے اسلام کے مبانی میں سے صرف ایک پر عمل کرنے کو اسلام بنالیا اللہ کی توحید اور شرک سے براءت کو چھوڑنے کے باوجود تو وہ سب سے زیادہ جاہل اور گمراہ ہے۔اور یہ جاہل لوگ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ جس نے بعثت کا انکار کیا وہ کافر ہوا اور قتل کیا جائے گا اور اس کا مال وجان حلال ہو گئے۔چاہے وہ نماز پڑھے روزے رکھے یا حج کرے اور زکاۃ دے۔اور اس نے کلمۂ توحید کہا اور یہ دعوٰی کیا کہ وہ اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہے۔اور یہ کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی نبوت کو مانا (جیسے بہائیہ اور البابیہ قادیانیہ وغیرہ) تو وہ اس بناء پر ان کو کافر قرار دیتے ہیں

۔اوران کا مال اور جانیں حلال ہوئیں چاہے وہ نماز پڑھیں اور روزہ رکھیں اور حج وزکاۃ دیں اور کلمۂ توحید ہزار بار پڑھیں۔اور یہ کہ جو قرآن میں زیادتی یا کمی کا قائل ہو اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خائن کہا اوران کو کافر کہا اور ام المؤمنین سیدہ مطہرہ عائشہ بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا کی عزت میں طعن کیا۔تو وہ کافر ہوا چاہے وہ نماز پڑھے روزہ حج کرے زکاۃ اور خمس دیتا رہے۔اور مساجد تعمیر کروائیں اور کلمۂ توحید پڑھا اور اس پر اعتقاد رکھنے کی قسم کھائی۔ پھر جب ہم ان کے طواغیت کی کفریات صریحہ اور نواقض قبیحہ کا ذکر ان کے (سامنے) کرتے ہیں تو وہ گدھوں کی طرح بدک جاتے ہیں اور ان طواغیت کو فاسد اور بہت سے فوارق والے قیاس کے ذریعے ایسے حکمرانوں پر قیاس ❶ کرتے ہیں جو ظالم ہونے کے باوجود اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے والے تھے۔اور یہ کہا کہ ''وہ تو نماز پڑھتے ہیں'پس بہت دوری ہے ایسی ظالم قوم کے لئے۔

○ شبہ:﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ الْكَـٰفِرُونَ﴾''یہود کے بارے میں نازل ہوئی اور ان ہی پر خاص ہے''

اوران لوگوں کا ایک اور شبہ بھی ہے جس کے ساتھ وہ اپنے طواغیت ،قانون ساز اور جن کی

---

❶ نوٹ قیاس مع الفارق ایسے قیاس کو کہتے ہیں جس میں اس چیز کے درمیان جس کو قیاس کیا جاتا ہے اور اس چیز کے درمیان جس پر قیاس کیا جاتا ہے فرق ہوتا ہے۔یعنی قیاس میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک اصل جس پر قیاس کیا جاتا ہے اور دوسرا فرع جس کو قیاس کیا جاتا ہے اب اگر اس اصل وفرع میں فرق ہو تو اس کو قیاس مع الفارق کہتے ہیں جو بالا جماع باطل ہے۔یہاں اس کی مثال اس طرح ہے کہ: تابعین وغیرہ کے زمانے میں حکمران ظالم ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت کو نافذ کرنے والے تھے احادیث میں ایسے ہی حکمرانوں کے خلاف خروج سے منع کیا گیا ہے۔اب یہ حکمران اصل ہوئے۔ ہمارے زمانے کے حکمران (فرض کرو) دو طرح کے ہیں ایک وہ جو ظالم ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کی شریعت کی حکمرانی کو قبول کرتے ہیں اور اس کو نافذ کرتے ہیں، ان کو اگر حدیث میں اور سلف کے اقوال میں ذکر کئے گئے حکمرانوں پر قیاس کیا جائے اور کہا جائے کہ ان کے خلاف خروج کرنا احادیث کی مخالفت، اور خارجیت ہے تو یہ صحیح قیاس ہوگا۔دوسرے قسم کے حکمرانوں کو جو اللہ کی شریعت کی حکمرانی کو نہیں مانتے۔اگر احادیث میں ذکر کیے گئے حکمرانوں پر قیاس کیا جائے اوران کے خلاف خروج کو ممنوع قرار دیا جائے تو یہ قیاس مع الفارق اور فاسد قیاس ہوگا۔از ہنگو حفظہ اللہ

اللہ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے کی پیوندکاری کرتے ہیں۔ اور وہ ہے ان کا یہ کہنا کہ آیت:﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُوْلَـٰئِكَ هُمُ الْكَٰفِرُونَ﴾ ’’جو اللہ کے نازل کردہ پر حکم نہ کرے وہ ہی لوگ کافر ہیں۔‘‘ اس شبہ والے لوگ کہتے ہیں کہ: یہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی اور انہی کے لئے خاص ہے۔

اور اس پر ردّ بہت سے وجوہ کے ذریعے ہے:

پہلا: کہ تم جان لو کہ اس آیت کے منطوق سے اصل میں کفرا کبر صریح مراد ہے [1] جبکہ اس آیت میں تعریف کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے کفرِ حقیقی مراد ہے۔﴿فَأُوْلَـٰئِكَ﴾ معرفہ ہے’’ **هُم** ‘‘معرفہ ہے اور’’ ال ‘‘تعریف کا حرف ہے اور اس سے زیادہ قوی تعریف کہیں نہیں پس معنی یہ بنتا ہے کہ’’ وہ لوگ دوسروں سے زیادہ وصفِ کفر کے حقدار ہیں‘‘۔(حدّ الاسلام و حقيقة الايمان:ص:٤١٢)

اور یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ حدیث میں مروی ہے:((**فاولئک هم الشهداء**))’’پس یہی شہید ہیں۔‘‘ مطلب وہی لوگ شہادت کے لئے خاص ہیں دوسرے شہیدوں کی طرح جیسا کہ معرّفۃ الطرفین والے جملہ اسمیہ سے معلوم ہوتا ہے [2]۔ اور مبتداء اور خبر کے درمیان ضمیر منفصل سے بھی معلوم ہوتا ہے۔(الدررالسنية كتاب الجهاد)

---

[1] اور اصغر میں اس کے استعمال کی ممانعت نہیں۔ گناہگاروں کو ڈرانے کے باب میں جیسا کہ اکثر اہل علم وعید کی آیات میں کرتے ہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں’’ یہ بعید نہیں کہ وہ احکام جو اللہ نے مشرکین کے لئے نازل کئے مسلمین پر بھی لاگوں ہوں‘‘ اور انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے اس آیت کی تشریح میں قول سے استدلال کیا﴿اذهبتم طيباتكم في حياتكم الدنيا ......﴾ ’’تم نے اپنی زندگی میں اپنی اچھائیوں کو ختم کر دیا‘‘ فرمایا: یہ آیت کفار کے بارے میں نص ہے اس کے باوجود عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹ سمجھا یعنی یہ آیت جوان کے حالات کے کسی حد تک مناسب تھی اور کسی صحابی نے ان کا انکار نہیں کیا۔

[2] معرفۃ الطرفین وہ جملہ اسمیہ ہوتا ہے جو جملہ اسمیہ دونوں طرف معرفہ واقع ہو یعنی مسند الیہ بھی معرفہ ہو اور خبر بھی معرفہ ہو مبتدا بھی معرفہ ہو خبر بھی معرفہ ہو وغیرہ۔

شیخ عبدالمجید شاذلی (حــدّ الاســلام : ٤١٢) میں اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ :''(سورہ مائدۃ آیت 44 میں الـكـافـرون) کا لفظ اپنے اطلاق پر ہے اثبات میں نکرہ نہیں ہے جیسا کہ (یہ لفظ کفر) نبی ﷺ کی اس حدیث میں (نکرہ ہے) اثـنــان فــی الــنـاس هـمـابهم كـفـر،الطعن فی النسب لوگوں میں دو چیزیں ہیں اور یہ دونوں ان میں کفر کی چیزیں ہیں (ان میں سے ایک)نسب میں طعن کرنا ہے......الخ بلکہ(اس آیت میں ۴۴ میں لفظ الـكـافـرون ❶)معرّف باللام میں سے ہے (یعنی الف ولام کے ساتھ معرفہ ہوا ہے) نکرہ میں نہیں ہے۔نہ ہی مقید میں سے ہے جیسا کہ اس فرمان الٰہی میں ہیں:

مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ. (الطارق:٦)

''اچھلتے پانی سے۔''

منی کو ایک مقید نام سے ذکر کیا گیا۔اسم مطلق میں داخل نہیں کیا۔

اسی طرح سورۃ الطارق آیت نمبر۶ میں پانی کو مطلق ذکر نہیں کیا بلکہ اس کو اچھلنے کے ساتھ مقید کیا جس طرح سورۃ النساء آیت نمبر۴۳ میں پانی مطلق ذکر کیا کہا:

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا. (النساء:٤٣)

---

❶ مذکورہ بالا عبارت میں جو یہ لکھا ہے کہ ''الکافرون کا لفظ اپنے اطلاق پر ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ: الکافرون لفظ کا اس آیت میں جو معنی ہے وہ معنی اصلی شرعی اور حقیقی ہے اور کفر کا حقیقی اور شرعی معنی اسلام سے خروج اور اسلام میں نہ ہونا ہے یعنی اس آیت میں (فـاولـئك هـم الكافرون) کا شرعی وحقیقی معنی یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں۔مگر ایک بات ہے جسے مؤلف نے بھی آگے قدرے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس آیت میں ''مَــــنْ'' عام ہے اس شخص کو بھی شامل ہے جو ہمیشہ کے لیے اللہ کے نازل کیے ہوئے کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں اور اس شخص کو بھی شامل ہے جو کبھی کبھار اپنے خواہشات سے مغلوب ہو کر (ما انزل اللہ) کے خلاف فیصلہ کرتا ہے لیکن سلف کے اقوال کے پیش نظر پہلے قسم کے لوگ اسلام سے بغیر کسی قید کے خارج ہیں چاہے وہ ما انزل اللہ کی اس مخالفت کو حلال کہے یا نہ کہے۔اور دوسری قسم کے لوگ اسلام سے اس قید کے ساتھ اس وقت خارج ہوں گے جب وہ ما أنزل اللہ کی اس مذکورہ بالا مخالفت کو حلال سمجھے اور ما انزل اللہ سے انکار کرے۔ازمترجم ثانی مقبول ہنگو حفظہ اللہ

''اگر تم پانی نہ پاؤ تو تیمّم کرلو۔ (یہاں مطلق پانی مراد ہے)''

تو اس وقت اصل یہ ہوگی (اصل سے یہاں وہ معنیٰ مراد ہے جس معنی کا بغیر دلیل کے چھوڑنا جائز ہو) کہ اس آیت میں لفظ الکفر کا معنی اپنے اطلاق پر اور اپنے شرعی واصلی حقیقت پر ہوگا۔ اوراس معنی سے ہٹایا نہ جائے کہ وہ مجاز میں سے ہوجائے (یا اسے کسی دلیل کے بغیر مقید کیا جائے)۔

دوسرا: کہ تم جان لو کہ اسی معاملہ نے (میرا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت کفرِ اکبر کے بارے میں بیان کرتی ہے جو کہ ملت اسلام سے خارج کرنے والا ہے) بہت سے سلف کو اس بات پر اکسایا کہ وہ اس آیت کی تاویل (یعنی تفسیر) میں کہنے لگے کہ یہ آیت کفار، یہود اور اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ کہ وہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی یا یہود یا اہل کتاب کے بارے میں ہے) جیسا کہ صحیح مسلم میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا یہ قول ثابت ہے کہ ''یہ (آیت) تمام کفار کے بارے میں ہے یعنی گناہگار مسلمانوں کے کے بارے میں نہیں ہے۔ تو (معلوم ہوا کہ) یہ آیت ایسے کفر کے بارے میں بات کررہی ہے جو دین اسلام سے خارج کرنے والا ہے کافر نہ کرنے والے معاصی اور گناہوں کے بارے میں نہیں۔ بلکہ اس سے سلف نے خوارج پر ردّ کرنا چاہا کہ جب یہ آیت خطا کاروں، گناہگاروں اور ظالم مسلمانوں کے بارے میں بیان کیا جائے تو پھر (یہ آیت) اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہوگی (یعنی اس کا وہ ظاہری معنی مراد نہیں ہوگا جو اسلام سے خارج کرنے والا ہے) کیونکہ اس وقت اس آیت کا اپنے ظاہر پر محمول کرنا (اس کا ظاہری معنی مراد لینا) اس آیت کو ایسی جگہ پر رکھنا ہے جس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جبکہ وہ قواعدِ دین اور اس کی حدود کو بدلنے والے کفار کے بارے میں ہے۔ جو کہ اللہ کے ساتھ شرع سازی کرتے ہیں جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا وہ ویسا کرتے ہیں جیسا یہود وغیرہ نے کیا۔ پس اگر کوئی اس میں پڑا

جس میں یہود پڑے تو یہ آیت ظاہراً اُسپر بھی لاگو ہوگی۔اوراگر بات گناہگاروں ظالموں اورخطا کاروں کے بارے میں ہوتو پھران کے بارے میں اس آیت کا ظاہری معنی مراد لینا صحیح نہیں ہوگا۔سوائے اس تاٗ ویل کے کہ اس سے مرادانکاراوراستحلال ہے۔اسی طرح ہمارے محقق علماء کرتے ہیں۔تو آپ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔کیونکہ یہ مرجئہ عصر کے شبھات کو اس باب میں قطع کرتی ہے۔اورمیں نے شاذلی کی کتاب(حد الاسلام و حقيقة الايمان:ص:٤٠٧) پر ایسی ہی بات پائی ہے جس کا خلاصہ حاضر ہے: خوارج نے چاہا کہ جوکوئی یعنی (مَـنْ) میں حکم کی سرکشی اور قاضیوں کا ظلم اورمطلق مخالفتِ شریعت داخل کردیں۔اور یہ کہ وہ صرف امام کی غلطی پراُسے کافرنہ کہیں یہاں تک رعایا بھی اس کے ساتھ کافرہو۔اس بات کا باطل ہونا دین سے یقینی طور پر معلوم ہے۔اوراسی لئے تو رسول ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اوراہل قرون ثلاثہ میں سے ان کے تابعداروں نے اس کاانکارکیا۔اور اس آیت کی تفسیر میں ان کے ردّ میں اقوال کہے اور (سلف) کا کلام اس (آیت کی تفسیر) میں اس ضرورت کے مطابق ہوتی تھی جوان کو پیش آتی ۔اورانھوں نے مرجئہ عصر کا گزشتہ مسلک کا ذکرکیا جس میں (مرجئہ نے) ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابومجلز کے ان اقوال پرتکیہ لگایا ہے جو انھوں نے خوارج کے ردّ میں کہے تھے تاکہ وہ (مرجئہ عصر) اس کے ذریعے اس بات کو ثابت کرے کہ جواختلاف کے وقت اللہ کی شریعت کے علاوہ دوسری شریعت کی طرف اپنے فیصلے لوٹائے وہ اس سے دین اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔پھر انھوں نے کہا: خوارج نے اس آیت ۴۴ کے حکم کواپنے ظاہر پر باقی رکھااورجس حکم کے ساتھ اس (آیت) کاتعلق تھا اُس سے انھوں نے اسے موڑ دیا،اوران (مرجئہ عصر) نے بھی اس حکم کو اس کے متعلق کے ساتھ جوڑا اورکبھی اس بات کے ساتھ جوڑا جس کے ساتھ اس حکم کا کوئی تعلق نہیں ہے [1]۔

تیسری قسم کا ردّ: یہ کہا جائے (اس لئے جو گذر چکا) کہ جس نے یہ کہا کہ یہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی اس میں کوئی مانع نہیں۔کہ یہ آیت اس کے لئے بھی عام ہے جو اس چیز میں واقع ہوا جس میں یہود واقع ہوئے کیونکہ نصوصِ شریعت میں لفظ کا عموم معتبر ہے نہ کہ خصوصِ سبب اور لفظ ''مَن'' چاہے موصولہ ہو یا شرطیہ یا استفہامیہ، یہ سب عموم کے صیغے ہیں۔جیسا کہ اہل اصول فقہ کے نزدیک معلوم ہے اور اس آیت میں شرطیہ واقع ہوا ہے۔پس وہ عام اور متناول ہے ہر شخص کو جس کو مطلق لفظِ ''مَن'' شامل ہے گرچہ اس آیت کا اول نزول کسی خاص قوم کی طرف تھی۔اور لفظِ عام میں اصل بات یہ ہے کہ وہ تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔اور بغیر دلیل کے خصوص کی طرف نہیں جایا جائے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تاتار کے بارے میں اپنے کلام میں کہتے ہیں: ''کہ کتاب وسنت کے نصوص جو کہ دعوتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دونوں لفظی عموم یا معنوی عموم کے ذریعے تمام مخلوق کو شامل ہیں اور کتاب وسنت میں کیئے گئے اللہ کے وعدے آخری امتی پر بھی اسی طرح لاگو ہیں جیسا کہ پہلے امتی پر۔(الدرر السنية جزء الجهاد:ص:٨٤)

اور شیخ عبدالرحمان بن حسن رحمہ اللہ الدرر السنیۃ میں کہتے ہیں کہ: ''یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی کتاب میں خطاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی سنت میں خطاب صرف ان سے متعلق ہیں جن کے بارے میں وہ نازل ہوئے ہیں۔یہ تو کوئی نابلد اور شریعت اور اس کے احکام سے جاہل آدمی بھی نہیں کہے گا۔بلکہ یہ جسارت تو وہ بھی نہ کرے گا جو باطل کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں (یعنی باطل کا دفاع کرتے ہوئے باطل دلیل کی مدد سے مناظرہ کرتے ہیں) تاکہ ان کو کوئی جاہل وگمراہ نہ سمجھے کیونکہ (اس طرح کی جسارت) جہالت وگمراہی کی سب سے واضح دلیل ہے۔(افراخ مرجئۃ

[1] یعنی اس آیت کا جو تعلق مسلمان گناہگاروں کے ساتھ ہے اُسے اِن مرجئۃ عصر نے طواغیت کے متعلق کردیا۔مترجم

نے بار بار اس قول کے باوجود اس زمانے میں یہ جسارت کی ہے۔اسی سے آپ ان کی جہالت معلوم کر سکتے ہیں) اور اس قول کے قائل کو لازم ہو جاتا ہے (یعنی اس قول کے قائل کی بات کا یہ نتیجہ خود بخود نکلتا ہے) کہ شریعت معطل ہو اور ان لوگوں کے خلاف جو نبی ﷺ کے بعد مرتد ہو گئے تھے نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا جنگ کرنے کی وجہ سے ان پر طعن کرنا جائز ہو۔(عبدالرحمٰن بن حسن نے) پھر لگا تار اس باطل قول کے لوازم کا ذکر کیا اور قرآن کو حاکم بنانے اور اس کو مطلقاً مقدم رکھنے کے دلائل ذکر کیئے پس اس کے لئے آپ کتاب کے جزء جہاد ص:۸۹ کو ملاحظہ کریں۔

اور ان کا بیٹا شیخ عبداللطیف رحمہ اللہ (مصباح الظلام:ص:۱۴۰) میں کہتا ہے:''کہ جس نے (اس بات سے) انکار کیا کہ (اللہ کا) قرآن کو نازل کرنا اور وہ احکام جن پر قرآن دلالت کرتا ہے ان اشخاص اور ان حوادث کے بارے میں ہیں جو عموم لفظی کے تحت آتے ہیں تو وہ تمام مخلوق سے گمراہ شخص ہے اور اس چیز سے جس پر اہل اسلام اور ان کے علماء ہر زمانے اور ہر طبقے میں رہے ہیں سب سے زیادہ جاہل ہے اور قرآن اور اس سے استدلال کا نزاع واختلاف کے وقت سب سے زیادہ تعطیل کرنے والا اور چھوڑنے والا ہے۔حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. (النساء:۵۹)

''اگر تم میں کسی چیز میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔''

اور اللہ کی طرف لوٹانا درحقیقت اس کی کتاب کی طرف لوٹانا ہے۔اور رسول کی طرف لوٹانا اس کی سنت کی طرف ہے۔

اور اللہ نے فرمایا:

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ. (الانعام:۱۹)

''تا کہ میں تم کو اور جس تک یہ (قرآن) پہنچے اس کے ذریعے ڈراؤں۔''

پس قرآن کے نصوص اور احکام عام ہیں۔ کسی سبب کی خاصیت سے خاص نہیں۔ تو پھر جو کوئی یہودیوں والے کام کرے جو انھوں نے اللہ کے رستے سے روکنے اور اس سے کفر کرنے میں کیئے ان کو کافر کہنے میں کیا چیز مانع ہے، باوجود معرفت کے؟؟۔

اور شیخ عبداللطیف رحمہ اللہ جزء (مختصرات الردود) میں فرماتے ہیں کہ: ''کتاب اللہ کو سمجھنے سے روکنے والے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ جو کچھ اللہ نے مشرکین کے بارے میں کہا اور جو حکم ان پر لگایا اور ان کو وصف دیا وہ گذرے لوگوں اور قوموں کے ساتھ خاص ہے اور وہ ختم ہو گئے اور ان کا کوئی وارث باقی نہیں۔ اور شاید بعضوں نے مفسرین کا یہ قول سن لیا کہ: یہ بتوں کی پوجا کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئیں ۔ یہ صائبہ کے بارے میں نازل ہوئیں پس یہ احمق لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ انہی لوگوں سے خاص ہے۔ اور یہ کہ وہ حکم ان سے آگے یا لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ یہ اُن تمام اسباب میں سے سب سے بڑا سبب ہے جو بندہ اور قرآن وسنت کے فہم کے درمیان حائل ہوتے ہیں۔ اور ان کا پوتا ابراہیم بن عبداللطیف رحمہ اللہ شعر کہتا ہے۔

''جو کوئی کتاب کی آیات کو اقتصار کرے گا اس کے نزول کے اسباب پر تحقیق اس نے خسارہ پایا پس اعتبار تو عموم لفظ کا ہے یہ قول ہے جس نے آسان ملت کے ارکان کو مضبوط کیا وہی لوگ ہدایت پر ہیں کہ جن کے بارے میں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کی فضیلت زمانی اور علمی عرفان پر نص کی یعنی ان کی فضیلت انھوں (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیان کیا۔'' (الدررالسنية: جزء :ص: ٤١٠،مختصرات الردود)

اسی لئے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے ان آیات کی خصوصیت

کے دعوٰی کا انکار کیا۔ پس ان کے ہاں یہ آیات یعنی ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ ذکر کی گئیں تو ایک آدمی نے کہا: کہ یہ بنی اسرائیل کے بارے میں ہیں۔ تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''پھر تو بنی اسرائیل تمہارے لیے (بہت) اچھے بھائی ہیں۔ اگر تمہارے لئے تمام میٹھا اور ان کے حصے میں سب کڑوا ہو۔ ہرگز نہیں اللہ کی قسم تم لوگ ان کے رستے پر ایڑھی کی اونچائی جتنا چلو گے''۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ سے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کہا: (یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہیں۔ اور ہم پر بھی واجب ہیں)۔

اور اسماعیل القاضی (احکام القرآن) ❶ میں کہتے ہیں: ''ظاہری آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس نے ان جیسا فعل کیا اور اللہ کے مخالف حکم اختراع کیا اور اسے دین بنایا اس پر عمل کرتا ہے۔ پس اس پر بھی وہ وعید لازم ہوئی جو ان پر تھی۔ (فتح الباری:۱۳/ ۱۲۰)

القاسمی رحمہ اللہ اپنی تفسیر محاسن التأویل :ص:۱۹۹۹، میں کہتے ہیں: ''مسلم نے براء رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی کہ اللہ کا یہ فرمانا: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ (المائدہ:٤٤) تینوں آیات کفار کے بارے میں ہیں۔ اسی طرح ابوداؤد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ یہ تمام یہود کے بارے میں ہیں۔ خاص کر بنوقریظہ اور بنوالنضیر، اس میں کسی دوسرے پر شامل ہونے کی نفی نہیں۔ کیونکہ معنی کا اعتبار عموم لفظ سے ہوتا ہے خصوصِ سبب سے نہیں۔ اور لفظِ (مَن) شرط کے معنی میں واقع ہوا اس لئے یہ عموم کے لیے ہے۔

شیخ سلیمان بن عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ (توحید الخلائق:ص:۱٤۱) کی

---

❶ لفظ دین نظامِ حکومت اور اس کے منہج کے معنی میں آتا ہے۔ جس طرح اللہ نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ۔ اس (علیہ السلام) کے لیے بادشاہ کے دین، نظام اور قانون میں اپنے بھائی (بنیامین) کو لینا جائز نہیں تھا۔

توضیح میں فرماتے ہیں ''سبب نزول اگرچہ خاص ہو پس عموم لفظ اگر منسوخ نہیں تو معتبر ہے اور اللہ کا یہ فرمانا: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ اس میں لفظِ (مَن) داخل ہے جو شرط کے لئے ہے تو اس لیے یہ عموم کے لیے ہوگا۔

اور معاملہ کیسا بھی ہو۔ آپ پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ آیات ہر اُس شخص کو شامل ہیں جس نے اللہ کی حدود کو بدلا اور اللہ کی اجازت کے بغیر ایسا قانون بنایا جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی تھی اس کے ساتھ شرع سازی کی۔ چاہے اس نے کوئی دستور بنایا یا میثاق کیا یا مرسوم بنایا یا یاسق [1] کو (اپنا) قانون بنایا یہ تمام چیزیں کفر ہیں ملت سے نکالنے والی ہیں۔ اس صورت میں کہ جب اس کے کرنے والے نے خود کو یا دوسرے کسی کو اللہ کے ساتھ قانون سازی کا حق دیدیا۔ جیسا کہ ان کے قوانین اور تشریعات اور ان کے محلی اور بین الاقوامی طواغیت اس پر دلیل دیتے ہیں۔ یعنی ان کے قوانین (جو کہ خود بھی طواغیت کے زمرے میں آتے ہیں) خود اس بات کی دلیل فراہم کرتے ہیں کہ یہ قوانین بنانے والے اپنے آپ کو اور ان پر عمل کرنے والے ان کے بنانے والوں اور ان کے چلانے والوں کو قانون سازی اور اپنی طرف سے شریعت بنانے کا حق دیتے ہیں۔ (مع اللہ) یعنی ''اللہ کے ساتھ'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کو بھی قانون ساز سمجھتے ہیں اور ''اللہ کے ساتھ'' دوسروں کو بھی قانون ساز سمجھتے ہیں تو یہ شرک ہوا جب شریعت میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہیں تو یہ کفر ہے اگرچہ ان میں سے ہر ایک کا دوسرے پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ سلف کے اقوال جو ان آیات کی تفسیر میں خوارج کے ردّ کے بارے میں تھے (کیونکہ خوارج نے) ان آیات کو اپنے متعلق کے ساتھ نہیں رکھا (مرجئہ عصر کا ان اقوال کو) ان طُغاۃِ عصر پر لاگو کرنے سے

---

[1] یاسق اس قانون کو کہتے ہیں جو چنگیز خان نے مختلف مذاہب سے جمع کر کے بنایا تھا۔ دیکھو ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر اور البدایہ والنہایۃ۔

آپ کو مرجئۃ عصر اوران کے شیوخ کی گمراہی معلوم ہو جائے گی جن (طُغاۃ عصر) نے طواغیت کو حاکم بنایاہے بلکہ وہ خود طواغیت بن بیٹھے ہیں اور انھوں نے اللہ کی شریعت کے علاوہ شریعت (اور قانون) کو حاکم بنایا اور اسے ایسا دین بنایا جس پر وہ چلتے ہیں۔ پس وہ اس پر اسلام وایمان کا حکم لگاتے ہیں (اپنے اندھے طریقے اور گمراہ منہج کے ذریعے) جس کی تکفیر پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ (البداية والنهاية: ١٣/١١٩) میں کہتے ہیں: جس نے محکم اور محمد ﷺ پر منزل تشریع کو ترک کیا۔ اور منسوخ شریعتوں پر فیصلے کیے تحاکم کیا پس وہ کافر ہوا۔ پس اس کا کیا کہیے جس نے الیاسق کی طرف تحاکم کیا (یعنی تاتاری یاسق) اور اُسے شریعت پر مقدم کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مسلمین کے اجماع سے کافر ہے۔

اور اس قوم (یعنی اس زمانے کے طواغیت) نے بھی ایک ''یاسق'' محلی بنالیا ہے جس کو ''دستور'' کا نام دیا ہے اور ایک بین الاقوامی عالمی ''یاسق'' انھوں نے بنایا ہے جس کا نام ''میثاق'' رکھ دیا ہے۔ جسے وہ کتاب اللہ پر مقدم کرتے ہیں۔ اپنی تمام زندگی کے امور میں اور ان دونوں (یاسقوں) کا قانون اور حکم ہی ان کے نزدیک حاکم اور معمول بہ ہے اور قرآن کا حکم معطل ، بدل کیا ہوا اور دیوار پر مار دیا گیا ہے۔ [1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (مجموع الفتاوى: ٢٨/٥٢٤) میں کہتے ہیں کہ: ''مسلمانوں

---

[1] ہم نے اس بارے میں تفصیل اپنی کتاب (كشف النقاب عن شريعة الغاب) میں ذکر کردی ہے۔ اور ہم نے ان کے اقوال اور قوانین کے نصوص سے دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ لوگ اللہ کی شرع المحکم پر اپنے قوانین یاسق کو مقدم رکھتے ہیں۔ کہ ان کے نزدیک صرف اسی قانون کی بادشاہت ہے۔ جبکہ اللہ کی کتاب کا نہ تو کوئی حکم ہے اور نہ ہی بادشاہت اگر اس کو ان کے دستور کی نص یا قانون مضبوط نہ کرے یعنی یہ طواغیت اللہ کی شریعت کی صرف اُس بات کو مانتے ہیں جس بات کو ان کے طاغوتی قانون سے تقویت ملتی ہو (یا کم از کم اس بات کے ماننے میں بھی یہ طواغیت کوئی حرج نہیں سمجھتے جو بات ان کے طاغوتی قانون کے مخالف نہ ہو۔ جیسے ⇦

کے دین سے اضطرار کے ساتھ اور تمام مسلمانوں کے اجماع کے ساتھ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جس نے دینِ اسلام کے علاوہ دین کی اتباع کو جائز سمجھا یا، یا شریعتِ محمدی ﷺ کے علاوہ کی اتباع کو جائز قرار دیا وہ کافر ہوا۔ ❶

اور پھر اس چیز پر اجماع کیسے نہ ہو جب کہ آپ جان چکے ہیں یہ اصلِ دین اور اس کا قاعدہ اور بنیاد ہے۔ جبکہ کفر بالطاغوت کلمہ اخلاص وتوحید کا نصف ہے یعنی نصف اول ''لا الہٰ'' کفر بالطاغوت اور طاغوتی اداروں کا انکار ہے اور نصف ثانی ''الَّا اللہ'' اللہ پر ایمان ہے۔ اور جب تک نصف اول پر عمل نہ کیا جائے نصف ثانی اللہ کے ہاں قبول نہیں ''فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقى لانفصام لها''۔ اور انبیاء ومرسلین کی دعوت کی چکی کا پاٹ ہے اور اسی وجہ سے (اور ہمیشہ رہے گی) یہ جھگڑا ہے ہم نے ''کشف النقاب'' میں ان کے اس بات سے کہ شریعت اسلامیہ ہی ان کے نظامِ حکومت میں واحد حکم اور قانون ہو ان کے (دلوں کے) بہت زیادہ اور صریح تنگ ہونے کو نقل کیا (اور لکھا) ہے۔ اور اسی اختلاف میں نزاع ہے اور نجات وہلاکت ہے۔ پس یہ قوم (میرا مطلب مرجئہ) اپنی تاویلات اور شبہات اور بے وقوفیوں کے ذریعے آیاتِ کتاب وسنت اور اصلِ دین اور دعوتِ رسل اور اجماع اہل

⇐ جمعہ کی نماز اور عیدین کی نماز وغیرہ) سوئے نہ ہوتے تو تم طواغیت کے ان کارناموں سے ان کے کفر معلوم کرتے۔ اور انھوں نے اپنے لئے قانون میں لکھا ہے کہ ''نص قانونی کے بغیر کوئی سزا نہیں'' اور انھوں نے اپنے (یاسق) قانون میں لکھا ہے کہ نظام الحکم یعنی ''بادشاہ کا دین'' ڈیموکریسی ہے نا کہ اللہ کی شریعت اور اس کی حدود۔ جیسا کہ کویتی دستور کے سیکشن (٦) میں ہے۔ آپ میری کتاب ''کشف النقاب'' کا مطالعہ کریں آپ اس میں مزید ایسا مواد پائیں گے جس کے ذریعے آپ اہل جہم اور ارجاء اور ان کے رؤوساء کا قلع قمع کر سکیں گے۔

❶ تو پھر ان لوگوں کا آپ کیا کہیں گے جو اللہ کی شریعت کے علاوہ دوسرے قوانین کو صرف جائز ہی نہیں ضروری اور واجب سمجھتے ہیں اس قانون کو نہ ماننے والوں کو جیل میں ڈالتے ہیں سزائیں دیتے ہیں جنگ کرتے ہیں اور قتل کرتے ہیں۔

توحید کو اپنے سینگوں سے دھکیلتے ہیں اہل توحید کی مخالفت کرتے ہیں۔پس دوری ہو بہت دوری۔اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لئے کوئی نور نہیں۔

○ شبہ: کہ اللہ کا یہ فرمانا:﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ﴾ ’’اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں حتی کہ آپ کو فیصل بنالیں اس شبہ میں کمال ایمان کی نفی ہے اصل ایمان کی نہیں ہے‘‘

یہ اور اس کے علاوہ ہم نے کفرِ طواغیت المشرعین پر جب اس آیت سے استدلال کیا:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النسآء:٦٥)

’’تیرے رب کی قسم! وہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہونگے جب تک اپنے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ بنالیں اور پھر آپ کے فیصلہ پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ ہو اور اُسے تسلیم کرلیں۔‘‘

اور بے شک اللہ نے اپنی سب سے بڑی قسم کھائی اور پھر قسم کی تاکیدی نفی کے الفاظ کے دو دفعہ تکرار سے کی جو کہ ان لوگوں سے ایمان واسلام کی نفی پر مبنی تھی جو شریعت الٰہی کو حاکم نہیں مانتا یہ اپنے دل میں تنگی محسوس کرنے کے علاوہ چاہے معمولی سا ہی کیوں نہ ہو جو وہ اللہ کے حکم کے بارے میں محسوس کرتے ہیں۔چہ جائیکہ اپنے وہ نفس میں اس بارے حرج محسوس کرے چاہے معمولی سا ہی کیوں نہ ہو۔[1]

پھر بعض مرجئہ عصر ہمارے اوپر شیطانی سوار و پیادہ کو چڑھالائے۔اور یہ زعم کیا کہ اس آیت

[1] کیونکہ (تنگی) سیاقِ نفی میں نکرہ کے لئے آیا ہے۔اور یہ صیغ عموم سے ہے اس لئے تمام انواع حرج پر مشتمل ہے تو یہ سب اقسام حرج اصل ایمان یا ایمانِ واجب کے منافی ہے۔جب کہ اللہ اس سے ایمان کی نفی نہیں کرتا جو مستحب کمالِ ایمان میں تقصیر کرے۔ ⇦

میں ایمانِ منفی سے مراد کمالِ ایمان سے اصل ایمان نہیں اور ہمارا اللہ کی توفیق سے اس پر مختلف وجوہ سے جوابات ہیں:

پہلا جواب: کہ ہم سب سے پہلے یہ نصیحت کریں یا یہ یاد دلائیں کہ الحمدللہ صرف یہی آیت ہی ان طواغیتِ مشرعین کے کفر پر دلیل نہیں۔ بلکہ یہ تو دلائل کے اس نہر سے جس میں کوئی آلودگی نہیں صرف ایک دلیل ہے جن میں سے کچھ بیان ہو چکیں۔ اوراس کے علاوہ دلائل اس مقام کے علاوہ بیان ہوئے ہیں۔ پہلی اور اعلیٰ دلیل ان کا اصلِ توحید کا نقص اوراس کے قواعد کو اللہ کے ساتھ انھوں نے داخلی طور پر یعنی اپنے ملک کے اندر جمہوریت وغیرہ کے ذریعے اللہ کے قانون کے مقابلے میں قانون سازی کر کے توحید کے اصل کو توڑ دیا اور اس کی بنیاد کو منہدم کر دیا اور انھوں نے بین الاقوامی قوانین یعنی اقوام متحدہ کے قوانین مان کر اللہ کے مقابلے میں اس اقوام متحدہ کو حاکم (ربّ) اور قانون ساز مان لیا۔ اوران کا یہ طرز عمل کلمہ اخلاص اوراس اصل اصول

⇐ اور ہم نے ''کشف النقاب ''میں ان کے اس بات سے کہ شریعت اسلامیہ ہی ان کے نظامِ حکومت میں واحد حکم اور قانون ہو ان کے (دلوں کے) بہت زیادہ اور صریح تنگ ہونے کو نقل کیا (اور لکھا ہے) جیسا کہ انھوں نے اپنے تفسیری مذکرہ کے دستورِ کویتی کے سیکشن II میں لکھا ہے اور یہ اس کا حرف با حرف معنی ہے ''باب تشریع میں اللہ کی توحید اور عبادت میں افراد کرنے میں حرج بالغ ہے ہم اللہ کی توحید اور اللہ کو قانون سازی کے باب میں عبادت کے ساتھ ایک سمجھنے سے، ہم بہت زیادہ تنگ ہوتے ہیں (اس میں تین باتیں سمجھنے کی ہیں: ①: قانون بنانے والا معبود ہے۔ ②: جو اس قانون کو مانے وہ تشریع اور قانون سازی میں اس معبود کی عبادت کرتا ہے۔ ③: کوئی قانون بنانے کا حق دار صرف اللہ کو سمجھتا ہے دوسرے کسی کو یہ حق نہیں دیتا تو وہ موحد ہے ورنہ مشرک اور کافر ہے۔ اسی بات سے یہ طواغیت اپنے دلوں میں تنگی محسوس کرتے اور زبان وتحریر میں اس کا اظہار کرتے ہیں۔ یعنی ایک اللہ ہی کی عبادت ہو اور طاغوت سے انکار ہو اس سے بڑی پریشانی ہے'' یا ''لا الہ الا اللہ بہت بڑی پریشانی کا باعث ہے'' تو آپ اس علانیہ اور کھلم کھلا کفر پر غور کیجئے اور یہ صرف اس شخص کے ساتھ خاص نہیں جو اس قانون کو بنانے والا، وضع کرنے والا یا چلانے والا ہو۔ بلکہ ہر اس پر مشتمل ہے جو ان کی تائید کرے یا اس سے تحکیم طلب کرے یعنی اس طاغوتی قانون کے نفاذ کا مطالبہ کرے یا اس کی مدح کرے یا مدد کرے یا اُسے پسند کرے یا کہے: میں اس سے براءت نہیں کرتا یا اُسے عدل کا وصف دے چاہے کتنی ہی لمبی داڑھی ہو اور چاہے اس کی نسبت کسی بھی (اچھے سے اچھے فرقے کی طرف ہو)۔

کو توڑنے والا ہے جس کے گرد قرآن وحدیث کے دلائل اول سے آخر تک گھومتے ہیں اور یہ مسئلہ ایسا نہیں جیسا اُسے مرجئہ عصر خیال کرتے ہیں کہ یہ بس ایک آیت کا مسئلہ ہو وہ جس طرح چاہیں اس کی تفسیر کریں گے اور معاملہ ختم ہو جائے گا۔لیکن جہالت کے غلبے شرک کی کثرت اور اہل شرک اور ان کے مددگاروں سے اختلاط اور ان کی مجالس میں بیٹھنا اور ان کے ساتھ کھانا اور ان کی طرف مائل ہونا (جیسی باتوں نے) اس قوم کی عقلوں کو اندھا کر دیا ہے اور ان کے دلوں سے ھدایت اور حق مبین کو حجاب میں رکھا ہے اور یہ باتیں ان کے اور کفر وایمان وتوحید وشرک میں تمیز کے درمیان حائل ہوگئی ہیں۔ایسے مسائل میں جو دین اسلام میں سب سے زیادہ واضح ہیں یا واضح امور میں سے ہیں۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ ایمان کی نفی اور اس بارے میں وعیدِ ایمان کے کمال میں تقصیر کی وجہ سے وارد نہیں ہوتے (مجموع الفتاویٰ:۱۵/۷) ۔بلکہ وہ یعنی جب اللہ کسی کے ایمان کی نفی کرتا ہے یا تو اس شخص نے ایمان کو ختم کیا ہوتا ہے یا اس نے ایمان واجب کو چھوڑ دیا ہوتا ہے۔پھر اس کے بعد ان دونوں باتوں (پورے ایمان کی نفی یا واجب ایمان کی نفی) میں سے ایک کو ترجیح دی جائے گی (اور دیکھا جائے گا) کہ کون سی بات شارع (یعنی شریعت بنانے والے اللہ) کی مراد ہے (اور یہ ترجیح) شریعت کے دلائل یا خود اُسی نص میں (موجود) قرائن یا اور اس نص کی وضاحت کرنے والے نصوص کے ذریعے ہوگی۔جب یہ ثابت ہو گیا تو پھر اہلِ علم کے نزدیک یہ معروف ہے کہ الفاظ میں اصل یہ ہے کہ وہ حقیقی اور ظاہری ہوں یعنی جو الفاظ قرآن وحدیث میں آئے ان میں اصل یہ ہے کہ ان کے حقیقی اور ظاہری معنی مراد لیے جائیں۔اور کسی لفظ کو اس کے حقیقی اور ظاہری معنی سے مجازی (معنیٰ) کی طرف پھیر دینا صرف دلیل کے ساتھ ہوگا۔بلکہ محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن میں سرے سے مجاز ہے ہی نہیں۔تو ہم کہتے ہیں کہ (یہاں سورۃ النساء کی

آیت) میں نفی ایمان کی حقیقت یعنی ایمان کی اصل ہوئی ہے۔اوراس کا کہنے والا جو یہ کہتا ہے کہ اس آیت کہ لَایُومِنُوْنَ میں ایمان کے کمال کی نفی نہیں بلکہ ایمان کی حقیقت اوراصل ایمان کی نفی ہےاس کے پاس دلیل یہی اصل ہےیعنی وہ کہتا ہے کہ میں جو کہتا ہوں کہ اس آیت میں حقیقی اوراصل ایمان کی نفی ہےتو اس لیے کہ میں اصل پر قائم ہوں جو یہ دعوٰی کرے کہ اس سے مجازی معنی مراد ہے وہ دلیل لے آئے۔

ابن حزم رحمہ اللہ (الفصل:۳/۲۹۳) میں اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ:''یہ وہ نص ہےجس میں تأ ویل کا کوئی احتمال نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی نص ہے جو اُسے ظاہری اصل سے خارج کرے۔اور نہ ہی کوئی ایسی دلیل ہے جو اُسے ایمان کے بعض وجوہ کے ساتھ خاص کرے۔اسی میں یہ اضافہ کیجئے کہ یہاں الفاظ لغوی معنی میں ہی نہیں۔ بلکہ وہ شرعی خاص معنی میں ہیں اور بہت سے اہلِ علم نے جن میں شارح طحاویہ (ابن ابی العز الحنفی) اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہما اللہ بھی شامل ہیں۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ لفظ ایمان جب اسلام کے ساتھ جمع ہوجاتا ہےتو ان دونوں کے معنی الگ ہوجاتے ہیں اوران دونوں کے الفاظ جب الگ الگ آتے ہیں تو وہاں یہ دونوں جمع ہوجاتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب ان (اسلام اور ایمان) میں سے صرف ایک آتا ہےتو وہ دوسرے کے معنی اور حکم کو شامل ہوتا ہے اور یہاں لفظ ایمان منفرد آیا ہے اس لیے اسلام کو بھی شامل ہے۔پس آیت میں ایمان کی نفی اسلام اور دین کی بھی نفی ہے اوراس پر اسی سورت میں اس آیت سے تھوڑا پہلے آیتوں کا سیاق بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ آیات اصل ایمان کی نفی کرنے والی ہیں۔

جیسے کہ فرمان ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ ......(النساء:۵۹)

''اگر تم کسی چیز میں تنازع کرو تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ دلیل ہے کہ جو نزاع کے وقت کتاب وسنت کی طرف تحاکم نہ کرے اور ان کی طرف نہ لوٹے تو وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا''۔ یومِ آخر کے ساتھ ایمان کا ذکر کمالِ ایمان کے قول کے شبہ کو ختم کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ایمانِ رئیسی کے شعب میں سے ہے کہ جس کے زوال سے اصل ایمان زائل ہو جاتا ہے۔

اور اسی سے اللہ کا یہ فرمان ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ..........يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا. (النساء: ٦٠-٦١)

''کیا تم ایسے لوگوں کو نہیں دیکھتے جو دعوٰی کرتے ہیں کہ وہ آپ پر اور آپ سے پہلے جو نازل ہوا پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت سے فیصلہ لیں۔ اور انہیں تو حکم ہے کہ ان کا انکار کریں اور شیطان تو انہیں بہت دور کی گمراہی میں پھینکنا چاہتا ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف......تو آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ کے پاس آنے سے روکتے ہیں۔''

پس جب طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانے کا ارادہ اس طاغوت سے انکار کا مناقض ہے جو انکار اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے اور ان کو اس کا حکم دیا ہے تو پھر (اس سے) عملاً فیصلے کرانے کے بارے میں کیا خیال ہے۔ بلکہ اس کا کیا جو کہ آج کل تمام تشریعی حکمرانی اس ضمن میں طاغوت کے ہاتھوں میں دے دی گئی ہے اور یہ اس کا حق بنا دیا گیا ہے۔ چاہے وہ طاغوت بین الاقوامی ہو یا محلی یا وہ امیر ہو یا نائب یا دستور ہو یا میثاق ہو اور اصل دینِ اسلام میں یہ معروف

ہے کہ طاغوت کا کفر توحید کا رکن اور صحتِ ایمان کی شرط ہے کمالِ ایمان کی نہیں اور طاغوت پر ایمان اللہ سے کفر ہے اور اصل ایمان اور توحید واسلام کا مناقض ہے۔پس اس آیت میں نفی اصل ایمان اور اس کی حقیقت کی ہے نہ کہ کمالِ واجب کی اور مستحب کی۔اسی طرح اس آیت سے پہلی تمام آیات کا سیاق اصل ایمان کے انتفاء کی گرد ہے کمال ایمان کے گردنہیں پھر (یعنی اس سیاق والے آیات کے بعد) سورۃ النساء کی آیت ۶۵ آئی جو اس موضوع میں نص ہے یعنی آیت :فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ...... تو جو اس بات کا قائل ہو (کہ اس آیت میں ایمان کی نفی اصل ایمان کی نفی ہے) اس کی دلیل وہی اصل ہے جس کا پہلے ذکر ہوا۔اور اس سے ہٹ کر سوچنے والا اصل سے خارج ہے اور دلیل کا مطالب یعنی اس سے دلیل طلب کی جائے گی۔

آیت میں مذکورہ ''حرج'' حقیقۃ الایمان کی نفی کی قید نہیں یا جو اللہ کے حکم کو تسلیم کرنے سے منع کرنے والے کے کفر پر قید ہے۔ بلکہ اس کا وجود۔جیسا کہ گذرا کفر میں زیادتی ہے (یعنی اس آیت میں جو یہ آیا ہے کہ ''ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِىٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا...... ''اس کا بعض لوگ یہ مطلب لے رہے ہیں کہ اس آیت میں ایمان کو صرف اس شخص سے منفی کیا گیا ہے جس میں دو باتیں بیک وقت موجود ہوں ایک یہ کہ وہ نبی ﷺ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ مانے، دوسرا یہ کہ وہ نبی ﷺ کے فیصلے سے دل میں تنگی اور حرج محسوس کرے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ان دو باتوں میں سے کسی میں صرف ایک موجود ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا اور اس سے ایمان منتفی نہیں ہوگا ۔مؤلف حفظہ اللہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں کافر اس کو قرار دیا ہے جو نبی ﷺ کو فیصلہ کرنے والا نہ مانے دل میں اس سے تنگی محسوس کرے تو اس سے اس کا کفر اور زیادہ ہو جائے گا اور یہ بھی کہ جو اللہ کی شریعت سے دل میں تنگی محسوس کرے یعنی اس کو دل سے غلط جانے تو وہ کافر ہے چاہے وہ ظاہراً اللہ کی شریعت مانے بھی۔ واللہ اعلم)

اللہ کی شریعت سے دل میں تنگی محسوس کرنے والا کافر ہے چاہے اس پر فیصلہ کرنے یا نہ کرے۔اور اللہ کے حکم کو تسلیم کرنے سے منع کرنے والا کافر ہے۔ چاہے اس سے تحرج ظاہر بھی نہ کرے اور شقی آدمی میں دو کفرا کھٹے ہو سکتے ہیں۔تو اس کا کفر کفرِ مرکب ہوگا۔پس وہ اس وقت زیادۃِ حکم ہے نہ کہ حکم کی قید ہے۔یعنی یہ ''حَـرَجًا'' کا لفظ اپنے آپ میں ایک الگ حکم کی حیثیت رکھتا ہے اس نے ''حَتّٰی یُحَکِّمُوْكَ'' کو مقید نہیں کیا ہے۔اس کے بعد کہ اس نے حرج کے بعض معانی ذکر کیے اور اس میں سے ایک تنگی اور دوسرا شک ہے۔

جصاص (احـکـام الـقـرآن) میں اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں: ''اور اس آیت میں دلالت ہے کہ جس نے اللہ کے اوامر میں سے کچھ ردّ کیا یا اس کے رسول ﷺ کے اوامر کو ردّ کیا پس وہ اسلام سے خارج ہے۔ چاہے اسے شک کی وجہ سے ردّ کیا یا ترک قبول کی وجہ سے یا (اسلام کو) تسلیم کرنے سے روک جانے کی وجہ سے۔اور یہ اس بات کو ثابت کرتا ہے جس طرف صحابہ رضی اللہ عنہم گئے ہیں ارتداد کے اس حکم کے بارے میں جو انھوں نے زکاۃ دینے سے انکار کرنے والوں پر لگایا تھا اور ان کو قتل کیا اور ان کے اولادوں کو غلام بنایا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو نبی ﷺ کے سپرد نہ کیا (یعنی نبی ﷺ کی بات نہ مانی) تو وہ اہلِ ایمان میں سے نہیں ہے''۔

ابن حزم رحمہ اللہ (الفصل :۳/ ۲۳۵) میں اسی آیت کے بارے میں کہتے ہیں: ''اللہ نے اپنی قسم کھا کر کہا کہ وہ مؤمن نہیں مگر یہ کہ ہر اس چیز میں جو ظاہر ہو نبی ﷺ کو حاکم بنائے اور پھر اپنے دل سے تسلیم کرے اور اپنے دل میں اس بارے کوئی حرج نہ پائے جو آپ ﷺ نے فیصلہ کیا۔پس یہ تو ثابت ہوا کہ فیصلہ کرانا دل سے ماننے کے علاوہ اور چیز ہے۔اور یہ کہ وہی ایمان ہے اور جو اُسے نہیں کرتا وہ مؤمن نہیں۔

اے توحیدی بھائی !اس سب کا خلاصہ یہ ہے جیسا کہ ہم نے بار بار کہا کہ ہمارا معاملہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہے جنھوں نے توحید کو منہدم کیا اور طاغوت پر ایمان لایا۔اور اس کا انکارنہیں کیا اور یہ اسلام وایمان دونوں کو توڑنے اور ختم کرنے والی باتیں ہیں۔اور ظاہری کفر ہے اس میں اعتقاد یا استحلالِ قلبی یا تحرج قلبی کے بارے میں بحث نہیں کی جائے گی۔اور یہ یہاں پر قیدِ کفرنہیں ہے جب کہ یہ غیبی امور ہے اور کفر کے اسباب ہیں جو کہ غیر ظاہری ہیں اور احکامِ دنیا میں منضبط نہیں یعنی اس دنیا میں جو شریعت کے احکام چلتے ہیں ان کے رو سے یہ کسی ضابطے کے تحت نہیں آتے کیونکہ دل سے حلال جاننا دل میں شک کرنا یا تنگی محسوس کرنا غیب میں ہیں ان کو جاننے کے لئے دو ہی رستے ہیں:

یا تو وحی کے رستے سے۔یا پھر گناہگار خود اس کی صراحت کرے یا اپنی زبان سے کہے اور اس کے استحلال کی خبر اور تحرجِ قلبی کے بارے میں بتا دے۔اور یہ جان لیجئے کہ اس قوم میں یہ دونوں چیزیں ثابت ہو چکی ہیں۔پس وہ لوگ بدترین کافر ہیں۔کیونکہ وحی نے اس شخص کے ایمان کو تعیین کے ساتھ جھوٹا قرار دیا ہے جو طاغوت کا انکار نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ اسی سے اپنے فیصلے کرائے ،اور ہم ان جیسوں کے ایمان باطل ہونے کا حکم لگاتے ہیں(کہ یہ) ظاہراً(تو باطل ہے ہی) باطناً بھی (ان لوگوں کا ایمان باطل ہے)(اور یہ ہم اس لیے نہیں کہتے کہ ہمیں ان کے باطن کا علم ہے بلکہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے باطن کی خبر ہمیں اللہ نے دی ہے اور ہم) اللہ کی تصدیق کرنے کی وجہ سے اور اس کے کلمات پر ایمان کی وجہ سے (ان کے باطل ہونے پر یہ حکم لگاتے ہیں)اس بات کو سمیٹ لیں تو اس طرح ہوگی ''تو ہم ان جیسوں کے ظاہری ایمان پر بھی باطل ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور اللہ کی تصدیق کی وجہ سے اور اس کے کلمات پر ایمان کی وجہ سے ان کے باطنی (ایمان پر بھی)۔(اور یہ حکم ہے نہ کہ قیدِ حکم)اور ہم ایسے شخص کے دعووں کو جھٹلائیں

گے جو طاغوت کے پاس اپنے فیصلوں کو لیجانے والا ہو چاہے وہ یہ زعم کرے کہ وہ سچا ایمان والا اور توفیق واحسان والا ہے۔اور چاہے وہ یہ صراحت کرے کہ شریعت دینِ طاغوت اور اس کے قانون سے افضل ہے یا شرع کی تحکیم کے وجوب کا اقرار کرے یا کہے: ہمارے لئے دعا کرو یا ہماری مدد کرو وغیرہ جیسی باتیں جس کے ذریعے یہ لوگ بے وقوف لوگوں پر ہنستے ہیں۔اور اس بات کے ذریعے پیوند لگانے والے ان (طواغیت) کے لیے پیوند کاری کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ: دیکھو ہمارے یہ حکمران کتنے اچھے ہیں کہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔جب تک وہ تحاکمِ طاغوت پر مستمر رہا۔اس کے دین میں داخل رہا اور اُس سے انکار نہیں کیا یہ ایک جہت سے ہے دوسری جہت سے یہ کہ ان طواغیت نے اپنے دستور کے تفسیری مذکرات میں صراحت کی ہے۔جیسا کہ ہم نے (کشف النقاب) میں بیان کیا۔

اور انھوں نے اپنے یاسق کے دوسری دفعہ کی تفسیر میں اللہ کی توحید سے اور قانون سازی میں اس کو ایک جاننے سے اپنے تحرّج (یعنی تنگ ہونے) کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔اور اسی سے آپ جان لیں کہ اس قوم کا کفر کفرِ مرکب ہے۔اور ان کی اپنی تصریح سے بھی اس کے باوجود مرجئہ کے چوزے ان کی تکفیر سے پرہیز کرتے ہیں۔ان کے جان و مال کو معصوم سمجھتے ہیں بلکہ ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔[1]

اور (یہ افراخ مرجئہ) اپنے مخالفین اور اپنے فاسد مذاہب کے مخالفین کے خلاف ان

---

[1] جیسا کہ کویتی تراث ھیئۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کے ارکان نے طاغوت کے ساتھ اپنی بعض ملاقاتوں میں کا جو سلفیت کے بھی دعوے دار ہیں اس دن ان کی امامت طاغوت نے کی اور انھوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھی۔اور اس میں تعجب نہیں۔جب ہم نے یہ ان کی جماعت کے بارے میں پڑھا اور ان کی جمعیت (احیاء التراث) سے سنا کہ وہ حکومت کی مدح کرتی ہے اور دستور کے تحکیم کا مطالبہ کرتی ہے۔اور شرکی پارلیمنٹ کی واپسی کا مطالبہ کرتی ہے۔یہ کون سی ھیئۃ اُمر بالمعروف ہے۔جس کے اتباع ملک کے سب سے بڑی برائی اور منکر (دستوری شرک) کا اقرار کرتے ہیں اور اس سب سے بڑے معروف (توحید) کو ختم کرتے ہیں؟

(طاغوتوں) سے مدد طلب کرتے ہیں چاہے وہ (مخالفین) اہل توحید کیوں نہ ہوں۔ ❶

لا یفزعون الی الدلیل وانما فی العجز مفزعھم الی السلطان

''دلیل سے مدد نہیں لیتے بلکہ اس (دلیل) سے عاجز ہونے کی صورت میں ان کا فریادرس بادشاہ ہوتا ہے''

اور (مرجئہ کے یہ چوزے) انہیں خوارج کہتے ہیں۔ جو کہ سلف کی ایک جماعت کے قول کے مطابق کافر ہیں۔ (انہیں خوارج اس لیے کہتے ہیں) کہ وہ طاغوت کا انکار کرتے ہیں اور ان (طاغوتوں) کو ان کے دوستوں اور مددگاروں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ تو یہ (مرجئہ) ایسے لوگوں کو کافر کہنے سے پرہیز کرتے ہیں جن کا حال آپ نے دیکھ لیا۔ ایسے وقت میں جب وہ ہمارے بارے میں نہ پرہیز کرتے ہیں اور نہ حدود اللہ کا التزام کرتے ہیں پس وہ محض توحید کی وجہ سے ہمیں کافر کہتے ہیں وہ بالکل اسی طرح جیسا کہ ہر زمانے میں توحید کے داعیوں کے مخالفین کا حال ہوتا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا:

وخصومنا قد کفرونا بالتی ھی غایۃ التوحید والایمان

''ہمارے مخالفین نے ہمیں اس چیز کی وجہ سے کافر قرار دیا جو توحید وایمان کی غایت ہے''

اور ہم ان کو رب العالمین کے حوالے کرتے ہیں کہ اس دن جن کی اتباع کی گئی تھی ان لوگوں سے براءت کریں گے جنھوں نے ان کی اتباع کی۔ اور اللہ جبار ایسے لوگوں کو پکارے گا:

اَیۡنَ شُرَکَآءِیَ الَّذِیۡنَ کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ. (القصص:۷۴)

''کہاں ہیں میرے وہ شریک جنھیں تم میرے شریک سمجھتے تھے۔''

---

❶ علی الحلبی کا ایک فتوی ہے اس کے ذریعے وہ کافر حکمرانوں کو اُن لوگوں کی جن کو وہ تکفیریین کا نام دیتے ہیں (شکایات) پہنچانا (ہر اس شخص پر) واجب قرار دیتا ہے۔ اُسے ہم نے اپنی کتاب (کشف شبھات المجادلین عن عساکر الشرک وانصار القوانین) کے حاشیہ پر ذکر کیا ہے۔

اور اسی دن ہم اپنی شکایت رب العالمین کے حضور کریں گے اور ہم کہیں گے: اے رب انہوں نے ہمیں بدعتی کہا اور ہم پر بہتان لگایا جیسا کہ تو جانتا ہے۔ کیونکہ ہم نے اسے کافر کہا جس نے توحید کو منہدم کیا اور شرک کی مدد کی۔ اے ہمارے رب ہم نے تو اُسے کافر کہا جسے تو نے اپنی کتاب میں اور تیرے رسولوں نے کافر کہا۔ اے رب ہم نے تیرے دین کے دشمنوں کو کافر کہا ۔تیرے کلام کی تصدیق کی وجہ سے اور تیرے رسول کی اتباع کی وجہ سے اور تیری کتاب پر ایمان کی وجہ سے اور تیری شریعت کی مدد کرنے کی وجہ سے۔

اور اے مرجئہ تم لوگ کیا کہو گے؟ اور کیا جواب دو گے اور کیسے دفاع کرو گے؟ کیا تم یہ کہو گے کہ اے رب ہم نے تیرے دین کے دشمنوں کی تکفیر سے پرہیز کیا جن کو تو نے اپنی کتاب میں کافر کہا اور ہم نے ان کو احتیاطاً اسلام کے حکم میں رکھا اور ہم نے ان کو کافر کہا جو اِن کو کافر کہتا تھا ۔اور جو تیرا حکم ان پر لاگو کیا کرتا تھا۔ اور ہم نے اسے بے وقوف کہا اور اس ے ساتھ لڑائی کی اور لوگوں کو اس کی دعوت سے روکا۔

تو اے توحیدی بھائی، اللہ کے دین کی مدد کے لئے تیار رہو اور مخالفین اور مخذلین [1] کی پرواہ مت کرو، اور تیار ہو جاؤ اس دن کے لیے جب (لوگ) آسمانوں وزمین کے جبار کے سامنے ایک دوسرے کے خلاف دلائل لائیں گے اور جھگڑیں گے تا کہ ہم دین کے دشمنوں ان (دشمنوں) کے دوستوں اور ان کے مددگاروں کے خلاف اپنے دوست (یعنی اللہ) ومددگار کے سامنے جھگڑ سکیں اور دلیل لا سکیں ۔

○ شبہ: کہ نبی ﷺ نے پتھریلی زمین کے (پانی کی) نالی کے بارے میں نبی

[1] ''مخذلین'' ان لوگوں کو کہتے ہیں جو کسی کو کم ہمتی پر مجبور کرتا ہے یا کسی کو ترک قتال کی ترغیب دیتا ہے۔ مترجم ہنگو حفظہ اللہ

ﷺ کے حکم پر اعتراض کرنے والے انصاری کو نہ کافر قرار دیا اور نہ اسے قتل کیا، اور نہ ایسے منافقین کو جو اللہ کے فیصلہ سے روکتے ہیں نہ اس کو جس نے نبی ﷺ کو کہا تھا کہ (اِعۡدِلۡ) انصاف کرو۔

پس جب ہم نے ان کے سامنے گزشتہ آیت کا ذکر کیا کہ یہ آیت اس شخص کے ایمان کی نفی کرنے والی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اعراض کرنے والا ہو تو انھوں نے کہا کہ: نبی ﷺ کو کیا ہو گیا تھا کہ انھوں نے اپنے حکم پر اعتراض کرنے والے کو کافر قرار نہیں دیا (اور اس کا اعتراض شراج الحرۃ) کے بارے میں تھا۔ [1]

اور نہ ہی منافقین کو جن کے بارے میں اللہ نے کہا:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا. (النساء:٦١)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ کے پاس آنے سے روکیں گے۔''

(جس آدمی نے نبی ﷺ کے اوپر پانی کے بارے میں اعتراض کیا تھا) اس آدمی کی طرح وہ آدمی بھی تھا جس نے نبی ﷺ کے تقسیم کے بارے میں کہا تھا کہ ''یہ ایسا تقسیم ہے جس کا مقصد اللہ کی

---

[1] اس حدیث کو بخاری رحمہ اللہ نے عروہ رحمہ اللہ سے روایت کیا فرمایا: زبیر رضی اللہ عنہ نے انصار کے ایک آدمی سے شراج الحرہ کے بارے میں جھگڑا کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا ''تم اپنے کھیت کو پانی دو اور پھر اپنے پڑوسی کی طرف روانہ کر دو'' تو انصاری نے کہا ''اے اللہ کے رسول کیونکہ وہ آپ کے چچا کا بیٹا ہے؟ تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا پھر کہا ''اے زبیر تم پانی لگالو اور پھر بند کر دو یہاں تک کہ وہ کھیت کے منڈیروں تک پہنچ جائے پھر پانی اپنے پڑوسی کی طرف روانہ کرو''۔ میرے خیال میں تو یہ آیات اسی بارے میں ہیں: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ﴾ اور نبی ﷺ نے اپنے پھوپھی کے بیٹے کو کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے حصے سے کم پانی ڈالے تا کہ انصاری راضی ہو جائے پھر جب انصاری نے وہ بات کہی تو آپ ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنا پورا حق لینے کا صریح حکم دیا۔

رضا نہیں ہے‘‘۔اس کا جواب یہ ہے کہ ’’یہ بات بار بار کہی گئی کہ جس معاملہ میں ہم ہیں وہ اصل دین اور اس کے قواعد سے متعلق ہے۔اور اس جیسے (اصل اور بنیادی حکم) کے قریب بھی نسخ نہیں آسکتا۔اور کسی حال میں (اس بنیادی حکم) کے ساتھ اُن خاص قسم کے حوادث کو متصادم کرنا اور ٹکرانا جائز نہیں ہے جن (حوادث) کے ہوسکتا ہے کچھ خاص حالات اور تاویلات ہوں۔ بلکہ لازم ہے کہ ہم اس کو اگر اس کی تاویل مشکل ہو اصل اور اساس کی طرف لوٹائیں جیسا کہ متشابہ میں کیا جاتا ہے کہ اسے قرآن محکم کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔اور ان نصوص کا آپس میں تصادم اور ایک دوسرے سے ٹکرانا جائز نہیں۔ رہی بات نبی ﷺ پر اعتراض کرنے والے کی حدیث کی اور ان منافقین کا معاملہ جو اللہ کے حکم سے روکتے ہیں تو یہ دونوں چیزیں ایک ہی موضوع اور سیاق میں ہیں (جیسا کہ پہلے ہم نے بتایا) تو اُن کے اپنے طواغیت کے لیے اس بات سے استدلال کرنا کہ ان لوگوں کو نبی ﷺ نے کافر قرار نہیں دیا اس میں ان لوگوں کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن ان حوادث کے بعد ہر اس شخص کے کفر کے بارے میں نازل ہوا جس نے اللہ اور رسول کے حکم پر اعتراض کیا یا طاغوت کی حاکمیت چاہی۔تو یہ ہو نہیں سکتا کہ نبی ﷺ اس کے بعد بھی ان کو کافر قرار نہ دیتے اگر وہ اپنے اس کفر پر مصر بھی رہتے اور توبہ ندامت اور رجوع کا اظہار بھی نہ کرتے۔اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ نبی ﷺ ان کو بغیر کافر قرار دیئے اور بغیر قتل کیے اللہ کے احکام میں طعن کرتے رہنے اور طاغوت کے پاس اپنے فیصلے لے جانے پر برقرار رکھتے حالانکہ وہ ﷺ خود اس بات کے قائل ہیں کہ: ’’جس نے اپنا دین تبدیل کیا اُسے قتل کردو۔

پس لازم ہے کہ یہ کہا جائے کہ ان آیات کے نزول کے بعد انھوں نے اس کفر پر اصرار نہ کیا بلکہ توبہ کی اور نادم ہوئے تسلیم ہوئے اور اللہ کے حکم کے تابع ہوئے اگرچہ انھوں نے یہ ظاہراً ہی

کیا ہو۔

ابن حزم رحمہ اللہ اپنی کتاب (المحلیٰ : ۱۱/ ۲۱۹۹) میں کہتے ہیں ''حتی کہ جب اللہ نے یہ بیان کر دیا کہ وہ رسول ﷺ کو حاکم بنائے بغیر مؤمن نہیں ہو سکتے تو واجب ہوا کہ جو شخص پہلے زمانہ میں یا ابھی اس زمانہ میں اور قیامت تک اس (آیت) سے واقف ہوا پھر بھی اس نے (اللہ کے کسی حکم سے) انکار کیا اور مخالفت کی تو وہ کافر ہوا۔ اور اس آیت میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی وہ مخالفت کرتے رہے۔ اور یہ معاملہ بالکل ویسا ہی ہے کہ جنھوں نے غزوہ تبوک میں قراء کا مذاق اڑایا تھا۔ نبی ﷺ نے انہیں قتل نہیں کیا۔ اور یہ صحیح نہیں کہ اس سے یہ دلیل لی جائے کہ وہ اپنے مذاق کے باوجود کافر نہیں ہوئے [1]۔ بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ اللہ کے ان پر کفر کے حکم کے بعد انھوں نے توبہ کی۔ تو نبی ﷺ نے ان کے ظاہر پر ان سے معاملہ کیا۔

ابن حزم رحمہ اللہ (المحلیٰ : ۱۱/ ۲۰۷) ہی میں اس آیت کے ذکر کے بعد:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ......الیٰ قولہٖ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ. (التوبة : ٦٥، ٦٦)

---

[1] اور میں نے بعض کویتی اشیاخ مرجئہ کی صریح اقوال سنے ہیں جو کہ (حاکمیہ) کے نام سے ریکارڈ کیسٹ میں ہیں۔ وہ اسے تقسیم کرتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ اور ہر اُس شخص کو دینے کی کوشش کرتے ہیں جس کے بارے میں یہ سنیں کہ وہ ان کے طواغیت کو کافر کہتے ہیں۔ مجھے بھی ان کے شبہات سے متأثر نوجوان نے دی۔ جب اس نے سنا کہ میں ان کے ملک کے طواغیت کی تکفیر کا کہتا ہوں۔ یہ کیسٹ تجہم اور ارجاء سے بھری ہوئی ہے۔ اور اسی میں سے ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ ''اللہ کے دین کے ساتھ مذاق کرنا کفر عملی ہے اس کا کرنے والا کافر اس وقت تک نہیں جب تک کہ وہ اسے حلال نہ سمجھے کہ وہ اعتقاد رکھے کہ شریعت ہے ہی مذاق کی جگہ'' اور اس کے علاوہ دوسری پاگل پن جن کا بطلان ظاہر ہو چکا۔ تو میری ان کے مقلدین کو نصیحت ہے کہ وہ اپنے اس شیخ کا خیال رکھیں اور اس (شیخ) کی ان جیسے ظاہر اصول سے بے خبری جہالت اور لاعلمی پر پردہ ڈالیں خاص طور پر جب شیخ مر چکا ہے۔ اور یہ کہ اس کے دیوانہ ہونے کو نشر کرنے سے باز رہیں۔ اپنے شیخ پر رحم کرتے ہوئے تاکہ وہ ان گمراہیوں اور شبہات کا بوجھ اور جو لوگ قیامت تک ان گمراہیوں و شبہات کے ذریعے گمراہ ہو رہے ہیں ان کا بوجھ اپنے شیخ پر نہ ڈالیں۔

’’ کہتے ہیں۔ یہ آیت بلا شک ان معروف لوگوں کے بارے میں ہے جو ایمان کے بعد کافر ہوئے لیکن توبہ ان کے لیے پھیلا ہوا تھا اس قول باری کے ذریعے۔

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّب طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ .(التوبة:٦٦)

’’اگر ہم ایک گروہ کو معاف کر دیں تو دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے کہ وہ مجرم تھے۔‘‘

پس ثابت ہوا کہ انھوں نے توبہ ندامت کا اظہار کیا۔اور گناہ کا اعتراف کیا پس کچھ کی توبہ اللہ نے اپنے باطنی علم کی وجہ سے قبول کر لی اور کچھ کی باطنی علم کی بناء پر قبول نہ کی ان کو آخرت میں عذاب ہوگا۔جبکہ ظاہر آیت میں ہے کہ تمام نے توبہ کی۔ باللہ توفیق

اور یہ بات آیات میں صراحت سے بیان ہوئی ہے اور نہ ان آیات میں نہ احادیث میں یہ ذکر ہے کہ انھوں نے استہزاء پر اصرار کیا اور اس پر مستمر رہے۔(اور یہ بات بھی ان آیات واحادیث میں نہیں کہ) نبی ﷺ نے ان کو بغیر قتل کیے اس (استہزاء) پر برقرار رکھا۔ بلکہ ان آیات کی تفسیر میں مروی آثار جیسے کہ طبری اور ابن ابی حاتم کے ہاں ہیں کہ ان میں سے بعض ایسی حالت میں عذر کر رہے تھے کہ وہ نبی ﷺ کی اونٹنی سے لٹکے ہوئے تھے اور ان کو پتھر زخمی کر رہے تھے تا کہ اس سے (ان کے) توبہ ندامت اور رجوع کا اظہار ہو جائے۔

اور جس نے نبی ﷺ کو ظالم کہا اور کہا کہ اس نے عدل نہیں کیا (کہا) کہ انھوں نے اس تقسیم سے اللہ کی رضا نہیں چاہی۔تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مرتد ہے۔ کیونکہ یہ رسالت کی امانت میں طعن ہے۔اور یہی سمجھ عمر اور خالد رضی اللہ عنہما کے ذہن میں فوراً آئی پس دونوں نے نبی ﷺ سے اجازت چاہی اس کے قتل کی، جیسا کہ اس حدیث کے مختلف روایات میں ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس کے اور ان جیسوں کے قتل سے منع کرنے کی بعض روایات میں علت کو اس ڈر کے ساتھ جوڑ دیا کہ پھر ’’لوگ یہ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کر رہے ہیں‘‘۔اور

اُسے عصمتِ جان سے معلق نہیں کیا یعنی نبی ﷺ نے اس شخص کے قتل سے منع کرنے کی علت کو اس بات سے نہیں جوڑا کہ اللہ کی طرف سے ایک مسلمان کی طرح اس کا خون معصوم اور محفوظ ہے۔ جیسا کہ مسلمانوں کی شان ہے۔ پس یہ دلیل ہے کہ وہ اس بات کی وجہ سے کافر ہوا۔ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس وصف کا (یعنی اس بات کا کہ ''پھر لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کرتے ہیں'') کوئی تاثیر نہ ہوتا اور (یہ بات) پھر ایک معصوم (یعنی مسلمان) کی جان کی عصمت (یعنی حفاظت) کے بارے میں غیر مناسب ہوتی یعنی اگر وہ اس بات کی وجہ سے کافر نہ ہو چکا ہوتا تو نبی ﷺ عمر اور خالد رضی اللہ عنہما کو یہ کہہ کر منع کرتے کہ یہ مسلمان ہے معصوم الدم ہے اسے اس لیے قتل نہ کرو۔ مگر جب انھوں نے یہ فرمایا کہ ''پھر یہ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ کو قتل کرتے ہیں''، تو معلوم ہوا کہ یہ شخص اپنی اس بات سے کہ محمد ﷺ نے عدل نہیں کیا، کافر ہو چکا تھا اور گویا کہ نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ اگرچہ یہ کافر ہو چکا ہے، اسلام اس کے قتل میں مانع نہیں ہے بلکہ اس کے قتل میں مانع یہ بات ہے کہ ''پھر لوگ یہ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ کو قتل کرتے ہیں۔ اور ایسے وصف سے حکم کی تعلیل جائز نہیں جس کا کوئی اثر نہ ہو۔ بلکہ لازمی ہے کہ اس کی تعلیل ایسے وصف سے ہو جس کے ساتھ حکم کا تعلق ہو یا جو حکم کا محور ہو۔ اور یہ (تنقیح المناط[1]) کے باب میں علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے اور اسی معنی کو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے (الصارم المسلول: ص: ۳۳۵) پر ذکر کیا۔

○ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں قتل نہ کرنا اور عمر و خالد رضی اللہ عنہما کو روکنا۔

اس کا جواب جیسا کہ ابن حزم رحمہ اللہ نے (المحلیٰ: ۱۱/۲۲۵) میں کہا ہے ''کہ اللہ تعالیٰ

[1] ''تنقیح المناط'' کا یہ باب اصول فقہ کی کتابوں میں ہوتا ہے اس کا معنی ہے ''کسی حکم کے محور اور مدار کو معلوم کرنا''۔ مترجم ہنگو حفظہ اللہ

نے اس وقت تک مرتد کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا اس لئے نبی ﷺ نے اُسے قتل نہ کیا۔ اور اسی لئے اس کے قتل سے منع کیا پھر بعد میں اللہ نے آپ ﷺ کو مرتد کے قتل کا حکم دیا۔ تو اس کے قتل کی تحریم منسوخ ہوگئی۔

اور اسی طرح (۱۱/۱۱ ٤) میں کہا:

''جبکہ نبی ﷺ کی تقسیم کے بارے میں کہنے والا (کہ یہ تقسیم انصاف پر نہیں اور نہ ہی اس سے اللہ کی رضا مراد ہے) پس ہم نے کہا یہ تو خیبر کے دن تھا اور یہ مرتدین کے قتل کے بارے میں اللہ کے حکم سے پہلے تھا۔ اور یہ بھی کہ اس میں یہ ذکر نہیں کہ یہ قول کہنے والا اس سے کافر نہیں ہوا۔ [1]

[1] ابن وزیر رحمہ اللہ نے اس کی مخالفت کی (ایثار الحق علی الخلق) میں، پس اس نے زعم کیا کہ نبی ﷺ نے اسے کافر نہیں کہا ۔ کیونکہ اس نے اصلاً کوئی کافر کر دینے والا کام نہیں کیا تھا، بلکہ اس نے اس بات کو جائز سمجھا کہ محمد ﷺ سے گناہ کا ارتکاب ہوسکتا ہے (اور انھوں نے عدل نہ کرنے کو دوسرے) انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کی طرح سمجھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (آدم علیہ السلام کے بارے میں) فرمایا ہے ﴿عَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ آدم (علیہ السلام) نے رب کی نافرمانی کی پس سرکش ہوا (طٰہٰ: ۱۲۱)۔ پس اسے عظیم غلطی تصور کیا جو حد کفر کو نہیں پہنچتا۔ جب تک کہ توحید کو ثابت کرنے والا اور کلمہ توحید ہو باقی رہا۔ اور کوئی ناقض نہیں کیا۔ دیکھئے (ص: ۳۹۹-۴۰۰)۔ اور امام ابن حزم رحمہ اللہ کی توجیہ زیادہ قوی ہے۔ جبکہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اُسے (الصارم المسلول: ۱۸۵) میں بیان کیا اور کہا کہ یہ کفر ہے (ص: ۱۹۹) کیونکہ جس نے رسول کو تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی وہ کافر ہے حلال جان ہے۔ اور استدلال کیا (ص: ۴۰) پر اس آیت سے: ﴿ان الذین یؤذون اللّٰه ورسوله لعنهم اللّٰه فی الدنیا والآخرة واعد لهم عذاباً مهینا﴾ ''جو لوگ اللہ اور رسول کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے خطرناک عذاب تیار ہے (الاحزاب: ۵۷)۔'' پس شیخ رحمہ اللہ نے رسول کو اذیت دینا اللہ کو اذیت دینے سے ملایا۔ کیونکہ آپ ﷺ کے حکم پر طعن اور آپ ﷺ پر ظلم کا الزام لگانا کلمۂ شہادت کی امانت کے مناقض ہے (ص: ۱۸۵)۔ اور اس کو قتل نہ کرنے کی وجوہات بیان کیں اس میں سے (ص: ۱۸۷) پر یہ کہ آپ ﷺ کا اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس شخص کے قتل سے منع کرنا اس باب سے تھا جیسا کہ آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو ابن صیاد کے قتل سے منع کیا جب ان کو شک ہوا کہ وہ دجال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (اگر وہ دجال ہے تو تم اس پر مسلط نہیں ہوسکتے) کیونکہ وہ یقینی طور پر جانتے تھے کہ وہ آخری زمانہ میں وہ نکلنے والا ہے۔ اور اسی طرح یہ تھا پس آپ ﷺ نے خبر دے دی تھی کہ جو اللہ نے علم غیب سے آپ ﷺ کو بتایا تھا کہ لامحالہ اس کی نسل سے ایسے لوگ آئیں گے ⇦

پس ظاہر ہوا کہ ان سب میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں۔ اور جب وہ دلائل سے عاجز ہو گئے تو پھر اس طرح خاص حوادث (یعنی شانِ نزول) کی طرف آ گئے اس لیے کہ وہ اس کے ذریعے اس اصل اصیل کو (یعنی جو اصولوں کا بھی اصل ہے) اور اس مضبوط ستون کو سینگ ماریں جس (اصل) کے ذریعے ہم نے ان کے طواغیت کے کفر پر دلیل قائم کیا جب (ان طاغوتوں نے) اس (اصل) کو منہدم کیا۔ (اور ان خاص حوادث اور شان نزول کے ذریعے) وہ لوگوں کو

⇦ کہ وہ قرآن تو پڑھتے ہوں گے مگر ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا (مطلب بغیر سمجھ کے) اس یقین سے کہ ان کے نکلنے کا فساد ان کے قتل سے ختم نہیں ہوگا۔ پس آپ ﷺ نے اُسے یقینی فتنہ کے ڈر سے چھوڑ دیا۔ اور وہ یہ تھا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد (ﷺ) اپنے صحابہ کو قتل کرتا ہے جو اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ پس بہت سے دل اسلام سے متنفر ہو جائیں گے۔ خاص طور پر وہ ضعف اور لوگوں کے دلوں کو جوڑنے کا دور تھا اور یہ دوسری وجہ ہے جسے ابن حزم رحمہ اللہ نے برقرار رکھا۔ اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے (ص:۱۸۹) پر ذکر کیا اسی طرح (ص:۱۷۹، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۳۷ اور ۳۵۹) پر کہ یہ اس حکم سے پہلے تھا کہ جو اپنا نفاق اور کفر ظاہر کر دے اسے قتل کر دیا جائے۔ بدر سے پہلے مسلمان ضعیف تھے۔ اور انہیں تکالیف پر صبر کرنے کا حکم تھا اور معاف کرنے کا حکم تھا: فرمایا: ﴿ولا تطع الکافرین والمنافقین ودع اذاھم﴾ ''کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرو اور ان کی تکالیف سے درگزر کرو (احزاب:٤٨)۔'' جبکہ بدر کے بعد جو کہ مسلمانوں کی عزت کی ابتداء تھی۔ آپ ﷺ اس سے قتال کرتے تھے جو آپ ﷺ کو تکلیف دیتا تھا اگر اس کے قتل میں کوئی مفسدہ نہ ہوتا تو۔ اور مسلمانوں کا فتح مکہ کے ذریعے غلبہ اور غزوہ تبوک کے وسورۃ براءۃ کے ذریعے اس غلبہ کو کمال کو پہنچنے کے بعد کا (زمانہ) جو ہے تو اللہ نے (مسلمانوں کا اپنے) اس تکلیف پر صبر کرنے کو منسوخ کر دیا اپنے اس قول کے ذریعے اور کہا: ﴿جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم﴾ ''کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو (التوبۃ:۷۳)۔'' پس اس کے بعد کسی کافر یا منافق کی ہمت نہ ہوئی کہ ان کو تکلیف دے سکیں کسی خاص و عام مجلس میں بلکہ وہ اپنے غصے میں ہی مر گیا یہ جانتے ہوئے کہ اگر وہ بولا تو قتل ہو جائے گا۔ پس آپ (شیخ الاسلام کے) اس وجہ پر غور کیجیے جو کہ تفصیل ہے اس بات کا جسے ابن حزم رحمہ اللہ (ص:۱۸۷) پر ذکر کیا ہے۔ اور اس کی طرف ایک سے زیادہ جگہ پر انھوں نے اشارہ کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس شخص کا اعتراض جو اس ﷺ کے ساتھ خاص تھا (ص:۲۲۹)، (ص:٤٣٤) اور یہ کہ آپ ﷺ کو اختیار تھا کہ جو اس کی ذات کو تکلیف پہنچائے اس کو اپنی زندگی میں مطلقاً معاف کر دیں پس آپ ﷺ اس طرح کے لوگوں کو ان کے دلوں کی تألیف کے لیے معاف فرما دیتے تھے۔ اور یہ آخری بات (ص:۴۴۶) پر قاضی ابو یعلیٰ رحمہ اللہ سے بھی ذکر کی ہے جو کہ زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جھگڑنے والے انصاری کے بارے میں ہے۔ جبکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اگر کوئی آپ ﷺ کو گالی دے یا تکلیف دے تو وہ کافر ہے اور اس کا خون حلال ہے اور اُمت کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ اسے معاف کر دے (ص:۲۲٦)۔

دعوت دیتے ہیں اور ان کو اس اصل کے برباد کرنے کا حکم دیتے ہیں۔لیکن جہنم کا وہ گڑھا جس میں وہ پھسل گئے ہیں وہ یہ ہے کہ انھوں نے (مرجئہ نے) ان احادیث میں کھیلنے اور اس فاسد استدلال کے ساتھ نبی ﷺ کی طرف مرتدین اور کفار سے سکوت (یعنی چپ رہنے) اور (اس بات کی ان ﷺ کی طرف نسبت کی کہ) انھوں نے ان کو ان کے کفر پر برقرار رکھا اور ان کو نہ قتل کیا نہ ان کے ساتھ جنگ کی ان مسکینوں کو کیا معلوم کہ یہ اپنے اس مسلک پر چل کر طواغیت کی طرف سے جھگڑے کے راستے میں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔

منجنیق [1] غرب رحمہ اللہ کہتے ہیں''اور جس نے یہ گمان کیا کہ نبی ﷺ ایسے آدمی کو قتل نہیں کرتے تھے جس پر قتل واجب تھا تو ایسا آدمی کافر ہو گیا اور اس کی جان ومال حلال ہو گیا۔اس بات کی نسبت نبی ﷺ کی طرف کرنے اور اللہ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے اللہ کی قسم آپ ﷺ نے فضلاء صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو جن کا ایمان والا ہونا اور جنتی ہونا یقینی تھا۔جب ان پر قتل واجب ہوا تو انہیں قتل کیا جیسے ماعز رضی اللہ عنہ، غامدیہ رضی اللہ عنہا اور جہنیہ رضی اللہ عنہا۔جب یہ زنا کے مرتکب ہوئے تھے۔

پس یہ بات یقینی طور پر باطل، خالص گمراہی اور مجرد فسق میں سے بلکہ صریح کفر میں سے ہے کہ کوئی مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ رکھے یا گمان کرے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جنتی ساتھیوں میں سے مسلمان فضلاء کو تو سخت ترین طریقہ قتل (یعنی) پتھر کے ساتھ قتل کرے......پھر مرتد کے قتل کے بارے میں واجب حق کی اِقامت کو ایسے کافر کے حق میں معطل کرے جس کو وہ ﷺ جانتا ہو کہ وہ مرتد ہو گیا ہے......(ابن حزم رحمہ اللہ یہ باتیں کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گیا کہ) انھوں نے کہا کہ: ہم اللہ کی گواہی کے ساتھ گواہی دیتے ہیں کہ جس نے اس کو تسلیم کیا اور اس کا عقیدہ رکھا وہ کافر مشرک مرتد حلالِ جان ومال ہے اور ہم اس سے اور اس

---

[1] یہ ابن حزم رحمہ اللہ کا لقب ہے۔مترجم۔

کی دوستی سے اللہ کی طرف براءت کرتے ہیں۔ [1]

❶ (المحلیٰ: ۱۱/۲۱۸) سے اختصار کے ساتھ۔ اوران کا کلام توان پر ردّ میں تھا جو یہ زعم کرتے تھے کہ منافقین اپنا کفر رسول اللہ ﷺ کے پاس ظاہر کرتے تھے پھر بھی نبی ﷺ انہیں برقرار رکھتے تھے اور انھیں قتل نہ کرتے تھے۔ یہ بڑی نفیس بحث ہے اور ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنا نفس اس لمبی بحث میں لگایا اور ہر وہ آیت اور حدیث ذکر کی جس پر شبہ ہوسکتا تھا اور شبہے کو بیان کیا اور اس پر ردّ کیا ۔پس اس کا مراجعہ کریں وہ نہایت مفید ہے۔

خاتمہ

ہمارا مقصد مرجئہ عصر کے تمام شبہات کا حصر کرنا نہیں تھا وہ تو ختم نہیں ہونگے۔ یہ قوم تو مکمل طور شبہات میں ڈوبی ہے اذ القوم قد ملئوا الی مشاشتهم شبهاً : لوگوں نے اپنی سرشت کو شبھات سے بھرلیا ہے۔ اور شیطان مسلسل اپنی بات مزیّن کر کے اس کی ان کی طرف وحی کرتا ہے جو کہ اصل میں فریب ہے۔

شبهة تهافت كالزجاج تخالها حقًا و كل كاسر مكسور

''یہ ایسے شبھات ہیں کہ ان کے خیالات شیشے کی طرح پارہ پارہ ہوکر واقعی گر گئے اور واقعی ہر توڑنے والی چیز ٹوٹنے والی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب''

ہم نے تو ان صفحات میں ان بے وقوفوں کے مشہور قول ذکر کیئے ہیں جو اس ملک میں وہ کہتے ہیں، جو کہ اصل موضوع کے متعلق یا قریب ہیں۔ ان طلبہ حق کو بتانے اور متنبہ کرنے کے لیے جو سیدھے راستے پر چلنے والے ہیں۔ میں خود کو اور ان (طلبہ حق) کو چند اشارات اور علامات کے ساتھ نصیحت کرتا ہوں جس کے ذریعے رات کے شروع میں چلنے والا (طالب حق) فتنوں ،خواہشات اور سخت اندھیروں کے درمیان رہنمائی پا سکے۔ یہ نصیحت ہے۔ ﴿فان الذكرىٰ تنفع المؤمنين﴾ ''بے شک نصیحت مومن لوگوں کو فائدہ دیتی ہے۔''

چند نصیحتیں

پہلی نصیحت: خواہشات سے بچو

ابن دقیق العید رحمہ اللہ ان ہلاک کرنے والے امور کے بارے میں فرماتے ہیں جو آفت میں ڈالتے ہیں۔ پہلا خواہشات ہیں اور وہ سب سے بری چیز ہے۔ جو کہ متأخرین کی تاریخ میں بہت پائی جاتیں ہیں۔اس لئے طالب حق پر لازم ہے کہ وہ صرف حق کی طلب رکھے اور خواہشات سے بچے۔

اللہ نے فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَـوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ. (ص:٢٦)

’’خواہشات کی پیروی مت کرو ورنہ آپ کو اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گا بے شک جو لوگ اللہ کے رستے سے بھٹک گئے ان کے لئے سخت عذاب ہے اس سبب جو انھوں نے یوم حساب کو بھلا دیا۔‘‘

بے شک خواہش طواغیت میں سے ایک طاغوت ہے جس کی پیروی اکثر لوگ کرتے ہیں ۔اور آپ اس وقت تک ’’عروۃ الوثقیٰ‘‘ کو پکڑنے کا حق ادا نہیں کر سکتے اور سیدھے راستے پر نہیں چل سکتے جب تک آپ اللہ وحدہ اور اس کے حکم کو مطلقاً نہ مان لیں اور جب تک آپ تمام طواغیت کا انکار نہ کرلیں اور اس میں سے ایک طاغوت یہ خواہش بھی ہے (یعنی خواہش کا نہ ماننا بھی آپ پر اسی طرح فرض ہے جس طرح دوسرے طواغیت کا نہ ماننا......)

اللہ نے فرمایا:

اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ ، اَفَاَنۡتَ تَکُوۡنُ عَلَیۡہِ وَکِیۡلًا ، اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَکۡثَرَھُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ یَعۡقِلُوۡنَ ، اِنۡ ھُمۡ اِلَّا کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ھُمۡ اَضَلُّ سَبِیۡلًا . (الفرقان:۴۳-۴۴)

''کیا تم نے ایسے آدمی کو دیکھا جس نے خواہشات کو اپنا الٰہ (معبود) بنالیا ہے۔کیا تم اس کے وکیل بنو گے۔کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان کے اکثر سنتے اور عقل رکھتے ہیں وہ تو جانوروں جیسے بلکہ اُن سے بھی گمراہ رستے والے ہیں۔''

اور فرمایا:

اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمۡعِہٖ وَقَلۡبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً فَمَنۡ یَّھۡدِیۡہِ مِنۡ بَعۡدِ اللّٰہِ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ . (الجاثیۃ:۲۳)

''کیا تم نے ایسے آدمی کو دیکھا جس نے خواہشات کو اپنا الٰہ (معبود) بنالیا۔اور اللہ نے علم کے باوجود اُسے گمراہ کردیا۔اور اس کے دل وسماعت پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو پھر اللہ کے بعد اُسے کون ہدایت دے گا۔کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔''

پس اس طاغوت سے ہوشیار رہو اور اس سے بچو جیسے دوسرے طواغیت سے بچتے ہو تا کہ آپ اس توحید کو مکمل طور پر ثابت کرسکیں جو کہ صرف اللہ کا بندوں پر حق ہے۔آیت مذکورہ میں ذکر ان خواہشات کے بندے کی صفات ملاحظہ کریں اور اللہ نے جو ان کو دل وسماع پر مہر اور آنکھوں پر پردہ ڈال کر ان کو سزا دی۔پس وہ جانوروں سے زیادہ گمراہ ہوئے۔جو نہ دلائل کے ساتھ سر اٹھاتے ہیں نہ ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں نہ رہنمائی لیتے ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں

۔تو ان کے ساتھ طاغوت نے جس طرح چاہا اپنے شبھات کے ذریعے کھیلا۔اوراس طرح ان لوگوں کو چلایا جس طرح کتا اپنے مالک کو(اپنے ساتھ) چلاتا ہے۔اورحق کی طرف ھدایت کی نعمت اورتوحید پرآپ اپنے الٰہ(اورمعبود) کاشکرادا کریں۔اورروئیں اورگڑگڑائیں کہ اللہ آپ کواس پرثابت قدم رکھےاورآپ کا خاتمہ اسی(توحید) پرکردے۔

واجعل لقلبك مقلتين كلاهما   من خشية الرحمان باكيتان

لو شاء ربك كنت ايضا مثلهم   فالقلب بين أصابع الرحمان

''اپنے دل کی دوآنکھیں بنائیں اور دونوں اللہ کے ڈر سے رونے والی ہوں اگر تمہارارب چاہتا تو تمہیں بھی ان (گمراہوں) جیسا کردیتا کیونکہ دل تو رحمان کی انگلیوں کے درمیان ہے۔''

اوراللہ کے اس قول کویاد کیجئے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْط.(آل عمران:۱۲۰)

''اگرتم صبرکرواورتقوی کروتو ان کے مکرتمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے بےشک اللہ تمہارےاعمال کااحاطہ کئے ہوئے ہے۔''

اور یہ فرمان:

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ، اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ.(النحل:۹۹-۱۰۰)

''مومنوں اوراپنے رب پرتوکل کرنے والوں پراس کی کوئی حکمرانی نہیں بلکہ اس کی حکمرانی توان پرہے جواس (شیطان) کےساتھ دوستی کرتاہےاوراس (شیطان) کے

ساتھ شریک بنانے والے ہیں۔“

دوسری نصیحت: کسی تنظیم یا عالم کی حمایت اس طرح نہ کرو جیسا ایک متعصب مقلد اپنے امام کی اور کسی تنظیم کا رکن اپنی تنظیم کی کرتا ہے۔

یا ان چیزوں کو اللہ اور رسول پر مقدم کرو، اس طرح کرنے سے بھی تم باز رہو، یا ان کے اقوال اور مقالات کی وجہ سے اللہ کے محکم کلام کو ترک کرو۔ جب حق آپ پر اس کی دلیل سے واضح ہو چکا تو اُسے مضبوطی سے پکڑ رکھو اور لوگوں میں سے کسی کے قول یا رائے کے وجہ سے اُسے چھوڑ و مت۔ اور جب آپ کو کسی مسئلہ میں حق معلوم ہو جائے اور وہ اس چیز کے خلاف ہو جس پر آپ نے اپنے علماء (یا تنظیم) کو پایا ہے تو اس (حق) کا مقابلہ ان (علماء) کے اقوال یا افعال سے نہ کرو (مقابلہ تو ان دو چیزوں کے درمیان ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے برابر ہوں)۔ کیونکہ خالق کے کلام کا مقابلہ مخلوق کے کلام سے نہیں کیا جا سکتا یعنی مخلوق کا کلام اس قابل نہیں کہ اسے خالق کے کلام کا مقابل بنایا جائے۔ اور اس چیز نے کتنے ہی ایسے لوگوں کو قافلۂ حق کے ساتھ جا ملنے سے روکا جن کو ہم طالبِ حق سمجھتے تھے۔ اور شیطان نے ان کے شبہات کی وجہ سے انہیں نا امید کر دیا ”کیا یہ شیخ سے مخفی ہے؟“ یہ وہ باتیں ہیں جو اکثر اپنے مشائخ کے بارے میں مقلدین کرتے رہتے ہیں ”اگر یہ حق ہوتا تو شیخ پر مخفی نہ ہوتا“ یا ”شیخ اس کے خلاف کیسے کہہ سکتا ہے“۔

پس توفیق اور ترجیح اور ناسخ منسوخ، عام وخاص، مطلق ومقید کی بحث اس وقت ہو گی جب کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ میں تعارض کا وہم ہو۔

جبکہ مخلوق کے کلام کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا. (النساء:۸۲)

''اگر یہ کلام اللہ کے علاوہ کسی کی طرف سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''

تو آپ کو حق کی اتباع اور اس کی مدد کرنے سے آپ کے بعض مشائخ کی مخالفت نہ روکے ۔طالب علمی کے شروع میں ہمارے اوپر بعض ایسے مشائخ کے اقوال میں اشکال وارد ہوتا تھا اور ہمیں وہ باہم متعارض نظر آتے تھے جن (مشائخ) پر ہم بھروسہ کرتے تھے، جبکہ اس مسئلہ میں ہمارے اُوپر حق واضح ہو چکا تھا، تو ہم متردد ہو جاتے اور توقف اختیار کرتے اور یہ ہیں وہ موانع جو (توحید کے) قافلے کو مؤخّر کرتا اور چلنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔اور طالب حق کو یہ مناسب نہیں کہ اس جیسا مانع اس کے لیے رکاوٹ ہو (اور اس سیدھے راستے پر چلنے سے باز رکھے یا مؤخر کردے) اور نہ یہ (مناسب ہے) کہ وہ اس مانع کی وجہ سے زیادہ توقف کرے یا تردّد کرے۔اس وقت کہ جب کتاب وسنت کے دلائل سے حق واضح ہو چکا۔پس جو ان کے موافق ہوا وہ مقبول اور جو معارض ہوا وہ مردود ومتروک ہے۔اور معصوم کے علاوہ ہر ایک کا قول لیا اور چھوڑا جاتا ہے۔خبردار، اہل جہل کے اس شبہ سے مقالہ سے ''کہ اللہ کے کلام کو اس کے ظواہر پر نہیں لینا چاہیے (یعنی اللہ کے کلام کے ظاہر سے کوئی مسئلہ معلوم نہیں کیا جاسکتا۔شاید اس سے مراد یہ ہو یا یہ'' اور ''ہم قرآن کو سمجھنے کی استطاعت نہیں رکھتے'' اور دوسری چیزیں جن کے ذریعے وہ ایسے مسائل کو مشکل بناتے ہیں جسے اللہ نے آسان کیا:

وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ. (القمر:۱۷)

''اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا تو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔''

یہ اہل زیغ کے ہر جگہ مقالات ہیں۔ایک دوسرے سے لیتے ہیں تا کہ کتاب اللہ کے نصوص کو

معطل کرسکیں۔اوران کے بدلے اپنے شیخ کے مقالات اورنصوص کونافذ کرسکیں کہ جن پر وہ اس طرح کے اشکالات وارد نہیں کرتے جس طرح (کے اشکالات) وہ اللہ کی کتاب پر وارد کرتے ہیں اوران کا اس طرح کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ تقلید کی طرف صریح دعوت دے رہے ہیں اورنصوصِ وحی کوتوڑ رہے ہیں۔حقیقت میں یہ دعوت تقلید کی طرف ہےاورنصوص وحی کی تعطیل ہے۔اللہ ابن القیم رحمہ اللہ پر رحم کرے انہوں نے فرمایا:

جعلوا كلام شيوخهم نصًا له   الاحكام موزونًا به النصان

وكلام رب العالمين و عبده   متشابهًا محتملًا للمعان

''انہوں نے اپنے شیوخ کے کلام کوحاکم بنادیا ہےاورکتاب وسنت کواسی پر پرکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول کا کلام متشابہ ہے اور بہت سے معنوں کا اس میں احتمال ہے۔''

❁ تیسری نصیحت: آپ پرلازم ہے کہ آپ انصاف پرمبنی چادراوڑھ لیں۔

تو آپ اس چادر کو اوڑھ لیں اور اسے کبھی نہ اتاریں کیونکہ یہ آج کے دور کے لوگوں کے درمیان سب سے نادر چادر ہے۔اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ''انصاف شریفوں کی چادر ہے۔اورلوگوں میں شریف سب سے کم ہوتے ہیں''۔اوراسی (انصاف) میں سے یہ بات بھی ہے کہ مخالف کی طرف ایسی بات کی نسبت کرنے سے پرہیز کریں جواس نے نہیں کہی ہوا گرچہ وہ ان (مخالفین) کے اقوال سے لازم آتا ہو(یعنی مخالفین کوئی ایسی بات کریں جس کا لازمی نتیجہ غلط نکلتا ہوتو انصاف کی بات یہ ہے کہ آپ اس نتیجے کومخالف کا قول بنا کراس قول کی نسبت مخالف کی طرف نہ کرو۔اللہ سے ڈرواوران پرجھوٹ نہ کہواوروہم وگمان کی وجہ سے ان کو نہ پکڑو۔اگر چہ وہ آپ پرجھوٹ کہیں۔کیونکہ مومن جھوٹ نہیں بولتا مومن کی شان جھوٹ نہیں۔اورہم نے اس

زمانہ کے مرجئہ کی طرف سے ان جیسے تہمتوں کی وجہ سے بہت زیادہ تکلیف برداشت کی ہے لیکن ہم برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے۔

ابن حزم رحمہ اللہ (الفصل: ۵/ ۳۳) میں کہتے ہیں: ''کہ جو ہماری کتاب پڑھے وہ جان لے کہ ہم وہ چیز حلال نہیں کرتے جو کہ یہ برے لوگ حلال کرتے ہیں، کسی سے ایسی بات منسوب کرنا جو اس نے نہ کہی ہو جان رکھو کہ چاہے کافر یا بدعتی ہی کیوں نہ ہو اس پر وہ بات کہنا جو اس نے نہ کہی ہو یہ جھوٹ ہے۔ اور جھوٹ کسی پر جائز نہیں''۔

پس آپ مخالفین کے بارے میں (جو) اللہ کے حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کریں اگر چہ وہ (یعنی مخالفین) تمہارے بارے میں اللہ کے حدود سے تجاوز کرتے ہوں۔ بلکہ سیدھی بات کہو اور (اپنی بات کو) اس عدل کے میزان سے تولو جس عدل پر آسمان وزمین قائم ہیں...... اور یاد رکھو کہ غصے کی آنکھ (جس سے اکثر مخالفین کو دیکھا جاتا ہے) بُرے اعمال کو دیکھتی ہے (اور انہیں آپ پر ظاہر کرتی ہے) حالانکہ حقیقت میں ان کے لیے صحیح مخارج ہوتے ہیں جن سے غصّے کا حجاب اندھا بنا دیتا ہے۔ اس بات کو اس طرح سمجھو کہ آپ کو حکمرانوں سے سخت نفرت ہے۔ ظاہر ہے اس لیے کہ وہ اللہ کے دین کے مخالف ہیں۔ اب کوئی سنّی یا مرجئ عالم کوئی ایسی بات کرے جس سے خود بخود حکمرانوں کے کسی عمل کی تائید ہوتی ہو۔ اب ہم کو چاہیے کہ ہم اس بات کو غصے کی آنکھ سے نہ دیکھیں بلکہ اس کے لیے ہمیں چاہیے کہ صحیح مخرج (وجہ) ڈھونڈیں اس کی تحقیق کریں اگر کسی طرح اس کا صحیح مخرج نہ نکل آئے تب جا کے اس بات کو غلط کہیں۔

❁ چوتھی نصیحت: اتباع حق اور اس کی مدد کرنے میں تردد نہ کریں اور اس کو چھوڑنے سے بچیں۔

کہ اس کے ماننے والے کم ہیں یا مخالفین کی تعداد زیادہ ہے۔حق کے موافق ہو تو آپ اکیلے ہی جماعت کا درجہ رکھتے ہیں۔حق نہ تو کثرت سے نہ آدمیوں سے جانا جاتا ہے۔ بلکہ انسان حق سے جانا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کریں گے کہ کسی بات کو اس وجہ سے صحیح کہیں کہ اس کو فلاں امام ،عالم اور فلاں عظیم شخصیت نے صحیح کہا ہے کیونکہ اس کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ ہم ان مذموم لوگوں میں شمار ہیں جو حق کو آدمیوں سے جاننے کے قائل ہیں بلکہ ہم کو چاہیے کہ ہم حق کے ساتھ آدمیوں کو جانیں۔ پہلا حق کو اس کی دلیل سے معلوم کریں پھر اس حق کو جس کے پاس پائیں اس کو صحیح آدمی سمجھیں۔اور یاد کیجئے کہ ایسے نبی بھی قیامت کے دن آئیں گے جن کے ساتھ ایک یا دو اس کے اتباع کرنے والے ہوں گے۔اور کوئی ایسا بھی ہوگا جس کے ساتھ کوئی نہ ہوگا۔حالانکہ وہ نبی ہوگا۔اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم پر قیامت تک چلنے والی جماعت کی جو صفت بیان کی ہے کہ ''اور انہیں چھوڑنے والے اور مخالفت کرنے والے ان کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

خبردار! آپ مخالفین کا حق چھوڑنے کی وجہ سے یا ان کے نقصان پہنچانے سے متأثر نہ ہو جائیں اگر چہ وہ اکثریت میں ہوں۔اور یاد رکھو کہ (جہنم کی) آگ سب سے پہلے جن آدمیوں کے ساتھ بھڑکائی جائے گی وہ تین آدمی ہوں ہوں گے (یا تین قسم کے لوگ ہوں گے)۔ایسے علماء جن کو ان کے علم نے شرط اخلاص کے ضائع ہونے کی وجہ سے فائدہ نہ دیا۔تو آپ ان پگڑیوں کی کثرت سے دھوکہ نہ کھائیں۔میری مراد وہ حکومتی علماء ہیں جنھوں نے اپنا دین بہت تھوڑے پیسوں کے لئے بیچ دیا۔پس انھوں نے ان کی بیعت کی اور حمایت کی اور مدد کی اور حق کو باطل کا لباس پہنا دیا اور لوگوں کے لیے ان کا دین خراب کر دیا۔تو ان جیسے علماء کی کوئی وقعت نہیں کہ ان سے نصیحت حاصل کریں۔لوگ ہمارے لیے عبرت نہیں بلکہ ہمارے لیے عبرت تو وہ علماء ہیں جو

کہ عمل کرنے والے اور اہل کفر اور طغیان سے براءت کرنے والے ہیں وہی انبیاء کے وارث ہیں۔ان کے طریق پر چلیں چاہے وہ تھوڑے ہوں۔اور کوڑا کرکٹ سے دھوکہ نہ کھائیں یہ عجیب نہیں کہ جو ہلاک ہوا وہ کیسے ہوا بلکہ عجیب یہ ہے کہ جو نجات پایا وہ کیسے بچا۔

پانچویں نصیحت:

آپ بھروسہ رکھیں کہ حق ضرور غالب ہوگا اگر چہ اس میں وقت لگے اور اس میں شک نہیں کہ حکومت، بلندی، عزت اور اچھا انجام (حق کے اتباع) کرنے والوں اور اس کے مددگاروں کے لیے ہوگا۔

اور ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کا یہ قول ہمیشہ یاد رکھو کہ ''اہل سنّت مرتے ہیں مگران کا ذکر زندہ رہتا ہے اور اہل بدعت مرتے ہیں تو ان کا ذکر بھی (ان کے ساتھ) مرتا ہے، کیونکہ اہل سنّت نے اس چیز کو زندہ رکھا جو اللہ کا رسول ﷺ لے کے آیا ہے، تو اس کے لیے اُن کو اللہ تعالیٰ کے اس قول سے: وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ سے وافر حصہ ملا، اور اہل بدعت نے اس چیز کے ساتھ دشمنی رکھی جو اللہ کا رسول ﷺ لے کے آیا ہے، تو ان کو اللہ تعالیٰ کے اس قول سے: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَا لۡاَبۡتَرُ. وافر حصہ ملا۔

تو اسی لیے اس راستے پر چلنے میں محنت سے کام لو (اور اس کام کے لیے) سحر سے پہلے نکلو اور حق و اہل حق کے ساتھ مدد کے لیے (موحدین ومجاھدین) کے قافلے کے ساتھ ملنے سے تمہیں کوئی چیز نہ روکے۔یہ بس چند دن ہیں۔ وعندالصّباح يحمد القوم السُّرىٰ. اور صبح کے وقت رات میں چلنے والے لوگ اپنے سفر کی تعریف کرے گی۔

اے جبریل، میکائیل و اسرافیل کے رب آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، تو ہی فیصلہ کرے گا اپنے بندوں کے درمیان ان چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، مجھے اپنے

حکم سے اُس حق کی ھدایت دے جس میں اختلاف کیا گیا ہے، یقیناً تو ھدایت دیتا ہے اس کو جس کو چاہے سیدھے راستے کی طرف۔

ابومحمد المقدسی حفظہ اللہ ۱٤۱۲ ھجری

میں نے اپنے عمل کو اللہ کے سامنے جیسا کچھ تھا پیش کیا مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ لوگ میری مذمت کرتے ہیں یا شکر کرتے ہیں۔ میرا فرض یہ ہے کہ بحث کے غوامض کو کھول دوں گا ئے اور بیل اگر میری بات کو نہ سمجھے تو یہ میری ذمہ داری نہیں

فضیلۃ الشیخ مقبول ھنگو حفظہ اللہ

۱۳ مارچ ۲۰۰۷ عیسوی



مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

http://www.muwahideen.tk

Email : info@muwahideen.tk